جلد چہارم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مکتبۃ الاسلام کراچی

درسِ حیات المسلمینؒ

درسِ حیات المسلمین

﴿جلد چہارم﴾

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا خلیل الرحمٰن ڈیروی صاحب مدظلہم
اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبۃ الاسلام کراچی

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم و علٰی آلہٖ

و اصحابہٖ اجمعین

امّا بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اوراسکی توفیق سے منگل کے دن عصر کی نماز کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں کچھ احباب اورعزیز طلباء جمع ہو جاتے ہیں، اورانکی خدمت میں عمل کرنے اور کرانے کی نیت سے دین کی کچھ باتیں عرض کرنیکا معمول ہے، بعض احباب کا کہنا ہے کہ اس سے فائدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، آمین۔

ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ میں سیدی وسندی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدّظلہم کے مشورہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''حیاتُ المسلمین'' پڑھنا اور بقدرِ ضرورت اسکی تشریح کرنا شروع کی، احباب کو اس کتاب کا درس بہت پسند آیا، اور اسکی ضرورت بھی تھی، کیونکہ یہ کتاب حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کی خستہ حالی اور بدحالی دور کرنے کے لئے لکھی تھی، اور آجکل مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔

بہرحال! جناب مولانا قاری خلیل الرحمٰن صاحب ڈیروی مدظلّہ کے دل میں شدّت سے داعیہ پیدا ہوا کہ ''حیاتُ المسلمین'' کی اس تشریح وتوضیح کو باقاعدہ محفوظ کیا جائے اور پھر مرتب کر کے ''درسِ حیاتُ المسلمین'' کے نام سے شائع کیا جائے، تاکہ دیگر مسلمان بھی اس سے فائدہ اُٹھاسکیں، انہوں نے بندہ سے اسکا ذکر کیا، بندہ کو بھی ان

کی رائے مفید معلوم ہوئی، پھر اس کام کی ذمہ داری بھی موصوف نے قبول کر لی، اس طرح حق تعالیٰ شانہ نے اس کا انتظام فرمادیا، چنانچہ ایک ایک، دو دو، بیان وہ محفوظ کر کے کمپوز کرواتے رہے، اور احقر کو دکھلاتے رہے، جب تقریباً پندرہ بیان ہو گئے اور ایک جلد کے برابر مواد جمع ہو گیا تو مشورہ سے ''درسِ حیاتُ المسلمین'' کے نام سے اسکی پہلی جلد شائع کی گئی، پہلی جلد کی طباعت کے بعد، عزیز موصوف نے مزید کام جاری رکھا، چنانچہ **الحمد للّٰہ** دوسری اور تیسری جلد بھی منظر عام پر آچکی ہے، اب حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے سترہ بیانات پر مشتمل جلد چہارم، تیار ہو گئی ہے جو آپکے سامنے ہے، **فللّٰہ الحمد و الشکر**۔

اس کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ ''حیاتُ المسلمین'' کی احادیث ومضامین کی اپنی بساط کے مطابق تشریح وتوضیح ہے، جو کیسٹوں اور سیڈیوں کے ذریعے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے، اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہو تو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

لیکن **الحمدللّٰہ**! اس تشریح وتوضیح کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں ہے، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپکو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے، اسی جذبہ سے اسکو پڑھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ''حیاتُ المسلمین'' کی اس ادنیٰ تشریح وتوضیح کو بندہ اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں اور جن جن احباب نے اسکی تیاری میں حصہ لیا

ہے، بالخصوص مولانا قاری خلیل الرحمٰن صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائیں، میرے اوران کیلئے اسکوصدقۂ جاریہ بنائیں، اورناشرکوبھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔

آمین بحرمة سيّد المرسلين و شفيع المذنبين
صلّى الله عليه وسلّم الى يوم الدّين.

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی
۲۷ ؍رجب ۱۴۳۶ھ
بروز ہفتہ بعد مغرب

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی سیّد المرسلین

و آلہٖ و أصحابہٖ أجمعین،

أمّا بعد!

حق تعالیٰ شانہٗ نے ماضی قریب میں حکیم الاُمّت، مجدّد الملّت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہ سے جو تجدیدی کام لیا، وہ اپنی مثال آپ ہے، اعمال واخلاق کی اصلاح کے سلسلے میں حضرت والا رحمہ اللہ کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں، آپ نے ایسے ایسے اہم اور باریک اُمور کی طرف بھی توجہ دلائی، جس کی طرف عموماً ذہن نہیں جاتا، خصوصاً معاملات کی صفائی اور ادائیگیٔ حقوق کے سلسلے میں ایسے ایسے گوشے نمایاں کئے، جن میں کوتاہیوں کی وجہ سے اسلامی معاشرت برباد ہوکر رہ جاتی ہے، جبکہ ان میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے صحیح اسلامی معاشرہ کا حسن نکھر کے سامنے آجاتا ہے اور دنیا سکون وراحت کے لحاظ سے جنّت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

مجدّد الملّت ہونے کی وجہ سے امّت کا درد، دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر کُڑھتے رہتے، اور مسلمانوں کی پستی اور بدحالی کے اسباب پر غور فرماتے رہتے، اور حق تعالیٰ جلّ شانہٗ اصلاحِ امّت کے سلسلے میں آپ کے دل پر جو اِلقاء فرماتے، آپ تحریر اور خطاب کی صورت میں امّت کے سامنے پیش فرماتے رہتے۔

مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کیسے واپس آئے؟ اور مسلمانوں کی پستی اور زبوں حالی کیسے دور ہو؟ مسلمانوں کے اعمال واخلاق کی اصلاح کیسے ہو؟ اس سلسلے میں حکیم الامّت حضرت تھانویؒ کی دوسری متعدد تصنیفات کے علاوہ، ایک اہم تصنیف ''حیاتُ المسلمین'' ہے، جو آپ کی تعلیمات کا نچوڑ اور طویل غور وفکر کا نتیجہ ہے، جسے آسان تر بنانے میں حضرت تھانویؒ نے سعیِ بلیغ فرمائی، جس میں حضرت تھانویؒ نے قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کی دنیا وآخرت میں صلاح وفلاح کے وہ عظیم گُر تحریر فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی بدحالی، خوشحالی میں تبدیل ہوسکتی ہے، مسلمانوں کی ذلت عزت میں، جبکہ پریشانیاں اور ناکامیاں خوشیوں اور کامیابیوں میں بدل سکتی ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس کتاب پر اپنا ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جس سے کتاب کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوجاتی ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ امّت کو اس کتاب کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ کیا جائے، اور اس میں ذکر کردہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کیا جائے، تاکہ اس پر زیادہ سے زیادہ عمل کرکے اجتماعی اور انفرادی زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکے۔

حق تعالیٰ شانہ سیدی وسندی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم کو جزاءِ خیر عطا فرمائیں (آمین)، جنہوں نے اپنے ہفتہ واری اصلاحی بیان میں جو ہر منگل کو جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی میں بعد نمازِ عصر پابندی سے ہوتا ہے ''حیاتُ المسلمین'' کا باقاعدہ درس شروع فرمایا، اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کے تناظر میں ''حیاتُ المسلمین''، میں ذکر کردہ تعلیمات کی تشریح بڑے مؤثر اور دلنشین انداز میں بیان کرنی شروع فرمائی، جس کا سلسلہ حسبِ معمول ہر منگل کو جاری ہے، حاضرین نے اس کی افادیت اور نافعیت بہت زیادہ محسوس کی، اور حضرت والا سے یہ درخواست کی

کہ اگر ان بیانات کو تحریری شکل میں لاکر ان حضرات تک پہنچانے کا انتظام ہو جائے جو مجلس میں کسی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتے، تاکہ وہ بھی ان قیمتی تشریحات سے مستفید ہو سکیں تو یہ مناسب ہوگا، حضرت والا نے کمالِ شفقت فرماتے ہوئے ان بیانات کی ''درسِ حیاتُ المسلمین'' کے نام سے جمع وترتیب اور اس کی طباعت کی اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ تیسری جلد کی طباعت کے بعد؛ بحمدہٖ تعالیٰ چوتھی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے، جبکہ اگلی جلدوں پر کام جاری ہے، باقی جلدیں بھی إن شاء اللہ تعالیٰ جیسے جیسے تیار ہوتی جائیں گی، آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہوتی رہیں گی۔ اللہ پاک ان مضامین کو مسلمانوں میں عام فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دیں۔ اور حضرت والا مدظلہم کو اس کی بہترین جزاء خیر عطا فرمائیں، آمین،

یکے از خدّام حضرت والا مدظلہم

خلیل الرحمٰن غفر اللہ لہٗ

اُستاذ و مدرّس جامعہ دار العلوم کراچی

۱۴۳۶/۷/۲۶ھ

اجمالی فہرستِ بیانات

فہرستِ مضامین

	عنوان	صفحہ نمبر

(۲) اللہ والوں کی صفات (حصہ اوّل) ۵۱

اللہ والوں کی صفات (حصہ چہارم) ۱۰۷

سلسلۂ درسِ حیاۃ المسلمین

صالح بننے کے اسباب

(۱)

شرحِ روحِ ہفتم

بیان نمبر (۵۲)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۲۶ اپریل ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمِنُ به ونتوكّل عليه ونعوذ باللّٰهِ من شرورِ أنفسنا ومن سيئاتِ أعمالنا مَن يّهدهِ اللّٰهُ فلا مضلَّ لهٗ وَمَن يُضللهُ فلا هَادِىَ لَهٗ وأشهد أن لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وحدهٗ لاشريك لهٗ وأشهد أنّ سيّدنا ونبيّنا ومولانا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلّى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آله وأصحابه و بارك وسلَّمَ تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

أمّا بعد!

فأعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرّجيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

(التوبۃ: آیت نمبر ۱۱۹)

صدق اللّٰه العظيم

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الأمت، مجدد الملّت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح میں نیک صحبت اور نیک مجلس میں بیٹھنے کی اہمیت، عظمت اور فضیلت بیان فرمائی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک صحبت میں بڑا اثر رکھا ہے، اس لئے اگر نیک صحبت میں بیٹھیں، چاہے وہ بیان کرے، یا نہ کرے، چاہے وہ بالکل خاموش ہی رہے، لیکن پھر بھی اس

کے پاس بیٹھنے سے بیٹھنے والے کے اندر اچھا اثر پیدا ہوتا ہے، اور جس طرح نیک مجلس میں نیک ہونے کا اثر ہے، اسی طرح بری صحبت میں برا ہونے کا اثر ہے، اس لئے نیک صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ، بری صحبت سے بچنا بھی ضروری ہے۔

بری صحبت سے پرہیز کرو

اگر کوئی بری صحبت سے نہیں بچے گا، اور بری صحبت میں بیٹھتا رہے گا، تو اس کا بھی اثر آکر رہے گا، لہٰذا نیک صحبت ایسی ہے جیسے دوا، کہ بیماری کے علاج کے لئے دوا پینا ضروری ہے، اور بری صحبت ایسی ہے جیسے پرہیز، دوا اس وقت اپنا اثر کرے گی، جب پرہیز بھی کرے گا، اگر دوا کھاتا رہے گا، اور اس کے ساتھ بد پرہیزی بھی کرے گا، تو فائدہ ہونا مشکل ہے، کیونکہ بیماری کے علاج اور اس سے صحت یاب ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، **نمبر ایک**: دوا کا اہتمام، **نمبر ایک**: نقصان دہ چیزوں سے پرہیز، جو شخص ان دونوں باتوں کا اہتمام کرتا ہے، عام طور پر صحت یاب ہوجاتا ہے، اسی طرح روحانی طور پر صحت یاب ہونے کے لئے بھی نیک صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اور بری صحبت سے بچنا ضروری ہے۔

نیک صحبت سے ملنے والی عظیم نعمت

جو آدمی نیک صحبت میں رہے گا، آہستہ آہستہ اس کی زندگی میں ان شاء اللہ تعالیٰ عمل آتا چلا جائے گا، اس کا ظاہر بھی سدھر جائے گا، اس کا باطن بھی سنور جائے گا، اور اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ اللہ جل شانہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دولت حاصل ہوگی نیز حق تعالیٰ شانہ کا صحیح اور سچا تعلق نصیب ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اللہ تعالیٰ کا صحیح اور سچا تعلق مطلوب و مقصود ہے، عام طور پر یہ کتابوں سے نہیں آسکتا، یہ نیک صحبت سے ہی نصیب ہوتا ہے، جن کو بھی یہ تعلق مع اللہ نصیب ہوا ہے،

نیک صحبت سے نصیب ہوا ہے، اس نیک صحبت کے سلسلے میں اصل چیز تو یہی ہے کہ کسی متبع سنت، متبع شریعت اللہ والے کی خدمت وصحبت میں آدمی رہے، لیکن اگر کسی کو فی الحال کوئی ایسی نیک صحبت میسر نہیں ہے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روح میں اس کا بدل بھی تحریر فرمایا ہے، جیسا کہ ابھی ان شاء اللّٰہ تعالیٰ آپ کے سامنے اس کا ذکر آئے گا۔

خط وکتابت کا تعلق

اس کا ایک بدل یہ بھی ہے کہ جس کو براہِ راست کسی کی نیک صحبت حاصل نہ ہو، تو پھر وہ کیا کرے؟ تو اس کو چاہئے کہ چند کام کرے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو بزرگ اور اللہ والا متبع سنت، اور متبع شریعت ہے، اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہے، یا کسی دوسرے ملک میں ہے، تو اس سے مستقل اور مضبوط رابطہ رکھے، انہیں برابر اپنا حال بتاتا رہے، اور جو کچھ وہ ہدایت دیں، اس پر عمل کرتا رہے، اور عمل کرکے اس کی اطلاع دیتا رہے، چاہے خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ رکھے یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعے رابطے میں رہے، اور خط وکتابت وغیرہ کے نتیجے میں جو کچھ شیخ اور مُصلح کی طرف سے ہدایات اور مشورے ملیں، ان پر عمل کرے، اور عمل کرنے کی بھی اطلاع کرتا رہے۔

اپنے شیخ کو بہتر سمجھنے کا مطلب

اس کو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے چار الفاظ میں بیان فرمایا ہے: (۱) اعتقاد (۲) اعتماد (۳) اطلاع (۴) اتباع، اعتقاد کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل میں اپنے حق میں اس متبع سنت اور متبع شریعت اللہ والے کو سب سے بہتر سمجھے کہ میری اصلاح کے لئے اور میری راہنمائی کے لئے، میرے حق میں اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہے، چاہے دنیا میں واقعۃً اس سے بہتر موجود ہوں، لیکن یہ سمجھے کہ میرے حق میں اس سے بہتر کوئی نہیں ہے، اور پر دل سے راضی رہے، تا کہ یکسوئی سے ان سے جڑا رہے، اور ان سے رابطے میں رہے،

تا کہ کہیں اور اس کی نظر نہ جائے، کیونکہ کبھی ایک بزرگ کے پاس جانا، اور اس سے تعلق رکھنا، اور کبھی دوسرے بزرگ کے پاس جانا، اور اس سے تعلق رکھنا، اور کبھی تیسرے کے پاس جانا، اور اس سے تعلق رکھنا، اس سے اصلاح نہیں ہوسکتی، اور انسان کو باطنی نفع نہیں ہوسکتا، لہٰذا پہلا نمبر یہ ہے کہ شیخ کو اپنے حق میں، اپنے دل میں سب سے بہتر سمجھے۔

بلا چون و چرا شیخ کی فرمانبرداری

اعتماد کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے، شیخ جو ہدایات اور مشورے دے ان پر چون و چرا نہ کرے، بس عمل کرے، فرمانبرداری کرے، اگر کوئی رکاوٹ ہو، تو اس سے بھی ان کو آگاہ کرے، یہ نہیں کہ تعلق تو ہے کسی اللہ والے سے، اور ان سے خط و کتابت بھی کرتا ہے، لیکن ان کی باتوں پر عمل نہیں کرتا، دراصل کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھنے کا، چاہے قریب بیٹھے، یا دور سے خط و کتابت کرے، دونوں میں تابعداری کرنا بھی ضروری ہے، اگرچہ نیک صحبت کا اثر خود بخود بھی ہوگا، لیکن یہ نیک صحبت کا اپنا اثر ہے، صحبت میں آنے والے، اور صحبت میں بیٹھنے والے کی بھی تو ذمہ داری ہے کہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سن کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے، ان کی تابعداری اور فرمانبرداری کرے، ان کی باتیں مانے، اپنی باتیں چھوڑے، جو شخص ایسا کرے گا، چاہے وہ کتنا ہی دور ہو، بیٹھے بیٹھے اس پر نیک صحبت کا اثر ہوگا، اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کو فائدہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہر اچھے برے حال کی اطلاع

تیسری بات ارشاد فرمائی: اطلاع، کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں، وہ عالم الغیب نہیں ہوتے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک کبھی کبھی ان کو کسی کی حالت منکشف فرمادیں، یا کسی کا کوئی حال ان کے اوپر ظاہر فرمادیں، لیکن یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے

ہیں کہ بھئی! ہمارے پیرومرشد کو تو سب خبر ہے، لہٰذا وہ خود ہی فرمادیں گے، اس خیال اور گمان میں نہ رہے، بلکہ اپنی ہر حالت، چاہے اچھی ہو یا بری، شیخ کو بتائے، کوئی اچھی حالت ہو، تو وہ بھی ضرور بتائے، ایسے ہی کوئی بری حالت ہو، تو اس کو بھی بتائے، بعض لوگ اپنی اچھی اچھی حالت تو اپنے مرشد کو بتاتے ہیں، اپنی بری عادتیں، برے اخلاق، برے اعمال چھپاتے ہیں، کہتے ہیں کہ بتائیں گے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پیر صاحب ناراض ہو جائیں، اور خفاء ہو جائیں کہ کم بخت! تو ایسا کرتا ہے، تو بڑا نالائق ہے۔

یاد رکھو! جو متبع سنت اور متبع شریعت بزرگ ہوتا ہے، وہ بڑا شفیق اور مہربان ہوتا ہے، اور اس کی مثال طبیب حاذق کی سی ہے، کہ جیسے طبیب حاذق بیمار کی بیماری کا دشمن ہوتا ہے، جبکہ بیمار پر شفیق و مہربان ہوتا ہے، اسی طرح سچے مُصلح بھی اس شخص کو جس کے اندر باطنی خرابیاں ہیں، یا جن گناہوں میں وہ مبتلا ہے، یعنی جو ظاہری اور باطنی خرابیاں اس میں موجود ہیں، وہ ان سے بچنے کی تاکید کریں گے، اس سے ہرگز بدگمان نہیں ہونگے اور نہ ہی دل میں اس کو برا سمجھیں گے، بلکہ بچنے کے لئے وہ اخلاص کے ساتھ ترکیب اور تدبیر بتائیں گے، اس لئے حالت اچھی ہو یا بری اس سے اپنے اس بزرگ کو جس سے تعلق قائم کیا ہے، باخبر کریں۔

اطلاع کے بعد اتباع

باخبر کرنے کے بعد جو جواب آئے، اس پر عمل کرے، چنانچہ اگر کسی چیز سے منع کر دیں، تو اس سے باز آجائے، کسی بات کو کرنے کے لئے مشورہ دے دیں، تو اس کو وہ بجالائے، اور بچنے اور عمل کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہو، یا کوئی اشکال پیدا ہو، یا کوئی دشواری پیش آئے، تو پھر بتائیں، جس طرح جسمانی امراض میں علاج کا طریقہ ہے، اسی طرح روحانی امراض کا علاج اور طریقہ ہے۔

ارشاد فرمائی ہیں:

نمبر ایک (۱)، جو بزرگانِ دین گزر گئے ہیں، ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کرے، کیونکہ بہت سے بزرگوں کی سوانح حیات مرتب اور چھپی ہوئی ہیں، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی سوانح کا نام ہے: ''تذکرۃ الرشید''، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کا نام ہے: ''سوانح قاسمی''، حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کا نام ہے: ''اشرف السوانح''، چار جلدوں میں ہے، اور یہ بہت ہی عجیب وغریب سوانح ہے، بالخصوص اس کی چوتھی جلد ظاہر وباطن کی اصلاح کے لئے تیر بہدف ہے، وہ حضرت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے، سب کو کم از کم اس کا مطالعہ کر ہی لینا چاہئے، اور اس کو اپنے مطالعے میں رکھنا چاہئے، اور ایک بار نہیں، بار بار اس کو پڑھتے رہنا چاہئے۔

نیز حال ہی میں حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ کی سوانح حیات بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آگئی ہے، وہ بھی ایک سالک کے لئے اپنے اندر رہنمائی کا بڑا سامان رکھتا ہے۔

دو قیمتی اور انمول کتابیں

ہمارے حضرتؒ کے بارے میں البلاغ کا ''مفتیٔ اعظم نمبر'' آپ پڑھ سکتے ہیں، اس میں حضرتؒ کی زندگی کے بہت سے پہلو آگئے ہیں، اور بہت ضخیم اور موٹی کتاب ہے، اس کا مطالعہ بہت ہی نافع اور مفید ہے، حضرتؒ کی مجالس بھی ''مجالسِ مفتیٔ اعظم'' کے نام سے شائع ہوگئی ہیں، ہر آدمی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خرید لے، اور پھر، خرید کر ان کا مطالعہ کرتا رہے، وقت زیادہ گزرنے کے باوجود بھی ان بزرگوں کی سوانح اور مجالس ایسی ہیں، جیسے ان کی صحبت میں بیٹھنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات میں بھی بڑا اثر رکھا ہے، اگر ان کے پاس بیٹھتے ہیں، تو بھی ان کے حالات کی وجہ سے اثر ہوتا ہے، اور وہی

حالات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، تو وہی اثر ان کی کتابوں سے ہوگا، اس لئے ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور اہلِ علم کو تو خاص طور سے مطالعہ کرنا چاہئے، اس سے علمی فائدہ بھی بہت ہوتا ہے، اور عملی فائدہ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے، اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

حکیم الامتؒ کے مواعظ اور ملفوظات

اس طرح حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور مواعظ بھی ہیں کہ اللہ پاک نے میں بڑی تاثیر رکھی ہے، اور چونکہ اپنی اصلاح مقصود ہے، اس لئے وقت کی کوئی حد بندی نہیں ہے کہ بس! ایک مرتبہ مطالعہ کرنا ہے، یا ایک مہینے مطالعہ کرنا ہے، یا دو مہینے مطالعہ کرنا ہے، یا ایک دو سال مطالعہ کرنا ہے، نیک صحبت جس طرح مرتے دم تک درکار ہے، ان حضرات کے سوانح یا ان حضرات کے مواعظ و ملفوظات بھی ساری زندگی مطالعے میں رہنے چاہئیں، اور مطالعے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ روزانہ ایک وعظ کا مطالعہ کریں، بلکہ تھوڑا تھوڑا مطالعہ کریں، ہر آدمی اپنی اپنی مشغولیت اور اپنے اپنے حالات کے مطابق تھوڑا تھوڑا مطالعہ کرتا رہے۔

مطالعہ کرنے کا سہل طریقہ

بعض بزرگوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواعظ کے سلسلے میں یہ گُر بتلایا ہے کہ جہاں اپنے مطالعہ کرنے کی جگہ ہے، وہاں کوئی نہ کوئی وعظ یا ملفوظ رکھ لیں، اور اپنے اسباق کا مطالعہ کرنے سے پہلے یا بعد میں، ملفوظات یا مواعظ میں سے ایک صفحہ یا دو صفحے مطالعہ کرلیا کریں، اب یہ بالکل تھوڑا سا مطالعہ ہے، ایک دو صفحہ میں کیا دیر لگتی ہے؟ مشکل سے پانچ منٹ لگیں گے، ہاں! کسی دن چھٹی ہو، یا دل چاہ رہا ہو، تو دو صفحوں سے زیادہ مطالعہ کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں، لیکن ذہن میں رکھیں کہ مجھے ایک دو صفحے کا مطالعہ کرنا ہے، اور کبھی ایک دو دو صفحے کی بھی فرصت نہ ہو، تو آدھے صفحے کا مطالعہ کرلیں،

لیکن کریں روزانہ، یہ ضروری ہے، قطرہ قطرہ دریا شود، حتی الامکان کسی دن بھی ناغہ نہ کریں، تو یہ ایسا گر ہے کہ اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سے مواعظ اور ملفوظات مطالعے میں آجائیں گے، اور وہ نیک صحبت کے قائم مقام ہے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ زندگی میں انقلاب آجائے گا، اخلاق سُدھر جائیں گے، اعمال سنور جائیں گے، دین کی سمجھ اور فہم پیدا ہوگا، علمِ نافع حاصل ہوگا، آخرت کی فکر پیدا ہوگی، یہ کتنے بڑے بڑے فائدے ہیں! جو نیک صحبت سے حاصل ہوتے ہیں، تو یہ گر بھی یاد رکھنے کا ہے۔

حکایات کی چند کتابیں

اسی طرح حضرتؒ نے نیک صحبت کا ایک بدل یہ بیان فرمایا ہے کہ بزرگوں کی حکایات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، یعنی وہ کتابیں جن میں بزرگانِ دین کی حکایتیں لکھی ہوئی ہیں، اور بزرگانِ دین کی حکایتوں کی کتابیں بھی الحمدللہ! چھپی ہوئی ملتی ہیں، اور ان بزرگوں کی حکایتیں بھی ملتی ہیں، جو متقدمین کہلاتے ہیں، جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، یہ متقدمین کہلاتے ہیں، ان کی حکایات پر مشتمل کتاب کا نام ہے ''نزہۃ البساتین''، اور ان سے اوپر صحابہؓ وتابعینؒ کی حکایات وواقعات بھی ہیں، اس کے لئے ''حکایاتِ صحابہ'' مشہور ومعروف کتاب ہے، ''فضائلِ صدقات'' مشہور ومعروف کتاب ہے، ان میں بھی یہی تاثیر ہے۔

اکابرِ علمائے دیوبندؒ کے قصے

ایسے ہی جو متاخرینِ اکابر ہیں، ان کی حکایات بھی موجود ہیں، جیسے ''حکایاتِ اولیاء'' ایک کتاب کا نام ہے، اس میں اکابر علمائے دیوبند کی حکایتیں ہیں، اور عجیب عجیب حکایتیں ہیں، اس کا پرانا نام ہے ''ارواحِ ثلثہ'' ہے، اب اس کے نام کو بدل کر ''حکایاتِ اولیاء'' نام

رکھ دیا گیا ہے، اس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتیں ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتیں ہیں، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی حکایتیں ہیں، اور دوسرے اکابر کی حکایتیں ہیں، ان میں بھی بڑا اثر ہے، پھر اس کے بعد جو اکابر علمائے دیوبند ہیں، ان کی حکایتوں کا نام ہے "حکایاتِ اسلاف" ہے، اس میں ان کے خلفاء، یا خلفاء کے خلفاء گزرے ہیں، ان کے واقعات اور ان کی حکایات جمع ہیں، اور یہ ایسی کتابیں ہیں کہ ان کو خود بھی پڑھو، تو اثر ہوتا ہے، اور اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سناؤ، تو ان کے اوپر بھی اثر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

صحبت کا بہترین بدل

اگر کسی کو کسی اللہ والے کی صحبت میں براہِ راست بیٹھنے کا موقع نہ ملے، تو اس کو چاہئے کہ ان کتابوں کو اپنے مطالعے میں رکھے، اور جس طرح میں نے عرض کیا تھا، اس طرح تھوڑا تھوڑا مطالعہ کیا کرے، اور بری صحبتوں سے پرہیز کیا کرے، تو اس طرح بھی وہ نیک صحبت میں ہے اور نیک مجلس میں ہے، اور جو اثر نیک مجلس میں ہوتا ہے، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اُسے بھی حاصل ہوگا، بس! اللہ کرے! ہمارے دل میں اس کی طلب پیدا ہو جائے، اور اس کی اہمیت اور ضرورت بیٹھ جائے، کہ نیک صحبت میں بیٹھنا کس قدر ضروری ہے! کس قدر نافع ہے! اس سے بڑھ کر اس کا نفع کیا ہوگا کہ یہ دین کے عمل میں آنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اصل مقصد دین پر عمل کرنا ہے، علم کا مقصد دین پر عمل کرنا ہے، جب علم کا مقصد عمل کرنا ہے، تو بس! عمل کا یہ سب سے بہترین ذریعہ ہے، جو ہمیں قرآن وحدیث میں بتایا گیا ہے۔

صرف معلومات کافی نہیں

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ آخرت میں معلومات پر بخشش نہیں ہوگی، معمولات پر

بخشش ہوگی، ایک ہے معلومات، اور ایک ہے معمولات، ان دونوں میں بہت فرق ہے، معلومات سے بخشش نہیں ہوگی، معمولات سے بخشش ہوگی، جس کے عمل میں دین ہوگا، اس کی بخشش ہوگی، جس کا عمل نہیں ہوگا، خالی علم ہوگا، اس کی بخشش نہیں ہوگی، بخشش کے لئے عمل ضروری ہے، محض جاننا کافی نہیں ہے، تو آج کل معلومات تو لوگوں کو بہت ہیں، لیکن ان میں باعمل بہت کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے ذرائع بہت ہیں، اور وہ اختیار بھی کیے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے علم بھی خوب حاصل ہورہا ہے، معلومات بھی خوب حاصل ہورہی ہیں، لیکن نیک صحبت میں بیٹھنا، اور بیٹھ کر علم کو اپنے عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت کم ہے، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے بس! معلومات ہی معلومات ہیں، عمل میں کچھ نہیں، اس لئے اپنے آپ کو صاحبِ معمولات بنانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور صاحبِ معمول آدمی بنتا ہے کسی صاحبِ معمول کی خدمت اور صحبت میں رہنے سے، اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے آدمی کو عمل کی توفیق ہوتی ہے، کیونکہ وہ خود باعمل ہے، اس لئے جو ان کے پاس بیٹھتا ہے، اس کے اندر بھی عمل کا جذبہ بیدار ہوجاتا ہے، اور وہ باعمل بننے لگتا ہے۔

صحبت میں بیٹھنے کی نیت

چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کے پاس اس نیت سے بیٹھنا چاہئے کہ ان سے اچھی باتیں سنیں گے، اور اچھی عادات واخلاق سیکھیں گے، جب اس نیت سے آپ کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھیں گے، تو ان شاء اللہ ایسا ہی اثر ہوگا، کیونکہ نیک صحبت کے ساتھ ساتھ نیت کا بڑا دخل ہے، جس نیت سے جائے گا، ویسا ہی اثر ہوگا، اگر اس نیت سے جائے گا، جو حضرتؒ نے بیان فرمائی ہے، تو وہی اثر ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگا، اگر کسی اور نیت سے جائے گا، جیسا کہ بعض لوگوں کی مختلف نیتیں ہوتی ہیں۔

دعا کروانے کی نیت سے حاضری

بعض لوگ بزرگوں سے اس نیت سے تعلق رکھتے ہیں کہ جب کوئی آڑا وقت آئے گا، حضرت سے دعا کروالیں گے، وہ مستجاب الدعوات ہیں، ان کی دعائیں بڑی قبول ہوتی ہیں، کوئی مسئلہ اٹک گیا، کوئی پریشانی پیش آگئی، جا کر حضرت سے دعا کروالیں گے، اب اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے گی، پریشانی آئے گی، تو دعا کروالیں گے، بس! یہ ان کی نیت ہے، تو بھئی! یہ نیت لے کر ان سے ملنے سے یہ مقصد تو ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا، لیکن اصلاح نہیں ہوگی، اعمال درست نہیں ہوں گے، اخلاق نہیں سنوریں گے، دین عمل میں نہیں آئے گا، کیونکہ وہ اس نیت سے آیا ہی نہیں، جب نہیں آیا، تو یہ اثر بھی نہیں ہوگا، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے تھوڑا بہت اثر ضرور ہوگا، لیکن اصل مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوگا۔

صرف دعا کروانے کی مثال

بزرگوں کی صحبت میں آنے جانے سے جس طرح کی نیت ہوگی، اسی طرح کا اثر ہوگا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی ڈاکٹر صاحب کے پاس اس لئے آئے جائے کہ جب بیمار ہوں گا، تو میں ان سے مشورہ لے لوں گا، علاج نہیں کرواؤں گا، بس! مشورہ لے لوں گا کہ مجھے یہ بیماری ہے، اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ رائے دے دیں گے، تو اس طرح بیماری میں فائدہ نہیں ہوگا، اسی طرح اللہ والے کے پاس جانے سے مقصد صرف دعا کروانا ہے، اصلاح وغیرہ نہیں ہے، تو پھر اصلاح نہیں ہوگی۔

وظیفے اور تعویذ کے لئے آنا

بعض لوگوں کی نیت بزرگوں سے ملنے اور ان کے پاس آنے جانے سے یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مصیبت یا پریشانی آئے گی، تو حضرت سے اس کا وظیفہ پوچھ لیں گے، مثلاً

رزق میں تنگی ہو رہی ہے، اب حضرت سے فراخیٔ رزق کا وظیفہ پوچھ رہے ہیں، یا تعویذ مانگ رہے ہیں، دوکان نہیں چل رہی، مقدمہ میں کامیابی حاصل ہو جائے، فلاں مصیبت دور ہو جائے، پریشانی دور ہو جائے، کوئی وظیفہ بتا دیں، یا کوئی تعویذ دے دیں، تو بھئی! ایسے لوگ وظیفوں اور تعویذوں کے لئے تعلق رکھنے والے ہیں، جیسا تعلق، جیسی نیت، ویسا ہی اثر، ویسا ہی فائدہ۔

مالداروں سے تعلقات بڑھانے کی نیت

بعض لوگوں کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ بزرگ بڑے اللہ والے ہیں، ان کے پاس بڑے بڑے مالدار لوگ آتے رہتے ہیں، لہٰذا جب کوئی پریشانی پیش آئے گی، تو حضرت سے سفارش کروالیں گے، کہیں نوکری کی ضرورت ہوگی، تو کہیں گے کہ حضرت! آپ کے پاس فلاں صاحب آتے ہیں، آپ ان سے سفارش کر دیں تاکہ مجھے اپنے یہاں نوکری دے دیں، مجھے ملازمت دے دیں، تو یہ بھی ایک نیت ہے، وہ اسی نیت کو لے کر آتے جاتے ہیں، ان کی مجلس میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، ان کا مقصد اپنی اصلاح نہیں ہے، تعلق مع اللہ نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہے۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید کا واقعہ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگوں میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص ان کی خدمت میں اصلاح کے لئے آیا، اور ان کی خانقاہ میں ٹھہر گیا، کافی دن تک وہ ان کی خدمت میں رہا، لیکن اسے کچھ فائدہ نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت کے دل پر اس کا حال منکشف فرما دیا، کہ وہ دراصل طالبِ حق نہیں ہے، طالبِ دنیا ہے، حضرت، شاہی ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے تھے، جب نکلتے تھے، تو آپ کی سواری بھی ایک شاہی سواری ہوتی تھی، خدام اور شاگرد چاروں طرف ہوتے تھے، تو حضرت کو اس کے دل کا حال منکشف

ہوا، اللہ والے بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں، صاف صاف اور کھلے طور پر ایسی باتیں نہیں کہتے، بلکہ قاعدے اور سلیقے سے اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں، تو ایک دن سویرے حضرت نے ان کو ساتھ لیا، حضرت کا معمول تھا کہ سویرے سویرے نہر کے پاس ٹہلنے کے لئے جایا کرتے تھے، تو حضرت نے ایک دن اس مرید کو ساتھ لیا، اور چلتے چلتے حضرت نے بات شروع کی، باتوں باتوں میں حضرت نے فرمایا کہ بھئی! حرمین شریفین جانے کو بڑا دل چاہتا ہے، تو اس نے بھی ہاں میں ہاں ملائی کہ ہاں حضرت! میرا بھی بڑا دل چاہتا ہے کہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہو، مکہ مدینہ جانا نصیب ہو، تو حضرت نے فرمایا ابھی چلو! تو اس نے کہا کہ حضرت! خانقاہ میں میری چادر اور تھوڑا سا سامان رکھا ہے، وہ لے آؤں، حضرت نے فرمایا کہ اس کے لانے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے نہیں دیکھتے کہ میں اتنا بڑا محل اور اتنا بڑا کارخانہ اور اتنا بڑا انتظام، جو میرے ماتحت چل رہا ہے، میں اس کو دیکھے بغیر ہی تمہیں چلنے کے لئے کہہ رہا ہوں پھر فرمایا: یاد رکھو! تمہاری چادر تمہاری دنیا ہے، اور یہ میرا محل دنیا نہیں ہے۔

ایک غلط خیال کی اصلاح

یعنی اس شخص کے دل میں یہ خیال تھا کہ حضرت اتنے شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہیں، تو طالبِ دنیا ہیں، طالبِ آخرت نہیں ہیں، یہ خیال اس شخص کے ذہن میں تھا، اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں یہ خیال ہوگا، اس کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟ اس طرح حضرت نے اس کا علاج فرمایا کہ تم طالبِ دنیا ہو، اور تمہاری ایک چادر تمہاری دنیا ہے، اور میرا یہ محل وغیرہ میری دنیا نہیں ہے، کیونکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل کرے، فارسی کا شعر ہے:

ہست دنیا از خدا غافل شدن

دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہونا،

نے　قماش　و　نقرہ　و　فرزند　و　زن

نہ کپڑا، اور نہ سونا چاندی، نہ اولاد اور بیوی، اس کا نام دنیا نہیں ہے۔

دنیا آخرت سے غافل ہونے کا نام ہے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کو مال و دولت نے، روپے پیسے نے، محل نے، حشم و خدم نے اللہ کے راستے میں نکلنے سے نہیں روکا، تو وہ ان کے لئے دنیا نہیں ہے، اور وہ مرید جو حضرت کی خدمت میں رہنے کے لئے آیا تھا، اس کی چادر نے اس کو بیت اللہ جانے سے روک دیا، وہ اس کی دنیا بن گئی، لہٰذا انسان کی اصلاح جب ہی ہوگی، جب اس کی نیت ہوگی، اگر نیت ہی نہیں ہوگی، یا نیت صحیح نہیں ہوگی، تو اصلاح بھی نہیں ہوگی۔

دس سال تک اصلاح کیوں نہیں ہوئی؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص دس سال تک رہا، دس سال بہت بڑی مدت ہوتی ہے، پھر کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کی خدمت میں اتنے عرصے تک رہا، آج تک آپ کی ایک کرامت بھی نہیں دیکھی، تو گویا وہ طالبِ کرامت تھا، طالبِ اصلاح نہیں تھا، تو حضرت نے اس کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ بھئی! تم نے دس سال کے عرصے میں میری کوئی کرامت تو نہیں دیکھی، لیکن یہ بتاؤ کہ میرا کوئی کام خلافِ سنت بھی دیکھا؟ کہا کہ نہیں حضرت! میں نے آپ کا کوئی کام خلافِ سنت نہیں دیکھا، آپ کی زندگی سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑی کرامت کیا دیکھو گے؟ سبحان اللہ! واقعی اصل کرامت تو یہ ہے، اور الاستقامۃ فوق الکرامۃ، دین پر استقامت، اور سنت پر استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے، چونکہ وہ کرامت کا طالب تھا، اس لئے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، حضرت نے بتا دیا کہ بھئی! طالبِ کرامت نہیں ہونا چاہئے، طالبِ دین ہونا چاہئے، طالبِ سنت ہونا چاہئے، اس نیت سے بزرگوں کی صحبت میں رہنا چاہئے کہ میرے اندر بھی دین پر مضبوطی سے جمنا حاصل ہو جائے،

اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت کی مجھ کو بھی توفیق ہو جائے۔

سکون کے حصول کے لئے حاضری

اسی طرح بعض لوگوں کی بزرگوں کی صحبت میں آنے کی یہ نیت ہوتی ہے کہ بھئی! یہ اللہ والے ہیں، ان کے پاس بڑا سکون ملتا ہے، اور اپنا سارا غم اور سارا دُکھڑا سنانے سے طبیعت بڑی ہلکی ہو جاتی ہے، بس! اس لئے آرہے ہیں، اس لئے بیٹھے ہیں، کبھی کوئی پریشانی سنادی، کبھی کوئی مصیبت سنادی، جو جس طرح اپنے رات دن گزارتا ہے، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوتا ہے، کہیں اور تو تسلی نہیں ملتی، بس! جن بزرگ سے تعلق ہے، ان کے پاس جاکر انہیں اپنا سارا حال سناتا رہتا ہے، اور اپنا دُکھڑا ان کو سناتا رہتا ہے، اور انہیں سناکر، بتاکر اپنے کو ہلکا کرتا رہتا ہے، ایسے آدمی کی اصلاح تھوڑا ہی ہوگی! کیونکہ وہ اپنی اصلاح کے لئے نہیں آیا، وہ تو اپنا غم ہلکا کرنے آیا ہے، تو اس قسم کی نیتیں بھی حضرتؒ نے اپنے مختلف مواعظ میں بیان فرمائی ہیں، اس لئے یہاں پر پہلے ہی بتادیا کہ کس نیت سے اللہ والے کی صحبت میں جانا چاہئے، وہ نیت یہ فرمائی کہ نیک لوگوں کے پاس اس نیت سے بیٹھنا چاہئے کہ ان سے اچھی باتیں سنیں اور عمل کریں، اور ان سے اچھی عادات اور اخلاق سیکھیں۔

نیک صحبت کا متبادل

پھر اس کے بعد حضرتؒ نیک صحبت کا متبادل بیان فرماتے ہیں:

''اسی طرح جو لوگ دنیا سے گزر گئے ہیں، ان کے اچھے حالات کی بھی پیروی کرنی چاہئے، یعنی جو لوگ دنیا سے جاچکے ہیں، چاہے ان کی سوانحات ہوں، اور چاہے ان کی حکایات ہوں، یا ان کے اخلاق و اعمال کا تذکرہ ہو، وہ پڑھیں، اور پڑھ کر ان کو اپنانے کی کوشش کریں، اب اگرچہ ان کی مجلس میسر نہیں، کیونکہ وہ دنیا سے جاچکے، لیکن ان کے حالات جن کتابوں میں موجود

ہیں، ان کو خود پڑھ کر، یا کسی سے پڑھوا کر معلوم کرنا ایسا ہی ہے کہ گویا خود ان کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے باتیں سن لیں، یا ان سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں''۔

یہ حضرتؒ نے نیک صحبت کا بدل ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو کسی بزرگ کی صحبت میسر نہیں ہے، وہ ایسی جگہ میں ہے، جہاں کوئی بزرگ قریب میں موجود نہیں ہے، تو پھر ان کی کتابیں وغیرہ اپنے مطالعہ میں رکھے، اور جو کچھ پڑھے، اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے کے فائدے

اب حضرتؒ نیک مجلس میں بیٹھنے کے کچھ فائدے بیان فرماتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد اور بہت قوت کے ساتھ بغیر خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے، چنانچہ ماحول اور حالات اچھے ہوں، تو اچھا اثر قبول کرتا ہے، اور اگر برے ہوں، تو برا اثر قبول کرتا ہے، لہٰذا اچھی صحبت کا میسر آ جانا بڑے فائدے کی چیز ہے، اور بری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے۔

حکیم الامتؒ کے خلفاء کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نیک صحبت کے اثر کا ایک واقعہ یاد آیا، ایک مرتبہ خانقاہ میں حضرتؒ کے خاص خاص خلفاء موجود تھے، حضرت کی خانقاہ ظاہراً بہت چھوٹی سی ہے، اور وہاں اوپر چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے ہیں، جن میں طالبین اور اصلاح چاہنے والے، حضرتؒ کی اجازت سے قیام کرتے، اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ہوتی رہتی، تو ایک مرتبہ ان خاص خاص خلفاء کی آپس میں ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک نے اپنا حال سنایا کہ بھئی! میرا حال یہ ہے کہ جب میں خانقاہ میں آتا ہوں، اور حضرت کی خدمت میں قیام کرتا ہوں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں سب سے پیچھے ہوں، سب مجھ

سے آگے ہیں، سب تو خوب ترقی کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزلیں طے کر رہے ہیں، میں سب سے پیچھے اور سب سے کم تر ہوں، تو باقی خلفاء نے بھی یہ سن کر کہا کہ بھئی! یہی حال ہمارا ہے، ہم جب بھی خانقاہ میں آتے ہیں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو رہا، حضرت کے دوسرے خادم خوب ترقی کر رہے ہیں، خوب اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل کر رہے ہیں، اور آگے بڑھ رہے ہیں، اور میں سب سے پیچھے رہ گیا ہوں، میری کوئی حیثیت نہیں، میری کوئی حقیقت نہیں، سب کا یہی حال ہے۔

حضرت تھانویؒ کا مقامِ تواضع

جب سب کا یہی حال سامنے آیا، تو انہوں نے کہا کہ بھئی! ہمارا یہ مشترکہ حال ہے، لہٰذا ایسی صورت میں حضرت سے وقت لینا چاہئے، اور مل کر اپنا حال عرض کرنا چاہئے، تاکہ سب کو حضرت کی طرف سے دوا ملے، اور علاج ملے، معلوم نہیں کہ یہ حال اچھا ہے یا برا؟ اب انہوں نے حضرت سے ملاقات کی، اور حضرت سے وقت لیا، وقت لے کر یہ حضرت سے ملے، اور عرض کیا کہ حضرت! ہمارا ایک مشترکہ حال ہے، وہ عرض کرنا چاہتے ہیں، فرمایا کہ کیا حال ہے؟ انہوں نے اپنا حال سنایا کہ حضرت! ہمارا یہ حال ہے، حضرت نے سن کر فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے، ... اللہ اکبر! .. ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اور سارے مجھ سے بہتر ہیں، سارے مجھ سے بڑھ کر ہیں، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد معروف ہے کہ میں فی المآل کافر کو اپنے سے اچھا سمجھتا ہوں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کافر کا انتقال ایمان پر ہو جائے، اور خدانہ کرے! خدانہ کرے، میرا انتقال کفر پر ہو جائے، تو پھر مآل کے اعتبار سے کافر اچھا ہوا، حضرت فرماتے ہیں کہ مسلمان کو فی الحال اپنے سے اچھا سمجھے، ہر مسلمان کو اپنے سے اچھا سمجھے، چاہے ظاہر میں وہ مسلمان کیسا ہی فاسق و فاجر ہو، کیسا ہی دین سے دور اور غافل ہو، لیکن ہر مسلمان کو فی الحال اپنے سے اچھا سمجھنا ضروری ہے، اور کافر کو فی المآل اپنے سے اچھا سمجھنا ضروری ہے۔

یہ تواضع، صحبت کا اثر ہے

اس لئے حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، باقی سب، سب کچھ ہیں، اب یہ سن کر یہ خلفاء بھی خاموش ہو گئے کہ اب ہم کیا بولیں؟ چنانچہ تھوڑی دیر یہ لوگ بیٹھے رہے، پھر اٹھ کر واپس آگئے، اور آپس میں مل کر کہنے لگے کہ بھئی! یہ ہمارے حضرت خود تواضع میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور مقامِ فنا پر فائز ہیں، خانقاہ میں آنے کی وجہ سے ہم پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے، جو تواضع، عبدیت اور فنائیت حضرت کے دل میں ہے، ہمارے اندر بھی آرہی ہے کہ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں، باقی لوگ سب کچھ ہیں، تو صحبت کا اثر دیکھو! کہ جو بھی خانقاہ میں آرہا ہے، اس پر حضرت کے دل کی تواضع کا اثر پڑ رہا ہے، چاہیں، یا نہ چاہیں، اس کا اثر ہو رہا ہے، اللہ پاک نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایسی تاثیر رکھی تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کی اصلاح کا واقعہ

ایسے ہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، تو مناظرے بھی کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی صاحب سے مناظرہ کرنے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے، اور وہاں خانقاہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قیام پذیر تھے، حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، حضرتؒ نے پوچھا کہ بھئی! کیسے آنا ہوا؟ بتایا کہ میں فلاں صاحب سے مناظرہ کرنے کے لئے آیا ہوں، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی! دیکھو! وہ ہمارے بھی اور تمہارے بھی بڑے ہیں، اور بڑوں سے مناظرہ مناسب نہیں ہے، تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی بات مان لی، اور ان سے مناظرہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور درخواست کی کہ حضرت! مجھے بیعت فرمالیجئے!

حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت کرلیا، اور بیعت کرنے کے بعد خانقاہ کے اندر مقیم ہو گئے، اور چالیس دن وہاں رہنے کا ارادہ کرلیا، مناظرہ کرنے آئے تھے، اور خانقاہ میں مقیم ہو گئے، اور حضرت حاجی صاحبؒ سے کہنے لگے کہ حضرت! مجھ سے وظیفے وغیرہ نہیں کھینچے جائیں گے، رات کو اٹھ کر تہجد وغیرہ پڑھنا، اچھا کام ہے، مگر میرے لئے مشکل ہے، کہا کہ میں کب کہہ رہا ہوں تم سے کہ وظیفے کھینچو، اور تہجد پڑھو، بس! تم یہاں رہو۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت کا اثر

جب رات ہوئی، تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھلی، دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجد پڑھ رہے ہیں، تو دل میں خیال آیا کہ میں جوان اور حضرت بوڑھے، وہ بوڑھے ہو کر تہجد پڑھ رہے ہیں، اور میں جوان ہٹا کٹا ہو کر بستر پر پڑا ہوا ہوں، یہ بہت بری بات ہے، مجھے نماز پڑھنی چاہئے، اچھا کام ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ حضرت اٹھے، وضو کیا، اور تہجد پڑھنے لگے، بس! اس طرح سے خانقاہ میں جو کچھ اعمال ہو رہے تھے، دیکھتے دیکھتے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ انہیں کرنے لگے، اس طرح جب چالیس دن گزر گئے، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی! تمہیں جو کچھ دینا تھا، میں نے دے دیا، جاؤ! تم آج سے میرے خلیفہ ہو، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو پتہ نہیں چلا کہ حضرت نے کیا دے دیا؟ بعد میں پتہ چلا کہ تعلق مع اللہ اور تواضع کی دولتِ عظمیٰ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت میں رہنے سے نصیب فرمادی تھی۔

اس لئے حضرت فرما رہے ہیں کہ نیک صحبت کا بہت ہی قوی اثر ہے، اس لئے نیک صحبت اختیار کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

اللہ والوں کی صفات

(حصہ اوّل)

(۲)

شرحِ روحِ ہفتم

بیان نمبر (۵۳)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۳ مئی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمِنُ به ونتوكّل عليه ونعوذ باللّٰهِ من شرورِ أنفسنا ومن سيئاتِ أعمالنا مَن يّهدهِ اللّٰهُ فلا مضلَّ لهٗ ومَن يُضللهُ فلا هَادِيَ لَهٗ وأشهد أن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ لاشريك لهٗ وأشهد أنّ سيّدنا ونَبِيّنَا ومولانَا محمداً عبدهٗ و رسولهٗ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ و أصحَابهٖ و بارك و سلَّمَ تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

أمّا بعد!

فأعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرّجيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحيم

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ (الفاتحہ: آیت نمبر ۵ تا ۷)

صدق اللّٰه العظيم

میرے قابلِ احترام بزرگو!

''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح میں حکیم الاُمت، مجدد الملّت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیک صحبت اختیار کرنے کی اہمیت اور تاکید فرمائی ہے، کیونکہ نیک صحبت میں اللہ جلّ شانہٗ نے نیک ہونے کا اثر رکھا ہے، اس طرح بری صحبت سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، کیونکہ بری صحبت میں برا ہونے کا اثر پایا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ حضرتؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہم سب کو نیک صحبت اختیار کرنی چاہئے، نیک صحبت میں بیٹھنا چاہئے،

اور بری صحبت سے بچنا چاہئے، تاکہ بری صحبت کے اثرات اپنے اندر نہ آنے پائیں۔

آج کا موضوع

آج اس روح کا جو حصہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ پڑھا جائے گا، اس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیک آدمی کی علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جو تقریبا تیرہ (۱۳) ہیں، جس شخص میں یہ تیرہ (۱۳) علامتیں اور نشانیاں پائی جائیں، وہ نیک آدمی ہے، اللہ والا ہے، متقی اور پرہیز گار ہے، ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے، اس کی مجالست اور ہم نشینی نیک آدمی کی مجالست اور ہم نشینی ہے، اور اس کی خدمت میں، اور اس کے پاس بیٹھنے میں بہت ہی فائدہ اور اثر ہے، نیک صحبت سے جو کچھ مطلوب اور مقصود ہے، وہ ان شاء اللّٰہ ایسے شخص کی صحبت سے حاصل ہوگا، اور پھر آگے چل کر حضرتؒ نے ایک مختصر سی علامت اور نشانی بھی بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ان تمام علامتوں کی شناخت نہ ہو سکے، چھان بین کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے، تو اس کے لئے آسان سا طریقہ بھی حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ہے، اس طریقے سے بھی نیک صحبت کو اختیار کیا جا سکتا ہے، اور پہچانا جا سکتا ہے۔

مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

ان اوصاف سے پہلے، ایک دو شعر مجھے یاد آرہے ہیں، پہلے وہ عرض کردوں، اس کے بعد پھر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ یہ اوصاف آپ کے سامنے بیان کیے جائیں گے، یہ شعر حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، فرماتے تھے کہ ؎

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
تیرے عاشقوں میں جینا تیرے عاشقوں میں مرنا

حضرت کا دوسرا شعر یہ ہے ؎

یا رب! تیرے عشاق سے ہو میری ملاقات
قائم ہے جن کے فیض سے یہ ارض وسمٰوٰت

حضرت کا تیسرا شعر یہ ہے ۔

جی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ جاکر رہوں جہاں
رہتا ہو کوئی درد بھرا دل لئے ہوئے

مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

اور ایک شعر مجذوب صاحبؒ کا یاد آگیا ۔

پھر ذرا مطرب! اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تیری آواز سے

یعنی پھر ذرا اسی انداز سے بات کہیے، آپ کے بات کہنے سے مردہ دل زندہ ہو گئے، بے حس میں حس پیدا ہو گئی، بے شوق میں شوق پیدا ہو گیا، بے فکر میں فکر پیدا ہو گئی، یعنی مردہ زندہ ہو گیا۔

اور ایک شعر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ہے، جس سے بھی نیک صحبت کے اثر کا پتہ چلتا ہے کہ ۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں
اس دل میں خدا جانے کیا آگ بھری ہوگی

یعنی ان کے وعظوں سے، ان کے ملفوظات سے، ان کی نیک صحبت سے ہزاروں کی زندگی بدل گئی، ان کے اپنے دل کا کیا حال ہوگا؟۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر

ایک شعر فارسی کا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ بھی اپنی شان کے مطابق فرماتے ہیں ۔

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کامل پامال شو

باتیں بنانا چھوڑو صاحبِ حال بن یعنی پرہیز گار بن، متقی بن، باتیں بنانا چھوڑ، پھر اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ پیشِ مردِ کاملِ پامال شو، کسی اللہ والے کے سامنے اپنے آپ کو مٹادے، کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنی چاہت ختم کردے، ان کی چاہت اپنے اوپر نافذ کردے، اس طرح سے تُو بھی اللہ والا بن جائے گا، اور نیک بن جائے گا، اور پارسا بن جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اہل اللہ کے اوصاف

اللہ والوں کی علامات اور نشانیاں، اوران کے اندر جوخوبیاں ہوتی ہیں، ان کا بیان فرمایا کہ اچھی صحبت سے مراد ایسے شخص کی صحبت ہے، جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں:

(۱) ضرورت کے مطابق دین کے مسائل سے واقفیت ہو۔

(۲) عقیدے بھی اچھے ہوں۔

(۳) شرک وبدعات اورخلافِ شرع رسومات سے بچتا ہو۔

یعنی نیک آدمی وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں ہے، جس شخص کی نیک صحبت اختیار کی جائے، تو پہلے یہ باتیں دیکھ لینی چاہئیں۔

ضروری مسائل سے واقفیت

پہلی بات یہ ہے کہ اس کو بقدرِ ضرورت دین کا علم حاصل ہو، عالم بننا عام حالات میں فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے، اس لئے کسی بزرگ کے لئے، اوراس کی صحبت اختیار کرنے کے لئے اس بزرگ کا عالم ہونا شرط نہیں ہے، عالم ہونا ضروری نہیں ہے، ہاں! اگر عالم ہو، توزیادہ بہتر ہے، ضروری یہ ہے کہ اس کو دین کا ضروری علم بقدرِ ضرورت حاصل ہو، نماز کے ضروری احکام اورمسائل معلوم ہوں، وضو، استنجاء اور غسل کے ضروری مسائل معلوم ہوں، روزے، زکوۃ، اورحج کے ضروری مسائل معلوم ہوں، معاملات، خریدوفروخت

تھے، وہ لوگوں سے شہر میں ملتے رہتے تھے، اور اپنے پیر صاحب کی خوب تعریفیں کرتے تھے، کہ ہمارے حضرت تو ایسے ہیں، اور ویسے ہیں، اور وہ شہر میں بھی نہیں رہتے، گھر میں بھی نہیں رہتے، بیوی بچوں میں بھی نہیں رہتے، اس قدر تارکِ دنیا ہیں، وہ تو جنگل میں رہتے ہیں، وہاں اللہ، اللہ، کرتے ہیں، بعض لوگ ان کی باتیں سن کر بہکاوے میں آجاتے تھے، اور پھر وہ جا کر جنگل میں ان کے پیر صاحب سے ملتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک مرید نے ایسے ہی کسی شہری آدمی کو بہکایا، وہ پیر صاحب سے ملنے کے لئے جنگل میں چلا گیا،

ایسے جاہل پیر عام طور پر نماز، روزے کے پابند نہیں ہوتے، بس! جو ان کی سمجھ میں آتا ہے، کرتے ہیں، اللہ بچائے! تو باتوں باتوں میں شہر سے آنے والے اس شخص نے پیر صاحب سے کہا کہ پیر صاحب! آپ کا بڑا حوصلہ ہے، آپ بڑے مضبوط دل والے ہیں، ایسے خوفناک جنگل میں آپ رہتے ہیں، رات کیسے گزارتے ہوں گے؟ مجھے تو شام آتے ہی ڈر لگ رہا ہے، کہ مجھے واپس بھی جانا ہے، آپ رات کیسے گزارتے ہوں گے؟ تو پیر صاحب کو جوش آگیا، اور وہ کہنے لگا کہ میں خدا سے نہیں ڈرتا، اس جنگل سے کیا ڈروں گا؟ العیاذ باللہ، استغفر اللہ۔

جاہل مرید کا واقعہ

حضرتؒ نے ایسے ہی ایک جاہل مرید کا قصہ لکھا ہے کہ ایک جاہل مرید ایک دن اپنے پیر کے بتائے ہوئے وظیفے کی پابندی کے سلسلے میں کہنے لگا کہ میرے پیر صاحب نے مجھ کو جو وظیفہ بتایا ہے، وہ کبھی قضاء نہیں ہوتا، چاہے فجر کی نماز قضا ہو جائے، یعنی پیر صاحب نے جو وظیفہ بتایا ہے، وہ میں پابندی کے ساتھ کرتا ہوں، فرض نماز قضا ہو، تو ہو جائے، العیاذ باللہ، دیکھو! جاہل پیر کے یہ نقصانات ہیں کہ پیر کا بتایا ہوا وظیفہ اتنا اہم ہے کہ فرض نماز بھی اس کے برابر نہیں ہے! اور جاہل پیر جو خدا سے نہ ڈرے، وہ کس سے ڈرے گا؟ توبہ توبہ، تو ایسے عجیب عجیب قصے حضرت نے بیان فرمائے ہیں۔

ایک اور جاہل پیر کا واقعہ

ایک اور قصہ یاد آ گیا کہ ایک پیر صاحب اپنے مریدوں میں دورہ کرنے کے لئے گئے، کہ بھئی! بہت دن ہو گئے، اب اپنے مریدوں کو دیکھنا چاہیے، اور یہ لوگ عام طور پر کچھ نذرانے لینے کے بھی عادی ہوتے ہیں، کہ مریدوں کے پاس جائیں گے، تب ہی تو نذرانے ملیں گے، اور انہوں نے یہ مثال مشہور کر رکھی ہے کہ ؎

خالی ہاتھ آؤ، خالی ہاتھ جاؤ
بھرے ہاتھ آؤ، بھرے ہاتھ جاؤ

اس کا مطلب یہ ہے کہ مریدوں کو یہ تلقین ہے کہ پیر صاحب کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر جایا کرو، خالی ہاتھ جاؤ گے، تو وہاں سے خالی ہاتھ ہی آؤ گے، وہاں کچھ نہیں ملے گا، یہ بھی سب جاہلانہ باتیں ہیں، تو یہ پیر صاحب اپنے مریدوں کا دورہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے، ایک دیہات میں پہنچے، وہاں کافی زمیندار تھے، جو ان کے مرید تھے، ایک زمیندار نے پیر صاحب سے کہا کہ پیر صاحب! آپ بہت ہی دُبلے ہو رہے ہیں، آپ بہت ہی کمزور ہو گئے ہیں، کیا بات ہے؟ پیر صاحب فرمانے لگے کہ بھئی! کیوں نہ کمزور ہو جاؤں، تمہارے غم نے مجھے نڈھال کر دیا، مجھے تمہاری فکر ہے کہ قیامت میں تمہیں کیسے بخشواؤں گا؟ تمہارے بخشوانے کی ذمہ داری میری ہے، سارا بوجھ میرے اوپر ہے، تم نماز نہیں پڑھتے، میں نماز پڑھتا ہوں، تم روزہ نہیں رکھتے، میں روزہ رکھتا ہوں، تم فلاں کام نہیں کرتے، وہ مجھے کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ میں تمہاری طرف سے پل صراط پر بھی چلتا ہوں، جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، تو آخر تمہارے غم میں کمزور نہیں ہوؤں گا، تو کیا ہوؤں گا؟

پیر صاحب کی رسوائی اور بے عزتی

مرید پر اس بات کا بڑا اثر ہوا کہ واقعی! ہمارے حضرت تو بیچارے بڑی مصیبت میں ہیں، ہم لوگ بالکل بے غم اور بے فکر ہیں، اور یہ بیچارے ہمارے سارے غم لئے ہوئے ہیں،

پل صراط پر بھی چلتے ہیں، تو اس کو جوش آ گیا، اور جوش میں اس نے کہا کہ میرے فلاں چاول کا جو کھیت ہے وہ میں نے آپ کی نذر کر دیا، آپ کے لئے ہدیہ کر دیا، پیر صاحب کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ ہدیہ کے لئے قبضہ ضروری ہے، بغیر قبضے کے ہبہ تام نہیں ہوتا، یعنی جب تک ھدیہ اور ھبہ کی گئی چیز پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک اس میں ملکیت نہیں آتی، چنانچہ پیر صاحب کو فکر ہوئی کہ اس نے ہبہ تو کر دیا، قبضہ تو ابھی دیا نہیں، بغیر قبضے کے کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا اس نے کہا کہ جلدی سے مجھے بتا کہ وہ ہے کہاں؟ مجھے وہاں لے کر چل، تا کہ میں وہاں جا کر کھڑا ہو جاؤں، اور وہ میری ملکیت میں آ جائے، اور ہبہ تام ہو جائے، اس نے کہا کہ چلو جی! اب جناب وہ پیر صاحب کو لے کر چلے، پیچھے پیچھے خود چلے، آگے آگے پیر صاحب چل رہے ہیں،

آپ کو پتہ ہے کہ دیہاتوں وغیرہ میں جو چاول کے کھیت ہوتے ہیں، ان میں ایک گز بھر پانی ہوتا ہے، اب اگر درمیان میں دائیں بائیں کھیت ہے، تو ان کے بیچ میں پتلا سا راستہ ہوتا ہے، اس پر کیچڑ ہوتی ہے، اور اس میں پھسلن بھی ہوتی ہے، اب زمیندار کو تو عادت ہوتی ہے، پیر صاحب کمزور تھے ہی، اور ایسی جگہ پر چلنے کی عادت بھی نہیں تھی، اب پیر صاحب اس پر چلنے لگے، تو کبھی ادھر پھسلنے لگے، کبھی اُدھر پھسلنے لگے، آخر گر گئے، تو مرید نے پیچھے سے ایک لات ماری کہ کم بخت! جا، میں تجھے اپنا کھیت نہیں دیتا، تو کہتا ہے کہ میں پل صراط پر چلتا ہوں، یہاں تو تیرے سے چلا نہیں گیا، تو پل صراط پر کیا چلتا ہوگا؟ یہ تو اتنی موٹی پگڈنڈی ہے، اتنا چوڑا راستہ ہے، جب تجھ سے یہاں چلا نہیں جا رہا، تو پل صراط پر کیسے چلتا ہوگا؟ کم بخت! تو جھوٹا ہے، جا! میں تجھے اپنا کھیت نہیں دیتا۔ اللہ بچائے! ایسے جھوٹے پیر سے، اور تعجب ہے کہ لوگ ایسوں کے بھی معتقد ہو جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ بھئی! یہ الگ مخلوق ہے، کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق ہے، تو ایسے جاہل پیر جاہلوں کے پاس ہوتے ہیں۔

ہر ایک کو علم دین کی ضرورت

جاہل آدمی کسی کی کیا رہنمائی کر سکتا ہے؟ وہ خود بے راہ ہے، کسی کو کیا راہ دکھا سکتا ہے؟

اس لئے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس کی صحبت میں ہم بیٹھیں، اس کو بقدرِ ضرورت دین کا علم ہونا ضروری ہے، اور یہ علامت تو جیسے کسی کے نیک ہونے کی ہے اسی طرح نیک بننے کے لئے بھی ضروری ہے، یعنی مرید کے لئے بھی ضروری ہے، بلکہ ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے، ہر مسلمان مرد وعورت کو دین کا ضروری علم سیکھنا اور حاصل کرنا ضروری ہے، جس کی تفصیل پہلی روح میں الحمد للہ! بیان ہوچکی ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ ضرورت اس کو دین کا علم آتا ہو، حلال وحرام کا، جائز ناجائز کا، نیکی وبدی کا، پاکی وناپاکی کا اس کو بقدرِ ضرورت علم ہو۔

اہلِ تشیع کے باطل عقیدے

نمبر (۲): عقیدے بھی اس کے اچھے ہوں، اس لئے کہ عقیدہ بنیادی چیز ہے، عقیدہ صحیح ہوگا، تو عمل بھی اس کے مطابق صحیح اور درست ہوگا، اور اگر عقیدہ ہی خراب ہوگا، تو عقیدے کی خرابی کی وجہ سے اعمال بھی خراب ہوں گے، بعض عقیدے ایسے ہوتے ہیں، جو کافرانہ ہوتے ہیں، ایسی صورت میں آدمی خود ہی کافر ہوجائے گا، اپنے عقائدِ کافرانہ کی وجہ سے، جیسے بعض شیعوں اور روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو العیاذ باللہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی لانی تھی، اور وہ نبی آخر الزماں بننے والے تھے، اُن سے غلطی ہوگئی، معاذ اللہ، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر چلے گئے، اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچادی، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دراصل اللہ تعالیٰ کے آخری نبی بننے والے تھے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) بن گئے، یہ کافرانہ عقیدہ ہے، خدانخواستہ جس کا یہ عقیدہ ہوگا، وہ مسلمان نہیں رہ سکتا، بعض روافض کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الٰہِ اکبر ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ الٰہِ اصغر ہیں، انہوں نے ان کو خدا بنادیا، یہ صراحۃً کفر ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کون معبود ہوسکتا

ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہوسکتا ہے؟ لیکن وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا خدا سمجھتے ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوٹا خدا سمجھتے ہیں، اور بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ العیاذ باللّٰہ، العیاذ باللّٰہ، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہیں، بلکہ ان کے جو بارہ امام ہوتے ہیں، وہ درجہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی سے بھی بڑھ جاتے ہیں، العیاذ باللّٰہ۔

تحریف کا بے بنیاد عقیدہ

بعض روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہوگئی ہے، موجودہ قرآن شریف اصل حالت میں نہیں ہے، جو اصل قرآن کریم ہے، اس میں چالیس پارے ہیں، اور وہ ان کے امام کے پاس ہیں، جو کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں، قیامت کے قریب نکلیں گے، تب اصل قرآن شریف آئے گا، اور پھر وہ اس قرآن شریف کے مطابق احکام جاری کریں گے، اللہ پاک نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O (الحجر: آیت نمبر۹) قرآن شریف میں فرمایا ہے، نصِ قطعی ہے کہ ہم نے ہی قرآن کریم نازل کیا، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ خدانخواستہ اس میں تحریف ہوگئی، اور اس میں چالیس پارے تھے، دس غائب ہوگئے، اور بکری کھا گئی ہے، اس لئے تیس رہ گئے، یہ سب غلط عقیدے ہیں، اور کفریہ عقیدے ہیں، اللہ بچائے!۔

تہمت کا جھوٹا عقیدہ

بعض روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی (معاذ اللّٰہ)، وہ صحیح ہے، حالانکہ اللہ پاک نے قرآن شریف میں اس کی تردید فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے بالکل پاک ہیں، قرآن شریف جو کچھ کہے، وہ بالکل برحق ہے، اس کے باوجود یہ کہنا، اور یہ

سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ **معاذاللہ!** وہ تہمت صحیح تھی، یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

عقائد کا بدعت سے تعلق

ایسے ہی بعض اہلِ بدعت کے بھی اکثر فاسقانہ عقیدے ہیں، اور بعض کافرانہ عقیدے ہیں، لہٰذا جس شخص کی صحبت میں بیٹھیں، اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں، عقائد صحیح ہوں گے، تو اس کے اعمال بھی صحیح ہوں گے، اور اس کی تربیت بھی صحیح ہوگی، اس کے پاس بیٹھنے کا اثر بھی صحیح ہوگا، اور اگر عقیدہ خراب ہوگا، تو چاہے ظاہری طور پر اس کے اعمال درست ہوں، تب بھی اس کے پاس بیٹھنے سے غلط اثر ہوگا۔

شرکِ جلی کیا ہے؟

نمبر تین (۳): شرک وبدعت اور خلافِ شریعت رسومات سے بچتا ہو، شرک وبدعت سے بچنا ہی ضروری ہے، شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرکِ جلی، اور ایک شرکِ خفی، دونوں ہی سے بچنا ضروری ہے، شرکِ جلی سب ہی جانتے ہیں کہ جیسے **معاذاللہ!** مزارات پر جاکر مُردوں سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کی منتیں ماننا، ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کُشا سمجھنا، یہ شرکِ جلی ہے، جیسے بتوں کے سامنے جھکنا، اور ان کی عبادت کرنا، شرک ہے۔

ریا شرکِ خفی ہے

ایک ہے شرکِ خفی، اس سے بچنا بھی ضروری ہے، اور وہ ہے ریا کاری، دکھاوا، اور نام ونمود۔ جیسے کوئی نماز پڑھتا ہے، تو اس لئے پڑھتا ہے کہ لوگ مجھے نمازی سمجھیں، تلاوت کرتا ہے، تو اس لئے کرتا ہے، تاکہ لوگ اس کو نیک سمجھیں، تہجد اس لئے پڑھتا ہے، اشراق، چاشت اس لئے پڑھتا ہے، تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بڑا متقی آدمی ہے، یہ بڑا اللہ والا آدمی ہے، تسبیحات اس لئے پڑھتا ہے، تاکہ لوگ کہیں کہ بھئی! یہ بڑا ہی بزرگ آدمی ہے، صدقہ خیرات خوب کرتا ہے، اور اس لئے کرتا ہے، تاکہ لوگ یہ کہیں کہ یہ تو دوسرا حاتم طائی ہے، یہ

ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہوسکتا ہے؟ لیکن وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا خدا سمجھتے ہیں، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوٹا خدا سمجھتے ہیں، اور بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ، العیاذباللہ، کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہیں، بلکہ ان کے جو بارہ امام ہوتے ہیں، وہ درجہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی سے بھی بڑھ جاتے ہیں، العیاذباللہ۔

تحریف کا بے بنیاد عقیدہ

بعض روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہوگئی ہے، موجودہ قرآن شریف اصل حالت میں نہیں ہے، جو اصل قرآن کریم ہے، اس میں چالیس پارے ہیں، اور وہ ان کے امام کے پاس ہیں، جو کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں، قیامت کے قریب نکلیں گے، تب اصل قرآن شریف آئے گا، اور پھر وہ اس قرآن شریف کے مطابق احکام جاری کریں گے، اللہ پاک نے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ (الحجر: آیت نمبر ۹) قرآن شریف میں فرمایا ہے، نصِ قطعی ہے، کہ ہم نے ہی قرآن کریم نازل کیا، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ خدانخواستہ اس میں تحریف ہوگئی، اور اس میں چالیس پارے تھے، دس غائب ہوگئے، اور بکری کھا گئی ہے، اس لئے تیس رہ گئے، یہ سب غلط عقیدے ہیں، اور کفریہ عقیدے ہیں، اللہ بچائے!۔

تہمت کا جھوٹا عقیدہ

بعض روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی (معاذ اللہ)، وہ صحیح ہے، حالانکہ اللہ پاک نے قرآن شریف میں اس کی تردید فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے بالکل پاک ہیں، قرآن شریف جو کچھ کہے، وہ بالکل برحق ہے، اس کے باوجود یہ کہنا، اور یہ

سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ معاذاللہ! معاذاللہ! وہ تہمت صحیح تھی، یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

عقائد کا بدعت سے تعلق

ایسے ہی بعض اہلِ بدعت کے بھی اکثر فاسقانہ عقیدے ہیں، اور بعض کافرانہ عقیدے ہیں، لہٰذا جس شخص کی صحبت میں بیٹھیں، اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں، عقائد صحیح ہوں گے، تو اس کے اعمال بھی صحیح ہوں گے، اور اس کی تربیت بھی صحیح ہوگی، اس کے پاس بیٹھنے کا اثر بھی صحیح ہوگا، اور اگر عقیدہ خراب ہوگا، تو چاہے ظاہری طور پر اس کے اعمال درست ہوں، تب بھی اس کے پاس بیٹھنے سے غلط اثر ہوگا۔

شرکِ جلی کیا ہے؟

نمبر تین (۳): شرک و بدعت اور خلافِ شریعت رسومات سے بچتا ہو، شرک و بدعت سے بچنا ہی ضروری ہے، شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرکِ جلی، اور ایک شرکِ خفی، دونوں ہی سے بچنا ضروری ہے، شرکِ جلی سب ہی جانتے ہیں کہ جیسے معاذاللہ! مزارات پر جا کر مُردوں سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کی منتیں ماننا، ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کُشا سمجھنا، یہ شرکِ جلی ہے، جیسے بتوں کے سامنے جھکنا، اور ان کی عبادت کرنا، شرک ہے۔

ریا شرکِ خفی ہے

ایک ہے شرکِ خفی، اس سے بچنا بھی ضروری ہے، اور وہ ہے ریاکاری، دکھاوا، اور نام ونمود۔ جیسے کوئی نماز پڑھتا ہے، تو اس لئے پڑھتا ہے کہ لوگ مجھے نمازی سمجھیں، تلاوت کرتا ہے، تو اس لئے کرتا ہے، تاکہ لوگ اس کو نیک سمجھیں، تہجد اس لئے پڑھتا ہے، اشراق، چاشت اس لئے پڑھتا ہے، تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بڑا متقی آدمی ہے، یہ بڑا اللہ والا آدمی ہے، تسبیحات اس لئے پڑھتا ہے، تاکہ لوگ کہیں کہ بھئی! یہ بڑا ہی بزرگ آدمی ہے، صدقہ خیرات خوب کرتا ہے، اور اس لئے کرتا ہے، تاکہ لوگ یہ کہیں کہ یہ تو دوسرا حاتم طائی ہے، یہ

بہت ہی سخی آدمی ہے، جو کام کرے، لوگوں کے دکھانے کے لئے کرے، تو یہ ہے شرکِ خفی ہے۔

بدعتی پیر سے بھی بچیں

شرکِ جلی سے بھی بچیں، اور شرکِ خفی سے بھی بچیں، اور بدعات اور رسومات سے بھی بچیں، آج بھی ہمارے ماحول اور معاشرے میں کتنی بدعات رائج ہیں، بہر حال بدعتی پیر کسی کے لئے رہبر و راہنما نہیں بن سکتا، اور اس کی صحبت میں بیٹھنے والے کو صحیح راہ نہیں مل سکتی، تو ضروری ہے کہ وہ متبع سنت ہو، ناجائز رسومات سے بھی پرہیز کرنے والا ہو، اور بدعات سے بھی پرہیز کرنے والا ہو۔

چند رائج شدہ بدعات

ہمارے ہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو بہت سی بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور یہ وہ بدعات ہیں، جو بعض اہل سنت والجماعت میں بھی پائی جاتی ہیں، یعنی جو اہل بدعت ہیں، ان کے یہاں تو بدعتیں ہوتی ہی ہیں، لیکن جو لوگ اہل بدعت سے اپنے آپ کو الگ سمجھتے ہیں، یا علماء دیوبند سے اپنے آپ کو وابستہ سمجھتے ہیں، بعض بدعات ان کے یہاں بھی ہوتی ہیں۔

مفاسد کے ساتھ اجتماعی قرآن خوانی

مثلاً اجتماعی قرآن خوانی مفاسد کے ساتھ، چونکہ خاندان میں، قوم میں، برادری میں کسی کے انتقال کے بعد اجتماعی قرآن خوانی کا رواج ہے، اس لئے وہاں انفرادی قرآن خوانی گوارا نہیں ہوتی کہ سب سے کہہ دیا جائے کہ جب تمہیں موقع ملے، اور جتنا موقع ملے، الگ الگ قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچا دینا، تو وہ اس پر راضی نہیں ہوں گے، کہ نہیں بھئی! یہ تو ہمارے خاندان میں ہوتا چلا آیا ہے، اور قرآن خوانی کا باقاعدہ اعلان

کیا جاتا ہے، اور اخبارات میں اس کا اشتہار دیا جاتا ہے، مسجد میں یا کسی اور جگہ لوگ جمع ہوتے ہیں، اور پھر برادری کی وجہ سے لازماً شریک ہونا پڑتا ہے، کھانے پینے کا لازمی انتظام ہوتا ہے، اگر کھانے پینے کا انتظام نہ ہو، تو بڑی صلواتیں سننی پڑتی ہیں، پھر وہ لعن وطعن ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ، اس طرح سے اجتماعی قرآن خوانی کا عام رواج ہے۔

لوگ اسکو ضروری سمجھتے ہیں، اور پورا قرآن شریف کا پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں، پڑھنا نہ آتا ہو، تب بھی انگلی پھیرو، لیکن پارہ پورا کرو، اور اگر کوئی بھی قرآن شریف پڑھنے والا نہ ہو، تو بسم اللہ کا ختم کرواتے ہیں، بسم اللہ کے ختم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سطر میں **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم**، پڑھ کر پورا قرآن شریف ختم کرو، اس کو بسم اللہ کا ختم کا نام دیا ہے، قرآن شریف تو پڑھنا نہیں آتا، اور یہ رسم بنالی، بہر حال قرآن خوانی ضرور کرنی ہے، خواہ کچھ بھی ہوجائے، ورنہ ہماری ناک کٹ جائے گی، ہم بدنام ہوجائیں گے کہ لو! باپ مرگیا، ماں مرگئی، انہوں نے قرآن خوانی بھی نہیں کروائی، تو ایسی قرآن خوانی بدعت ہے، اور ناجائز ہے۔

تین دن تک کھانا کھلانے کی پابندی

ایسے ہی تیجہ کرنا بھی ناجائز ہے، تیجے کے ساتھ ساتھ دو خرابیاں اور بھی پائی جاتی ہیں، کہ تین دن تک سارا خاندان اور برادری مرنے والے کے گھر میں اکٹھا ہونا ضروری سمجھتی ہے، اور تین دن تک برابر نو کھانے ان کو دینا ضروری سمجھتی ہے، ناشتہ بھی دینا پڑتا ہے، دوپہر کا کھانا بھی دینا پڑتا ہے، اور رات کا کھانا بھی دینا پڑتا ہے، بس! وہ کھانے کے وقت جمع ہوجاتے ہیں، پھر اپنے گھر کو چلے جاتے ہیں، پھر کھانے کے ٹائم جمع ہوجاتے ہیں، اس طرح تین دن تک کم سے کم نو کھانے لازمی ہیں، چاہے مرنے والے کے پسماندگان کے پاس پیسے ہوں، یا نہ ہوں، چاہے انہیں کسی سے قرض لینا پڑے، اور چاہے سودی قرضہ لینا

پڑے، اپنی زمین بیچنی پڑے، اپنا مکان بیچنا پڑے، ہر حال میں ان کو خاندان اور برادری کے لئے کھانے کا بندوبست کرنا ضروری ہے یہ سب ناجائز ہے۔

روزانہ قبرستان جانے کی پابندی

دوسرا کام یہ کریں گے کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر مرنے والے کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر آئیں گے، سارے خاندان والے، برادری والے جمع ہوں گے، اور فجر کی نماز میں جمع ہوکر قبرستان جائیں گے، قبرستان دور ہوگا، تو سواری کا انتظام بھی مرنے والے کے گھر والوں کو کرنا پڑے گا، قریب ہوگا، تو پیدل ہی چلے جائیں گے، قبرستان جاکر فاتحہ پڑھ کر پھر واپس یہ ساری فوج اور یہ سارا خاندان مرنے والے کے گھر پر آئے گا، اور وہاں بیٹھ کر چائے پئے گا، ناشتہ کرے گا، اور پھر گھنٹوں وہاں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں ہانک کر، اپنے اپنے کاموں پر چلے جائیں گے، پھر دوپہر میں آجائیں گے، اس طرح یہ ظلم ڈھاتے ہیں، کس قدر یہ ظلم ہے مرنے والے کے اہلِ خانہ پر، اور ظلم ہونے کی وجہ سے بھی ناجائز ہے، نیز بدعت ہے، اور خلافِ شرع ہے۔

ناجائز اور خلافِ شرع دعوتیں

تیسرے دن آخری دعوت ہوتی ہے، اور اس دعوت کا شاندار ہونا ضروری ہے، خدانخواستہ کسی نے دال پکالی، تو بس! پھر اس کی ناک کٹ جائے گی، اور برادری میں وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا، لہٰذا اس دن جو کھانا ہوگا، وہ شاندار ہوگا، کم سے کم قورمہ، بریانی، زردہ پلاؤ ہوگا، یہ بھی ناجائز دعوت ہے، جو عام طور پر کیجاتی ہے، پھر اس کے دس دن کے بعد ایک اور دعوت، پھر چالیسواں سب سے زیادہ تگڑا اور تاریخی ہونا ضروری ہے، اور ایسی ایسی چیزیں اس میں پکائی جائیں کہ لوگ چاٹتے رہ جائیں، اب اس میں بھی وہی خرافات ہیں، اور یتیموں پر ظلم ہے۔

کھایا ہے، تو کھلانا پڑے گا

اس میں بعض مرتبہ یتیموں کا مال بھی کھالیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ورثاء میں بعض مرتبہ یتیم ہوتے ہیں، ان کا مال کھلانا پڑتا ہے، ان کو کوئی دوسرا کچھ نہیں دیتا، آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے خاندان والے، برادری والے چندہ کرکے دیتے ہوں گے، ارے بھائی! چندہ کاہے کا! یہ تو دراصل کھانے، کھلانے کا رواج عرصے سے چلا آرہا ہے، جس نے کھایا، وہ کھلائے گا، اب جس کے یہاں فوتگی ہوگئی، لہٰذا اب اس کے ذمہ ہے کہ وہ سب کو کھلائے، تین دن تک بھی کھلائے، پھر دسویں دن، پھر چالیسویں دن بھی کھلائے، پھر آخر میں برسی کی جاتی ہے، ایک سال کے بعد پھر برسی ہوگی، پھر اس میں جمع ہوں گے، اور سارے ''کھاؤ'' آئیں گے، اور کہیں گے کہ لاؤ، کھلاؤ، ایک سال تو ہوگیا مرے ہوئے، اب جلدی کھلاؤ، وہ ایک سال کے بعد پھر برسی ہوگی، اور اس برسی پر سارے جمع ہوں گے، پھر دعوت ہوگی، اور دعوت میں سب کھائیں گے، پئیں گے، مرنے والا تو بیچارہ گیا قبرستان میں، اور پسماندگان کی شامت آگئی، ان کی مصیبت بڑھ گئی کہ کہاں تک کھلائیں؟ مگر چونکہ کھایا ہے تو مجبوراً کھلانا پڑتا ہے، یہ بدعت ہے، ناجائز ہے، اس طرح کی بہت ساری ناجائز اور خلافِ شرع رسومات اور بدعات ہمارے ماحول اور معاشرے میں پائی جاتی ہیں، تو ضروری ہے کہ جس آدمی کی صحبت میں بیٹھے، وہ متبع سنت ہو، متبع شریعت ہو، تمام بدعات سے اور تمام رسومات سے پرہیز کرتا ہو۔

تعزیت کا مسنون طریقہ

ایک بدعت اور یاد آگئی، اس سے بچنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، اس کی تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جائیں، اور جاکر پسماندگان کو صبر کی تلقین کریں، اور بغیر ہاتھ اٹھائے مرنے والے کے لئے دعاءِ مغفرت کردیں، اور شہر والے

تین دن کے اندر اندر آ کر کسی بھی وقت یہ عمل کر سکتے ہیں، ایک مرتبہ کرنا کافی ہے، اگر جنازہ میں شریک ہو گئے، اور وہیں پر انہوں نے تعزیت کر لی، تو یہ بھی کافی ہے، اب دوبارہ سہ بارہ تعزیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن عام طور پر دیوبندیوں میں بھی یہ رواج ہے، اور اہلِ بدعت کے یہاں تو ہے ہی کہ تین دن تک اس کے گھر میں لوگ تعزیت کے لئے برابر آتے ہیں۔

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی رسم

اور ہر تعزیت کے لئے بعض علاقوں میں اجتماعی دعا رائج ہے چنانچہ جو بھی آئے تو سب ملکر اجتماعی دعا کریں گے، آنے والا آئے گا اور سلام کرے گا، اس کے بعد فاتحہ ہوگی، اس کے بعد سب لوگ لسٹم پسٹم سورۂ فاتحہ پڑھیں گے، قل ھواللہ پڑھیں گے، اور پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا کریں گے، اور سو دو سو مرتبہ صبح سے شام تک دعا ہوگی، جو ان کے گھر میں بیٹھنے والے ہیں، ان کی مصیبت آجاتی ہے، کیونکہ تعزیت کرنے والے کبھی صبح کو آ رہے ہیں، شام کو آ رہے ہیں، دوپہر کو آ رہے ہیں، اور جو بھی آ رہا ہے، بس! سب سے پہلے دعا ہو رہی ہے، اور بعض مرتبہ تو واپسی کی دعا بھی الگ سے کی جاتی ہے، ایک آمد کی دعا، اور ایک واپسی کے وقت کی دعا، یہ سراسر بدعت ہے، دعا نہیں ہے، لیکن اس کا اتنا رواج ہے کہ کراچی سے لے کر سرحد تک چلے جاؤ، ہر جگہ آپ کو یہ دعا ملے گی۔

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا

ایک اور بدعت ہے، جو دیوبندیوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ سنن ونوافل کے بعد لازمی طور پر اجتماعی دعا کرتے ہیں، سنن اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا کا رواج ہے، یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اپنی اپنی سنتیں اور نوافل پڑھ لیے، اب کوئی جا نہیں سکتا، سب انتظار کریں گے کہ امام صاحب اپنی نماز سے فارغ ہوں، اور وہ دوسری دعا

کرائیں ،تو ہم اپنے گھر جائیں، یہ دعاءِ ثانیہ ہمارے یہاں بہت زیادہ رائج ہے،اللہ بچائے! بریلویوں کے یہاں تو ہوتی ہی ہے،لیکن بعض لوگ جو دیوبندی کہلاتے ہیں، ان کے یہاں بھی ہوتی ہے، یہ ناجائز ہے،اور بعض جگہ فرائض کے بعد بھی دعا بہت لمبی ہوتی ہے،اس کے بارے میں بعض لوگوں نے بتایا کہ ہمارے امام صاحب فرض نماز کے بعد اتنی لمبی دعا کرتے ہیں، کہ ہم یہ دعا کرنے لگتے ہیں کہ کب امام صاحب اپنی دعا ختم کریں،اور ہمیں چھٹی ملے، دعا کے ایسے طریقے سب غلط ہیں۔

عقائد اور اعمال کو دیکھو

حضرتؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر تم کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھنا چاہتے ہو،تو یہ بھی دیکھ لو کہ اس کے عقیدے صحیح ہیں یا نہیں؟اور یہ بھی دیکھ لو کہ وہ بدعات اور رسومات سے بچنے والا ہے یا نہیں؟ ورنہ جو بدعات اور رسومات کا مرتکب ہوگا، وہ نیک آدمی نہیں ہے،اس کے پاس بیٹھنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

نمبر چار: ظاہری اعمال بھی اچھے ہوں،نماز،روزہ کا پابند ہو، اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو،یعنی جو عبادتیں فرض یا واجب ہیں،اس کا پابند ہونا بھی ضروری ہے،اس کے علاوہ بعض عبادتیں نفل کے درجے میں ہوتی ہیں،ان کا بھی حسبِ استطاعت پابند ہونا چاہئے،

اب دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

اللہ والوں کی صفات

(حصہ دوم)

(۳)

شرح روح ہفتم

بیان نمبر (۵۴)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : مئی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ به ونتوکّل علیه ونعوذ باللّٰهِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّهدهِ اللّٰهُ فلا مضلَّ لهٗ ومَن یُضللهٗ فلا هَادِیَ لهٗ وأشهد أن لّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ لاشریک لهٗ وأشهد أنّ سیّدنا ونَبِیّنَا ومولانَا محمداً عبدهٗ و رسولهٗ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وعلٰی آلهٖ و أصحابهٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرّجیم

بسم الله الرحمٰن الرّحیم

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

(التوبة: آیت نمبر ۱۱۹)

صدق اللّٰه العظیم

ترجمہ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

(آسان ترجمہ قرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الأمت، مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح میں نیک صحبت میں بیٹھنے کی تاکید فرمائی ہے، اور اس کے فائدے بیان

فرمائے ہیں اور اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے کہ انسان کے باعمل بننے کیلئے اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی نہ کسی اللہ والے کی خدمت اور صحبت میں رہنا ضروری ہے، اور مفید بھی ہے، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ والوں کی کچھ علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جو تقریبا تیرہ (۱۳) ہیں، ان میں سے تین کا بیان گذشتہ منگل کو ہو گیا تھا، باقی علامتیں اور نشانیاں ان شاء اللہ تعالیٰ آج پڑھی جائیں گی۔

کس کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے؟

جس شخص کی صحبت میں بیٹھا جائے اور اس کی خدمت میں رہا جائے، اور اس سے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کروائی جائے، اور دینی امور میں اس سے رہنمائی لی جائے، اس کا نیک ہونا، متقی ہونا، باعمل ہونا اور اللہ والا ہونا ضروری ہے، جب جاکر اس کی خدمت میں بیٹھنے سے اچھا اثر ہوگا، نیک کاموں کی توفیق ہوگی، برے کاموں سے بچنا آسان ہوگا اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی ان کی صحبت کی برکت سے ان شاء اللہ صحیح اور درست ہوتا چلا جائے گا، یہ کیسے پتہ چلے کہ فلاں آدمی اللہ والا ہے، فلاں آدمی متقی پرہیزگار ہے، فلاں آدمی ایسا ہے کہ اس کی صحبت میں جانا چاہیے، اس کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے، اس سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہیے، اس سے اپنی اصلاح کرانی چاہیے، اس کے لئے حضرت نے دو طریقے بیان فرمائے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ حضرت نے اس کی کچھ علامتیں بیان فرمادی ہیں کہ یہ علامتیں دیکھ لو، جس کے اندر یہ علامتیں ہوں اس کی خدمت وصحبت کو اپنے لئے غنیمت سمجھو، اور اس کا احترام کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن ہر آدمی ان ساری علامتوں کو جاننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا، بعض مرتبہ اس کی بھی اس کے اندر صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ پہچانے کہ اس آدمی کے اندر یہ علامتیں پائی جاتی ہیں، یا نہیں پائی جاتیں؟ وہ کیا کرے؟ اس کو کیسے پتہ چلے کہ یہ اللہ والا ہے؟ اور یہ متقی آدمی ہے، اس کو نیک صحبت کے لئے اختیار کرنا چاہیے، اس کے لئے بھی حضرت نے ایک طریقہ آگے ارشاد فرمایا ہے،

ان علامات کے بیان کے بعد اس کا ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر آئے گا۔

ظاہری احکام کی پابندی

ان علامتوں میں سے جو کسی کے اللہ والا ہونے کی علامتیں ہیں، ایک علامت یہ ہے کہ اس کا ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو، اور جو شریعت کے ظاہری احکام ہیں، جو تمام مسلمانوں کو معلوم ہوتے ہیں، ان کا وہ پابند ہو، مثلاً سنت کے مطابق اس کی ڈاڑھی ہو، مونچھیں بھی سنت کے مطابق رکھتا ہو، سر پر ٹوپی رکھتا ہو، یا عمامہ باندھتا ہو، یا رومال باندھتا ہو، ننگے سر نہ رہتا ہو، جیسا کہ آج کل کا فیشن ہے، اللہ بچائے! لباس بھی اس کا شرعی ہو، اس کی شلوار ٹخنے سے اوپر ہو، ستر چھپانے کا اہتمام کرتا ہو، نہ ایسا باریک لباس پہنتا ہو، جس میں ستر کا حصہ نظر آتا ہو، نہ ایسا چست لباس پہنتا ہو کہ اس میں ستر کے اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہو، نماز روزہ کا پابند ہو، ظاہر ہے کہ جو نماز ہی نہیں پڑھے گا، وہ کیسے اللہ والا ہو سکتا ہے؟ اگر صاحب نصاب ہو، تو زکوٰۃ ادا کرتا ہو، اگر حج کی استطاعت ہے، تو حج کرتا ہو، رمضان شریف کے روزے رکھتا ہو، صاحب استطاعت ہو، تو قربانی اور فطرہ ادا کرتا ہو، منت مان لے، تو منت پوری کرتا ہو، یہ ہیں دین کے ظاہری اور موٹے موٹے احکام، ان کا وہ پابند ہو، اگر نماز نہیں پڑھتا ہے، روزے نہیں رکھتا ہے، حج نہیں کرتا ہے، زکوٰۃ نہیں دیتا ہے، حالانکہ اس کے اوپر زکوٰۃ اور حج فرض ہے، یا بلا عذر معتبر رمضان کے روزے نہیں رکھتا تو بھئی! وہ اللہ والا نہیں ہو سکتا، وہ نیک نہیں ہو سکتا، ایسے کی صحبت میں بیٹھنا نہایت ہی خطرناک ہے، اور سخت نقصان دہ ہے، کیونکہ جیسے نیک صحبت کا اثر نیک ہے، بری صحبت کا اثر بھی تو برا ہے، اسی لئے جو اللہ والے ہوتے ہیں، وہ شریعت کے ظاہری احکام کے بھی پابند ہوتے ہیں، اور شریعت کے باطنی احکام کے بھی پابند ہوتے ہیں، دونوں قسم کے احکام کے وہ پابند ہوتے ہیں۔

مرتے دم تک عمل کی پابندی

گذشتہ منگل کو میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کے حوالے سے بعض جاہل پیروں کے واقعات سنائے تھے، جاہل پیر جو ہوتے ہیں وہ جاہل ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ شریعت کے ظاہری احکام کے بھی پابند نہیں رہتے مثلاً نماز کے پابند نہیں، روزے کے پابند نہیں، اور ڈاڑھی منڈا رکھی ہے، شلوار ٹخنے سے نیچے رکھی ہوئی ہے، پھر بھی اپنے آپ کو بزرگ سمجھتے ہیں، اور ایسے جاہلوں کے بعض لوگ معتقد ہو جاتے ہیں، اور مرید ہو جاتے ہیں، ایسے ہی ایک شخص کا کسی نے حال حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت بعض لوگ ایسے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم پہنچ گئے، ہم پہنچ گئے، لہٰذا ہمیں نماز روزے کی ضرورت نہیں ہے، تم نماز روزہ کرو، تم ابھی پہنچے نہیں، فرمایا: ہاں! پہنچ گئے، مگر دوزخ میں پہنچ گئے، اس لئے کہ نماز روزہ فرض ہے، یہ کسی بھی بزرگ اور کسی بھی اللہ کے ولی سے، اور بزرگ اور ولی تو خیر بڑی ہستی ہے، کسی عام مسلمان سے بھی یہ چیزیں جب تک جان میں جان ہے، معاف نہیں ہوتیں، لیکن بعض جاہل پیر اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ بس! ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بس گئی، لہٰذا اب ہمیں ضرورت نہیں ہے نماز روزے کی، یہ نماز روزہ ان کے لئے ہے، جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہ ہو، یہ بات بالکل غلط ہے یہ جہالت ہے، گمراہی ہے، ایسا پیر جاہل پیر ہے، گمراہ پیر ہے، اس کے پاس بیٹھنا، اس کی صحبت میں بیٹھنا، سب ممنوع ہے، نیک ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جو شریعت کے ظاہری احکام ہیں، وہ ان کا پوری طرح پابند ہو، خود بھی شریعت پر چلتا ہو، اور اپنے متعلقین کو بھی شریعت پر چلنے کی تاکید کرتا ہو، تلقین کرتا ہو۔

شریعت کے مطابق معاملات

نمبر پانچ (۵) معاملات بھی اچھے ہوں، یعنی لین دین، خرید و فروخت، ادھار لینا

اور پھر واپس کرنا، کوئی چیز عاریت پر لے لی، تو اس کو جتنی دیر کے لئے عاریت پر لیا ہے، اس کے بعد اس کو واپس کرنا، خرید وفروخت کرنا، کاروبار کرنا، ملازمت کرنا، کھیتی باڑی کرنا، یہ سارے معاملات ہیں، ان سب کو شریعت کے مطابق کرتا ہو، یہ نہیں کہ نماز کا تو پابند ہے، لیکن معاملات ناجائز کرتا ہے، کاروبار کے اندر طور طریقے خلاف شرع اور ناجائز اختیار کرتا ہے، مثلاً سود لیتا ہے، یا سود دیتا ہے، یا جو لوگوں سے معاملات کرتا ہے، اس میں جائز ناجائز کی پروا نہیں کرتا، اب چاہے اسے جائز ناجائز معاملات کے بارے میں پتہ نہ ہو، یا پتہ ہو، پھر جان کر کرتا ہو، تو جس کے معاملات صحیح نہ ہوں، جس کے معاملات درست نہ ہوں، جس کے معاملات شریعت کے مطابق نہ ہوں، وہ بھی نیک نہیں ہوسکتا۔

معاملات اور زُہد کے درمیان تعلق

حضرت امام محمدؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اور حضرت امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے تمام علوم کو منضبط فرمایا ہے، اور مرتب فرمایا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اپنی لکھی ہوئی کتابیں بہت تھوڑی سی ہیں، زیادہ تر ان کے علوم پر جو کتابیں لکھی ہیں، وہ امام محمدؒ نے لکھی ہیں، اور ان کا تعلق زیادہ تر فقہ سے ہے، اس لئے کسی نے امام محمدؒ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے زُہد پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ فقہ پر تو بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، زُہد پر کوئی کتاب نہیں لکھی، زُہد کہتے ہیں: دنیا سے بے رغبتی اختیار اور آخرت میں رغبت کرنا، انسان کے دل میں آخرت کی فکر ہو، دنیا کا غم نہ ہو، دنیا میں اس کی ذاتی دلچسپی نہ ہو، اس کے دل میں آخرت کی دلچسپی ہو، اسے کہتے ہیں زُہد، تو حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں نے **کتاب البیوع، کتاب الرھن، کتاب الکفالہ، کتاب الحوالہ، کتاب المزارعۃ، کتاب المساقاۃ**، سب زُہد کے لئے لکھی ہیں، آپ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جس مسلمان کے دل میں دنیا سے بے رغبتی ہوگی، آخرت کی فکر ہوگی، اور آخرت میں اس کی دلچسپی ہوگی، تو دنیا کے اندر وہ اپنے خرید وفروخت کے معاملات، ہبہ کے معاملات،

رہن کے معاملات، کفالہ وحوالہ کے معاملات، اس طریقے سے زراعت کے معاملات، مساقاۃ کے معاملات اور دیگر معاملات، سب شریعت کے مطابق کرے گا، بس! جس کے دل میں دنیا کی محبت ہوگی، اس کا دل زہد سے خالی ہوگا، آخرت کی فکر سے خالی ہوگا، وہ ناجائز طریقے سے معاملات کرے گا، لہٰذا کسی کے اللہ والے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات بھی صاف اور شریعت کے مطابق ہوں۔

کتاب ''صفائی معاملات'' کو پڑھیں

اگر کوئی آدمی معاملات کا گندا ہے، معاملات اس کے خراب ہیں، اور پھر وہ کہتا ہے کہ میں بڑا زاہد ہوں، مجھے آخرت کی بڑی فکر ہے، دنیا کی محبت میرے دل میں نہیں ہے، یہ شیطان کا دھوکا ہے، وہ نفس وشیطان کے دھوکے میں پڑا ہوا ہے، زاہد ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات صحیح ہوں، اور جب تک آدمی کے معاملات صحیح نہیں ہوں گے، اس کی اصلاح نہیں ہوگی، یاد رکھو! جو شخص بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کی اصلاح ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے معاملات شرع کے مطابق ہوں، اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صفائی معاملات پر ایک کتاب لکھی ہے، معاملات کے سلسلے میں، اور وہ اصلاح وتربیت کے نصاب میں داخل ہے چنانچہ جو آدمی کسی اللہ والے سے اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے، وہ ''صفائی معاملات'' کو پڑھے، اس سے معاملات کے ضروری ضروری مسائل، ان شاء اللہ تعالیٰ آسانی سے معلوم ہو جائیں گے، اور اگر وہ کسی کی سمجھ میں نہ آئیں، تو کسی عالم سے اور مفتی سے پڑھ لے، اور سمجھ لے، اس میں حضرت نے بقدرِ ضرورت معاملات تحریر فرمادیے ہیں، جیسے معاملات کا صحیح ہونا عام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اسی طرح معاملات کا درست ہونا ان لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے، جو اپنی اصلاح چاہتے ہیں، ایسے ہی جو اللہ والا ہو، مرشد ہو، شیخ ہو، اس کے لئے بھی ضروری ہے، غرض! معاملات کے صحیح ہونے کی طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حکیم الامتؒ کی اصلاحی کوشش

پہلے بھی بالخصوص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں اور آج کل بھی اس کی طرف لوگوں کی بہت کم توجہ ہوتی ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ معاملات کی صفائی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، اپنے متعلقین کو اس کی بہت ہی زیادہ تاکید فرماتے تھے، کیونکہ اگر معاملات خراب ہیں، یعنی ناجائز اور خلافِ شرع ہیں، اور یہ دوسروں کی اذیت اور تکلیف کا باعث بھی ہیں، اور جو دوسروں کو تکلیف پہنچائے گا، اس کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اس کو تعلق مع اللہ کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی، لیکن حضرتؒ کے زمانے میں بھی اور آج بھی اس طرف لوگوں کو بہت کم توجہ ہوتی ہے، جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، انہی کو اپنے معاملات درست کرنے کی فکر ہوتی ہے، اور فکر ہونی بھی چاہیے، بہر حال! کسی کے نیک اور اللہ والے ہونے، اور اس کی صحبت میں بیٹھ کر فائدہ اٹھانے کے لئے ایک علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات سب اچھے ہوں۔

تواضع اور اپنے کو کچھ نہ سمجھنا

نمبر چھ (۶) مزاج میں عاجزی اور انکساری ہو، یعنی اس اللہ والے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی طبیعت کے اندر عاجزی ہوگی، انکساری ہوگی، خاکساری ہوگی، تواضع ہو، کیونکہ کسی کے بھی نیک بننے کے لئے، اور کسی کے بھی اصلاح یافتہ ہونے کے لئے سب سے پہلا قدم تواضع ہے، اور سب سے آخری قدم بھی تواضع ہے، اگر اس کے اندر تواضع ہے، تو پھر وہ اللہ والا ہے، اور اگر تواضع نہیں ہے، تکبر ہے، غرور ہے، بڑائی ہے، نخوت ہے، خود پسندی ہے، اپنی بڑائی بگھارتا ہے، اور اگر کوئی اس کو اس کی غلطی بتاتا ہے، تو بجائے غلطی ماننے کے لڑتا جھگڑتا ہے تو، پھر وہ مغرور ہے، وہ نیک نہیں ہوسکتا، اور اس کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ خود ہی مریض ہے، وہ دوسروں

کی کیا اصلاح کرے گا، لہٰذا کسی کے نیک اور اللہ والا ہونے کے لئے یہ علامت بھی ہے کہ اس کے اندر تواضع ہو۔

تواضع اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے دل میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے، ہر مسلمان سے فی الحال اور غیر مسلم سے فی المآل، یعنی جتنے بھی مسلمان ہیں، چاہے وہ نیک ہوں یا نیک نہ ہوں، ظاہر میں کیسے ہی فاسق وفاجر ہوں، بدکار ہوں، آوارہ ہوں، گانے بجانے اور ٹی وی دیکھنے میں غرق ہوں، ناچ گانے کے شوقین ہوں، پینٹ پتلون پہنتے ہوں، ڈاڑھی منڈاتے ہوں، انگریزی بال رکھتے ہوں، نہ نماز کے، نہ روزے کے، نہ حج کے، نہ زکوۃ کے، ہر طرح سے دین سے دور ہوں، لیکن مسلمان ہوں، صاحب ایمان ہوں، ان سے بھی اپنے آپ کو کمتر سمجھے، اور ان کی ذات کو اپنے سے بہتر سمجھے، ہاں! ان کے جو ناجائز کام ہیں، ان کو ناجائز ہی سمجھیں، حرام کاموں کو حرام ہی سمجھیں، گناہ کے کاموں کو گناہ ہی سمجھیں، اور ان سب حرام اور ناجائز اور خلاف شرع اور گناہ کے کاموں سے بچیں، اور ان سے نفرت کریں، لیکن اس مسلمان کی ذات کو اپنے سے اچھا سمجھیں۔

اعتبار خاتمے کا ہے

ایسے ہی جتنے غیر مسلم ہیں، کافر ہیں، فی الحال مسلمان ان سے اچھا ہے، کیونکہ مسلمان ہے، اور وہ کافر ہے، **ولعبد مومن خیر من مشرک** (البقرۃ: آیت نمبر ۲۲۱)، اللہ پاک نے فرمایا، کہ بندۂ مؤمن، بندۂ مشرک سے بہتر ہے، **ولأمة مؤمنة خير من مشركة** (البقرۃ: آیت نمبر ۲۲۱) ایک مؤمنہ باندی، ایک مؤمنہ عورت، غیر مسلمہ اور مشرکہ سے بہتر ہے، لیکن انجام کے اعتبار سے ان کو اپنے سے اچھا سمجھے؟ اور انجام کا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ نہ کرے! میرا خاتمہ کفر پر ہوجائے، اور اس غیر مسلم کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے، تو بتاؤ کون اچھا ہوا؟ کافر ہی اچھا ہوا، کیونکہ مؤمن کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، تو یہ

براہو گیا، اور کافر کا انتقال ایمان پر ہو گیا، تو یہ اچھا ہو گیا، اسے کہتے ہیں کہ مآل کے اعتبار سے کافر سے بھی اپنے آپ کو کمتر سمجھے، اور کافر کو اپنے سے اچھا سمجھے، اسے کہتے ہیں تواضع، اور جب کسی کے دل میں ایسی تواضع ہوتی ہے، تو اس تواضع کا اثر انسان کے ظاہر پر بھی پڑتا ہے، اس کی گفتگو میں بھی عاجزی، انکساری، خاکساری ٹپکے گی، اس کی چال بھی متواضعانہ ہوگی، اس کے بیٹھنے میں بھی تواضع ہوگی، اس کے بولنے میں بھی تواضع ہوگی، اس کے ملنے میں بھی عاجزی اور تواضع ہوگی، ہر حالت میں وہ تواضع کا پیکر ہوگا، اور وہ اس شعر کا مصداق ہوگا ؎

مجھے خاک میں دبادو ، میری خاک بھی اڑا دو
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

اکابر کی تواضع اور انکساری

ہم نے اپنے اکابر میں جن کو بھی دیکھا، بس! ہر ایک کو تواضع کا پیکر دیکھا، بانی دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، لیکن ایسی عاجزی تھی، ایسی انکساری تھی، ایسی خاکساری تھی کہ ہم بیان کرنے سے عاجز ہیں، ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے آپکو لاشی محض سمجھتے تھے، حضرت سے ملنے کے لئے بڑے بڑے علماء تشریف لاتے تھے، اور شہر سے یہاں کورنگی آتے تھے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ان کے سامنے حضرت اس قدر عاجزی کرتے تھے کہ بس! وہ حضرت ہی کا حصہ تھا، واقعی امیر المتواضعین تھے، تواضع کا پیکر تھے، جتنی آپ کے اندر تواضع تھی، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کا درجہ بلند فرمایا، اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں بڑی تواضع پائی جاتی تھی۔

تواضع، نیک ہونے کی علامت

اس لئے آپ جتنے بھی متبع شریعت، متبع سنت، اللہ والے دیکھیں گے، سارے کے

سارے متواضع ہوں گے، سب میں عاجزی پائی جائے گی، انکساری پائی جائے گی، خاکساری پائی جائے گی، یہ علامت ایسی ہے کہ بالکل واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے مزاج میں تیزی ہو، کسی کے مزاج میں تیزی نہ ہو، کسی کو جلدی غصہ آجاتا ہو، اور کسی کو بالکل نہ آتا ہو، لیکن اس کے باوجود تواضع ہوگی، عاجزی ہوگی، انکساری ہوگی، خاکساری ہوگی، اس لئے کسی کے اللہ والا ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے مزاج میں عاجزی اور انکساری پائی جائے، اگر عاجزی اور انکساری پائی جائے، تو پھر اس کے پاس بیٹھنے سے فائدہ ہوگا، اور اگر عاجزی اور انکساری نہیں ہوگی، خدانخواستہ غرور ہوگا، تکبر ہوگا، بڑائی ہوگی، اور اپنے آپ کو پیر سمجھنے کا خناس دماغ میں ہوگا، اور وہ اپنی بزرگی اور للّٰہیت کا دعویٰ کرتا ہوگا، تو بھئی! وہ بزرگ نہیں کہلا سکتا، اللہ والا نہیں کہلا سکتا، ایسے آدمی کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ نہیں ہوگا، بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوگا، لہٰذا ایک علامت یہ ہے کہ مزاج میں عاجزی اور انکساری ہو۔

کسی کو اذیت نہ دیں

نمبر سات (۷) کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ دیتا ہو، ظاہر ہے یہ مسلمان ہونے کی علامت ہے "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، لہٰذا یہ تو ایسی چیز ہے کہ جو بھی نیک بننا چاہے، یا کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھنا چاہے، اس بات کا ہونا بہت ضروری ہے، اس علامت کا ہونا نہایت ضروری ہے کہ اس کے رہنے سہنے کا، اس کے ملنے جلنے کا، اس کے بولنے چالنے کا، اس کے اٹھنے بیٹھنے کا، اس کے آنے جانے کا، اور اس کا اپنے گھر والوں، اور گھر سے باہر دوسروں کے ساتھ ایسا تعلق ہو، اور ایسا معاملہ ہو کہ ناحق اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا اس علامت کا تو نہ صرف یہ کہ کسی بزرگ میں ہونا ضروری ہے، بلکہ ہر مسلمان میں اس کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر اصلاح، اصلاح ہی نہیں، اس لئے ہمیں سکھایا یہی جاتا ہے کہ تم

دنیا میں اس طرح رہنا سیکھو کہ تمہاری وجہ سے کسی کو اذیت نہ ہو، کسی کو تکلیف نہ ہو۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے، اس کا تھوڑا سا حصہ آپ کو سناتا ہوں کہ چند صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہو گئے، اور گھر میں کچھ کھانے پینے کا انتظام نہیں تھا، چند بکریاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرما دیا تھا کہ بھئی! ان بکریوں کا دودھ نکال لیا کرو، اور تین حصے کر لیا کرو، ایک میرا حصہ پیالے میں بچا کر رکھ دیا کرو، دو حصے تم پی لیا کرو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تعلیم یہ تھی کہ عشاء کے بعد جلد ہی سو جاؤ، جس طرح ہمارے یہاں دیر تک جاگنے کا رواج ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نہیں تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد بھی امت کے کاموں کی مشغولیت اور مصروفیت کی وجہ سے ذرا دیر سے تشریف لاتے تھے، تو یہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے حصے کا دودھ پی کر لیٹ جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذرا دیر میں تشریف لاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نوافل ادا فرماتے، پھر وہ پیالہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ رکھا جاتا تھا، اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم **بسم اللہ** پڑھ کر نوش فرماتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے، تو درمیانی آواز سے سلام کرتے تھے،.... دیکھو! یہ ہے سمجھنے کی چیز،.... کہ اگر ہم جاگتے ہوئے ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دے دیں، اور اگر ہم سوئے ہوئے ہوں، تو ہماری نیند میں خلل واقع نہ ہو، **سبحان اللہ**! کیسی تعلیم ہے! اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آرام فرما ہوتے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق

ان میں سے ایک مہمان بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہم نے معمول کے مطابق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ رکھ دیا اور ہم لوگ لیٹ گئے، مگر ایک صحابیؓ نے کہا کہ مجھے کچھ ایسی خواہش ہوئی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا دودھ بھی پی لیا، اب پی تو لیا، لیکن بڑا پریشان ہوا کہ اب کیا کروں؟ اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، اور جب اپنا پیالہ خالی دیکھیں گے، تو بددعا فرمائیں گے، اور میری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی، وہ کہتے ہیں کہ اس خوف کی وجہ سے مجھے نیند بھی نہیں آئی، اور جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا وقت قریب ہوا، میرا دھڑکا بڑھتا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق تشریف لائے، آہستگی سے داخل ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق درمیانی آواز سے سلام کیا، اور پھر کچھ نوافل ادا کیے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کی طرف بڑھے، تو میری آنکھیں پتھرا گئیں کہ بس! اب میرا کام تمام ہوا، لیکن قربان جاؤں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اٹھایا، تو خالی تھا، تو بجائے میرے حق میں بددعا فرمانے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنَا وَ اسْقِ مَنْ سَقَانَا، یا اللہ! جو مجھے کھلائے، آپ اسے کھلایئے، جو مجھے پلائے، آپ اسے پلایئے، یعنی بجائے بددعا کرنے کے دعا دی، اور پھر آرام فرما ہوئے۔

حیرت ناک معجزہ

وہ صحابی فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دعا سنی، تو میری خوشی کی انتہاء نہ رہی، اب میں اٹھا، اور یہ ارادہ کیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، بھوک تو ہے، اب میں جس بکری کی طرف بڑھا، تو کیا دیکھتا ہوں، اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں، میں نے فوراً ایک پیالہ لیا، اور بکری کا دودھ نکالا، دودھ اتنا نکلا کہ دودھ کے اوپر مکھن آگیا، اور میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی، میں جلدی سے حاضرِ خدمت ہوا، اور میں نے سارا قصہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس طرح مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا دودھ بھی پی لیا تھا، اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا دودھ دے دیا کہ پیالہ بھر گیا، اور بھی دودھ باقی ہے، وہ صحابی فرماتے ہیں پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر دودھ پیا۔

سبق حاصل کریں

دیکھئے! یہ موقع غصے کا تھا، ناراضگی کا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غصہ اور ناراضگی کے، دعا فرمائی، سبحان اللہ! بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم **رحمۃ للعلمین** تھے، اور یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ادا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کو تکلیف نہیں دیتے تھے، دین کے معاملے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سختی فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آتا تھا، لیکن اپنی ذات کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی غصہ نہیں فرمایا، اور نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو مارا، لہٰذا اپنے اندر اس بات کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہمارا اندازِ زندگی ایسا ہو، جو دوسروں کے لئے راحت کا باعث ہو، اور اذیت کا باعث نہ ہو، ایسے ہی کسی اللہ والے کے لئے بھی ایسا ہونا ضروری ہے، کہ اپنے مریدوں اور متعلقین کی اصلاح کے لئے تو بے شک تنبیہ کرے، اور سختی کرے، لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے وہ کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچائے۔

گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک

لہٰذا کسی کے اللہ والا ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، وہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، دوسروں کو ستاتا اور پریشان نہ کرتا ہو، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسروں کے ساتھ ان کا معاملہ بڑا اچھا ہوتا ہے، لیکن گھر والوں کے ساتھ

ان کا معاملہ بڑا دلخراش ہوتا ہے، سختی کا ہوتا ہے، شدّت کا ہوتا ہے، تکلیف پہنچانے کا ہوتا ہے، یاد رکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک سب سے بہتر ہو، اور میں تم میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک کرنے میں سب سے اچھا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی مزاج کے خلاف باتیں بھی برداشت کر لیتے تھے، لہٰذا یہ اصلاح کی بڑی اہم بات ہے، اور کسی کے اللہ والا ہونے کی نشانی ہے کہ وہ ناحق کسی کو ستاتا نہ ہو، کسی کو تکلیف نہ دیتا ہو، اور اصلاح چاہنے والوں کے لئے بھی، ہمارے اور آپ، سب کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسا طرز زندگی اختیار کریں، اور سیکھیں کہ جس میں ہماری طرف سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

اللہ والوں کی صفات

(حصہ سوم)

(۴)

شرح روحِ ہفتم

بیان نمبر (۵۵)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۱۷ مئی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدِہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُّضللہٗ فلا ھَادِیَ لَہٗ وأشھد أن لّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونَبِیّنَا ومولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و أصحَابِہٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾

(التوبۃ: آیت نمبر ۱۱۹)

صدق اللّٰہ العظیم

میرے قابلِ احترام بزرگو!

''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح میں نیک صحبت اختیار کرنے کا بیان ہے، اور اس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیک لوگوں کی اور اللہ والوں کی کچھ علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جن کی تشریح ہو رہی ہے، تاکہ ان علامات اور نشانیوں کی روشنی میں ہم کسی نیک بندے کو تلاش کر سکیں، اور کسی اللہ والے کو ڈھونڈ سکیں، تاکہ اس کی صحبت اختیار کر سکیں۔

وہ علامتیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں، وہ کل تیرہ (۱۳) ہیں، جن میں سے سات علامتوں کا بیان اور ان کی تشریح ہو چکی ہے، باقی انشاء اللہ تعالیٰ آج بیان کی جائیں گی۔

غرباء اور فقراء کو حقیر نہ سمجھیں

ان تیرہ (۱۳) علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ نیک آدمی وہ ہوتا ہے، اور اللہ والا وہ ہوتا ہے، جو حاجت مندوں، ضرورت مندوں کو، غریبوں کو، اور فقیروں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، حاجت مند اور ضرورت مند، غریب اور مسکین بھی اللہ کا بندہ ہے، جو اللہ والا ہوتا ہے، وہ سب کی قدر کرتا ہے، سب کا احترام کرتا ہے، اور سب ہی کے کام آنے کی کوشش کرتا ہے، اپنی استطاعت کے مطابق، اور اپنی اوقات کے مطابق، جو حاجت مند اور ضرورت مند قاعدے کے مطابق اپنی کوئی حاجت، اپنی کوئی ضرورت پیش کرے، تو وہ اس کی بات کو سنتا ہے، غور کرتا ہے، اگر اس میں اس کی حاجت اور ضرورت پورا کرنے کی استطاعت ہوتی ہے، قدرت ہوتی ہے، تو پورا کر دیتا ہے، نہیں ہوتی، تو نرمی سے منع کر دیتا ہے، لیکن حاجت مندوں کو، ضرورت مندوں کو، اور غریبوں کو وہ حقیر و ذلیل اور کمتر نہیں سمجھتا۔

یہ اس کے نیک اور اللہ والا ہونے کی علامت ہے، جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، وہ آنے والے کو اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس جو شخص آیا ہے، وہ از خود نہیں آیا، من جانب اللہ اس کو بھیجا گیا ہے، اس لئے وہ اس کا اکرام کرتے ہیں، اور حسبِ استطاعات اس کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جو اللہ والا نہیں ہوتا، صالح اور نیک نہیں ہوتا، وہ بعض مرتبہ آنے والے کو حقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے، برا سمجھتا ہے، اور بلا وجہ اس کو ڈانٹتا ہے، اور دھمکا کر بھگا دیتا ہے، تو یہ طرزِ عمل کسی نیک آدمی کا تو کیا، ایک عام مسلمان کے لئے بھی مناسب نہیں ہے، اور کسی مسلمان کو بھی کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے۔

اصلاح کے لئے ڈانٹ ڈپٹ

البتہ اصلاح کے طور پر اس کو بقدرِ ضرورت تنبیہ کرنا، ڈانٹنا صحیح ہے، کیونکہ بعض حاجت مند ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنی اصلاح کی غرض سے آتے ہیں، اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، بعض مرتبہ ان کی اصلاح کے لئے تنبیہ کرنی پڑتی ہے، ڈانٹنا بھی پڑتا ہے، بلکہ اصلاح چاہنے والے کو ذہنی طور پر اپنی پٹائی قبول کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے کہ اگر بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت شیخ پٹائی بھی کرے، تو اُسے قبول کرے، کیونکہ شیخ کا ڈانٹنا، یا مارنا ایسا ہے، جیسے شفیق اور مہربان تجربہ کار ڈاکٹر کا آپریشن کرنا، اور اس کا انجکشن لگانا، جیسے وہ درست، بلکہ ضروری ہے، ایسے ہی یہ بھی درست اور بعض مرتبہ ضروری ہے، کیونکہ بعض مرتبہ حاجت مند اور ضرورت مند، یا غرباء، فقراء اور مساکین بے موقع ملتے ہیں، وقت نہیں دیکھتے، فرصت نہیں دیکھتے، موقع نہیں دیکھتے جس وقت من میں آیا، بس چل پڑے، دوسرے کا خیال کرنا بھی ضروری ہے کہ کس وقت ملنا چاہئے؟ کون سا وقت کس بات کے کہنے کا ہے؟ کون سا وقت کس بات کے کہنے کا نہیں ہے؟ کس وقت اپنی حاجت پیش کرنی چاہئے؟ کس وقت پیش نہیں کرنی چاہئے؟ پیش کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ڈھنگ ہونا چاہئے؟ یہ سارے آداب ہیں، ان سے ایک حاجت مند اور ضرورت مند کو واقف ہونا چاہئے، خاص طور سے اپنی اصلاح چاہنے والے کو ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی ان باتوں کا خیال نہیں رکھتا ہے، بے موقع ملتا ہے، بے وقت ملتا ہے، بے ڈھنگے پن کو اختیار کرتا ہے، تو پھر اس میں تنبیہ ہوتی ہے، اور بعض اوقات ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی ہے۔ اور بعض مرتبہ اس میں سخت لب ولہجہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔

ہم مریض کی طرح ہیں

کیونکہ اس کے بغیر اصلاح نہیں ہوتی ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی مریض، حکیم صاحب

سے کہے کہ حکیم صاحب میری ہر بیماری میں آپ خمیرہ دے دیا کریں، خمیرہ ایسی میٹھی چیز ہے کہ بوڑھا بھی کھالے، جوان بھی کھالے، مجھے تو ہر مرض میں یہ دے دیا کریں، تو حکیم صاحب اس وقت اس سے معافی مانگ لیں گے کہ بھئی! تمہیں خمیرہ کھانا ہے، تو ہمدرد دوا خانے چلے جاؤ، جب تمہیں کوئی بیماری ہو، وہیں سے خمیرہ لے لیا کرو، خبردار! میرے پاس مت آنا، مجھے ایسا علاج نہیں آتا کہ ہر بیماری میں خمیرہ دے دوں، میں تم کو کبھی معجون دوں گا، کبھی خمیرہ دوں گا، کبھی پڑیا دوں گا، کبھی کڑوی دوائی دوں گا، کبھی کھٹی دوائی دوں گا، کبھی پرہیز بھی کراؤں گا، اور کبھی پیدل بھی چلاؤں گا، یہ صحت کے لئے ضروری ہے، اگر تم کو اپنی مرضی چلانی ہے، تو خود ہی اپنا علاج کرلو، ایسے ہی یہاں پر بھی ہے کہ بھئی! جب تم اپنی ضرورت لے کر گئے ہو، چاہے دنیا کی ہو، یا اپنی اصلاح کی، تو پھر جو اس کا قاعدہ ہے، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا، ورنہ وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نیک آدمی کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ حاجت مندوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو۔

حبِّ الٰہی اور خوفِ خدا

اور علامت نمبر (۹) یہ ہے کہ اخلاقِ باطنی بھی اچھے ہوں، اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دل میں رکھے، یہ بھی ایسی چیز ہے کہ ہر مسلمان میں اس کا ہونا مطلوب اور مقصود ہے کہ ہر مسلمان کے باطنی اخلاق اچھے ہوں، بالخصوص اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی محبتوں پر غالب ہو، اور خوفِ خدا بھی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت آدمی کو اطاعت پر مجبور کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا خوف اطاعت پر مجبور کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے پر مجبور کرتا ہے، تو یہ صفت ہر مسلمان میں ہونی چاہئے، ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے اس صفت کا ہونا ضروری ہے، لیکن خاص طور سے اللہ والے کے لئے ان باتوں کا ہونا ناگزیر ہے، اور یہ اس کے نیک ہونے علامت ہے، بزرگ ہونے کی علامت ہے، اللہ والا ہونے کی نشانی ہے،

جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان میں یہ علامت پائی جاتی ہے،

کیونکہ اللہ والا وہ ہوتا ہے، جس نے کسی اللہ والے کی خدمت میں رہ کر، اور صحبت میں رہ کر اپنے باطن کا تزکیہ کرایا ہو، اور جب باطن کا تزکیہ ہو جاتا ہے، تو اس کے ظاہری اعمال بھی شریعت کے مطابق درست ہو جاتے ہیں، اور اس کے باطنی حالات بھی درست اور صحیح ہو جاتے ہیں، اور باطن کے جو اچھے اچھے اخلاق ہیں، جن کا پیدا کرنا ضروری ہے، وہ پیدا ہو جاتے ہیں، اور جو بد اخلاقیاں ہیں، وہ دور ہو جاتی ہیں، اُن میں سے دو باتیں حضرت نے یہاں خاص طور سے علامت کے طور پر ذکر فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں غالب ہو ماسوا اللہ کی محبتوں پر۔

دوسرے یہ کہ خوفِ خدا اس کے دل میں غالب ہو۔

یہ دو علامتیں خاص علامتیں ہیں، اور یہ علامتیں، اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نیک بندے ہوتے ہیں، اور مقبول بندے ہوتے ہیں، صاحبِ نسبت بزرگ ہوتے ہیں، ان میں پائی جاتی ہیں، ہم نے اپنے اکابر کے اندر الحمد للہ! یہ ساری علامتیں پائی ہیں، اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔

خوف کا اصل مفہوم

دل، دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف ہونے کا دوسرا نام ہے تقویٰ، تقویٰ کے معنی ڈرنے کے بھی آتے ہیں، اور بچنے کے بھی آتے ہیں، تو بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے، اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا، وہ گناہوں سے بھی بچے گا، فرمانبرداری بھی کرے گا، جس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچائے گا، بڑے بڑے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچائے گا، اور جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوگا، وہ بڑے بڑے گناہوں کو بھی بے دھڑک کر

گزرتا ہے، اور اس کو کوئی احساس بھی نہ ہوگا، یہ خوفِ خدا دل میں نہ ہونے کی علامت ہے، اور تقویٰ حاصل نہ ہونے کی نشانی ہے، ہمارے بزرگوں کے تقویٰ کے واقعات بھی عجیب وغریب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے واقعات بھی عجیب وغریب ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا تقویٰ

سہارن پور میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ تھے، ان کا تقویٰ بہت مشہور تھا، چنانچہ ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ ان کا معدہ حرام اور مشتبہ غذا کو برداشت نہیں کرتا، جان کر یا بھول کر یا غلطی سے اگر کوئی ایسی غذا پیٹ میں چلی گئی، جو حرام ہو، یا اس کا حلال وحرام ہونا اچھی طرح معلوم نہ ہو، مشتبہ ہو، تو ان کو قے ہو جاتی تھی، اس لئے لوگ ان کی دعوت کرنے سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دعوت میں جو کچھ ان کو کھلایا پلایا جائے، خدانخواستہ کوئی حرام یا مشتبہ غذا اس میں شامل ہو جائے، اور پھر کھانا کھانے کے بعد بجائے خوش ہونے کے حضرت کو قے ہو جائے، اور حضرت کو بھی تکلیف ہو، اور ہمیں بھی تکلیف ہو، اس لئے ان کی دعوت کرنے کی ہر آدمی ہمت نہیں کرتا تھا، اور اگر کوئی کرتا، تو بہت ہی احتیاط سے کام لیتا تھا۔

مولانا نور الحسن کی دعوت کا پہلا واقعہ

ان کے ایک عزیز تھے مولانا نور الحسن صاحب، چونکہ عزیز تھے، اس لئے حضرت کے یہاں آنا جانا رہتا تھا، اور وہ کہیں تحصیلدار تھے، اور اس زمانے میں تحصیلدار بہت بڑا آدمی ہوتا تھا، ایک مرتبہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور مہمان ہو گئے، تو ظاہر بات ہے کہ خاطر تواضع تو کرنی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت کا مزاج ایسا ہے، اس لئے انہوں نے اپنے صاحبزادے کو پیسے دیئے، اور اس سے کہا کہ دیکھو! جو میں پیسے دے رہا ہوں، یہی پیسے لے کر جانا، اور جا کر فلاں جگہ سے

دودھ لے کر آنا، تاکہ حضرت کی دعوت میں جو کھانا پکے، فیرنی وغیرہ بنے، وہ اس پیسوں سے بنے تاکہ حضرت نوش فرمائیں۔

صاحبزادے گئے، اور جاکر دودھ لے آئے، اور کھانا وغیرہ پکا، حضرت نے کھانا بھی اچھی طرح کھایا، جیسے ہی فیرنی کھائی، قے ہوگئی، اب مولانا نورالحسن صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ بتاؤ! حضرت کو قے ہوگئی، صاحبزادے سے پوچھا کہ میں نے تمہیں پیسے دیے تھے، تاکید کی تھی، کیا ہوا؟ تم کس طرح دودھ لائے؟ انہوں نے کہا جی! میں دودھ تو انہی پیسوں کا لایا تھا، لیکن واپسی میں دودھ گر گیا تھا، تو میں دوکاندار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دودھ گر گیا، اس کے بدلے دوسرا دودھ دو، اس نے دے دیا، اب دوکاندار بھی بے چارہ مجبور، اگرچہ اس کا دودھ گرنے میں کوئی قصور نہیں، لیکن صاحبزادے یہ سمجھے کہ بھئی! دودھ گر گیا ہے، تو اس سے دوبارہ لے لوں، اب دوکاندار نے دے دیا کہ تحصیلدار کا بیٹا ہے، کیا بولوں؟ کہیں میری گردن نہ نپ جائے؟ اور اسی دودھ سے فیرنی تیار ہوئی، اور حضرت کے پیٹ میں جاتے ہی قے کا باعث بن گئی، ان کا ایسا تقویٰ تھا۔

مولانا نورالحسن کی دعوت کا دوسرا واقعہ

ایسے ہی ایک اور قصہ انہی کا حضرت شیخؒ نے ذکر فرمایا ہے، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں واقعے بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ پھر مولانا مظفر حسین صاحب، مولانا نورالحسن صاحب کے یہاں مہمان ہوئے، تو انہوں نے اپنے ایک سپاہی کو پیسے دیے، اور خوب اچھی طرح اس کو پڑھایا، سمجھایا کہ دیکھ بھئی! یہ پیسے میں دے رہا ہوں، فلاں دوکان پر جانا، اور ان پیسوں سے جلیبی لے آنا، اور وہی حضرت کو دودھ میں بھگو کر کھلانا، اور دیکھو! خدا کے لئے راستے میں کوئی گڑبڑ مت کرنا، ان کو معلوم تھا کہ سپاہی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، کچھ بھی گڑبڑ کرسکتا ہے، تو مولانا کچھ دیر تک اس کو سمجھاتے رہے، اور جتاتے رہے، اور بتاتے رہے کہ ایسا کرنا، اور ایسا مت کرنا، اس سپاہی کو کچھ سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا آج سر! مجھے اتنا کیوں سمجھا رہے ہیں؟ پیسے دے رہے ہیں، جلیبی لانی ہے، تو اس میں کون سی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہے، تو اس کے کچھ پلّے نہیں پڑا، وہ گیا اور جلیبی والے دوکاندار کو کہا کہ تحصیلدار صاحب نے جلیبیاں منگوائی ہیں، اور پیسے جیب میں رکھ لیے۔

اب ظاہر ہے کہ دوکاندار بیچارہ اس کو جلیبی نہیں دے گا، تو کیا کرے گا؟ چنانچہ جتنی جلیبیاں اس نے مانگیں، دوکاندار نے خاموشی سے دے دیں، اور جب وہ جلیبی دودھ میں بھگونے کے بعد حضرت نے کھائیں، تو قے ہوگئی، اب حضرت کو بھی تکلیف اور مولانا نور الحسن صاحب بھی بڑے پریشان ہوئے، کہ سپاہی کو اتنا تو سمجھایا تھا، پھر کم بخت نے پتہ نہیں کیا کر دیا؟ اسے بلایا، اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ تب پتہ چلا کہ پیسے جیب میں رکھ لئے ہیں، اور زبردستی جلیبی بیچنے والے سے جلیبی لے کر آ گیا ہے، تب اس کی آنکھیں کھلی، اور پتہ چلا کہ اتنی سی گڑبڑ سے اتنا بڑا کام ہوگیا، اتنی جلدی گرفت ہوگئی، اتنی جلدی پکڑ ہوگئی، ادھر لایا، اُدھر اُلٹی ہوگئی، جس کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا، رات دن حرام خوری کرتے رہتے ہیں، رشوت لیتے رہتے ہیں، سود لیتے رہتے ہیں، اور کھاتے رہتے ہیں، ان کو پتہ بھی نہیں چلتا، مگر آخرت میں پتہ چلے گا، اللہ بچائے! اس لئے جن کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے، ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کا واقعہ

ایسے ہی حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب وغریب تقوی تھا، اور حضرت کے ہاں عجیب وغریب احتیاط تھی، (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیقِ عمل عطا فرمائیں، آمین) ایک مرتبہ حضرت ایک اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں ٹھہرے، وہ اسٹیشن چھوٹا اسٹیشن تھا، اور چھوٹے اسٹیشن پر بعض مرتبہ دھوپ اور بارش وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی چھپرا وغیرہ بھی نہیں ہوتا، چھوٹے اسٹیشن عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں، بس! گاڑی آئی اس میں

بیٹھ جاؤ، اور گاڑی سے اترو، اور جاؤ، وہاں کوئی ٹھہرنے یا بارش، دھوپ وغیرہ سے بچ کر آرام سے بیٹھ کر انتظار وغیرہ کرنے کی سہولت نہیں ہوتی، وہ اسٹیشن ایسا ہی تھا، اب اتفاق کی بات کہ حضرت کو وہاں کسی گاڑی کا انتظار تھا، چھت وغیرہ نہیں تھی، اچانک بارش شروع ہوگئی، اتفاق سے اسٹیشن ماسٹر، حضرتؒ کا جاننے والا تھا، تھا تو وہ ہندو، لیکن حضرت کو جانتا پہچانتا تھا، اس نے دیکھا کہ حضرت یہاں گاڑی کے انتظار میں کھڑے ہیں، بارش ہورہی ہے، اور بارش سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، تو اس نے ریلوے کے ملازم سے کہا کہ جلدی سے حضرتؒ کے لئے ریلوے کا گودام کھولو، اور حضرتؒ کو وہاں بٹھادو، تاکہ حضرتؒ بارش سے بچ جائیں، جب گاڑی آئے، تو اس میں چلے جائیں،

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں ریلوے کے گودام میں بیٹھ گیا، اتنے میں مجھے خیال آیا کہ اب تھوڑی دیر بعد وہ یہاں لالٹین بھی بھیجے گا، اس زمانے میں بجلی کا رواج زیادہ نہیں تھا، لالٹین ہوتی تھی، اب حضرتؒ کو خیال آیا کہ لالٹین تو ہوگی ریلوے کی، اور ریلوے کی لالٹین میرے لئے نہیں ہے، سب کے لئے ہے، اس لئے خاص مجھے اپنے لئے اس کا استعمال درست نہیں، اور ساتھ ہی حضرتؒ کو یہ خیال بھی آیا کہ اب اگر منع کروں، تو یہ ہے ہندو، اور دل میں کہے گا کہ دیکھو! مسلمانوں کے مذہب میں کتنی سختی ہے؟ کہ ایسی پریشانی کے وقت کہ اندھیرا چھایا ہوا ہے، بارش ہورہی ہے، ایسے وقت بھی ان کے مذہب میں سرکاری لالٹین کا استعمال ناجائز ہے، یہ کیسا مذہب ہے؟

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک طرف مجھے اپنی پریشانی، ایک طرف اس کا خیال، تو میں نے دعا شروع کردی،... دیکھو! یہ ہے اصل طریقہ،... میں نے دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ! آپ ہی بچانے والے ہیں، یا اللہ! آپ ہی مجھے اس لالٹین سے بچاسکتے ہیں، میں منع بھی نہیں کرسکتا، اور ہاں بھی نہیں کرسکتا، آپ ہی بچائیں، تو کہتے ہیں کہ اِدھر میں نے دعا شروع کی، اور اُدھر اسٹیشن ماسٹر کی آواز سنی، وہ اپنے ملازم کو کہہ رہا تھا کہ ارے فلاں

دیکھو! اسٹیشن کی لالٹین لے کرمت جائیو، ہماری ذاتی لالٹین جو رکھی ہوئی ہے، وہ جلا کر لے جائیو!۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح مدد فرمائی؟ اور حضرتؒ نے اس واقعہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ سرکاری لالٹین بھی لے کر آتا، تو میں جلاتا تھوڑا ہی، میں اس کو بند کر کے اندھیرے میں بیٹھا رہتا، سرکاری لالٹین جو میرے لئے خاص نہیں، میں اس کو استعمال نہیں کرسکتا۔

مسجد کی چیزوں کا ناجائز استعمال

بعض لوگ مسجد کا ہاتھ والا پنکھا، جو چٹائی کا بنا ہوا ہوتا ہے، اس کو مسجد کے حجرے میں لے جاتے تھے، یا مسجد کے ساتھ مدرسہ ہے، وہاں لے گئے، پہلے زمانے میں بجلی کے پنکھے کم ہوتے تھے، ہاتھ کے پنکھے زیادہ ہوتے تھے، تو اب وہ ہاتھ کا پنکھا اتنا قیمتی تو نہیں ہوتا، اب بظاہر یہ کوئی بڑی بات محسوس نہیں ہوتی، لیکن یہ گناہ ہے، مسجد کا جتنا بھی ساز و سامان ہے، وہ مسجد کے اندر ہی استعمال کرسکتے ہیں، اس کو استعمال کرنے کے لئے مسجد سے باہر نہیں لے جاسکتے، مثلاً پہلے زمانے میں مسجد کے اندر نلکے کم ہوتے تھے، اور لوٹے زیادہ ہوتے تھے، حضرتؒ نے لوٹے کی مثال دی کہ بعض لوگ لوٹا اپنے کمروں میں لے جاتے ہیں، وہاں استعمال کرلیتے ہیں، مسجد کا لوٹا مسجد ہی میں استعمال ہوسکتا ہے، کیونکہ مسجد میں استعمال کرنے کے لئے رکھا گیا ہے، اس کو کوئی اپنے گھر لے جائے، یا مدرسے میں لے جائے، یا حجرے میں لے جائے، تو اس سے حضرتؒ نے منع فرمایا ہے، یہ بھی گناہ ہے، کیوں؟ مدرسہ مسجد سے الگ چیز ہے، مسجد الگ چیز ہے، جیسے مدرسے کا ساز و سامان مسجد میں استعمال نہیں ہوسکتا، اور مسجد کا ساز و سامان مدرسے میں استعمال نہیں ہوسکتا، اور ذاتی طور پر بھی استعمال نہیں ہوسکتا، اس کی ایک بہت موٹی سی مثال ہے، جیسا مسجد کا قرآن پاک ہے، وہ جس نے بھی مسجد میں رکھا ہے، مسجد میں پڑھنے کے لئے رکھا ہے، لہٰذا کوئی اس قرآن شریف کو مدرسے میں لے جا کر پڑھ نہیں سکتا، اور اس سے بڑھ کر اپنے گھر میں لے جا کر نہیں پڑھ سکتا، اگر

پڑھے گا، تو گنہگار ہوگا، اور اپنے گھر میں لے جاکر پڑھنا اس کے لئے ناجائز ہوگا۔

یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی مسجد کا مصلی اپنے گھر لے جاکر اس پر نماز پڑھنے لگے، مسجد کی دریاں اٹھا کر لے جائے، اور اس کو اپنے حجرے میں بچھا کر اس پر نماز پڑھنے لگے، یا مدرسے میں لے جائے، وہاں بچھا کر نماز پڑھنے لگے، تو جیسے یہ منع ہے اور درست نہیں ہے، اسی طریقے سے مسجد کا کوئی اور سامان اپنے گھر لے جاکر استعمال کرنا درست نہیں ہے، مسجد کا کوئی سامان اگر پرانا ہوگیا، تب بھی وہ کسی دوسرے کے استعمال میں نہیں دیا جاسکتا، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ مسجد والے اس کو بیچ دیں، اور بیچ کر اس کے پیسے مسجد کے استعمال میں لے لیں، لہٰذا تقوی کا مطلب ہے گناہ سے بچنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا۔

سامان پر پورا محصول ادا کرنے کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ یاد آگیا، پہلے بھی شاید ایک مرتبہ میں نے سنایا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سہارن پور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے، سہارن پور الگ شہر ہے، کانپور الگ شہر ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تقرر دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کانپور کے کسی مدرسے میں ہوگیا تھا، جہاں حضرتؒ مدرسہ میں اسباق وغیرہ پڑھایا کرتے تھے، اس زمانے کا یہ واقعہ ہے کہ آپ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے، حضرت کے ساتھ گنے تھے، جو شاید کسی نے ہدیہ میں دیے ہوں گے، یا ممکن ہے حضرت نے خود خرید لیے ہوں، اور ریلوے کا قانون سب کو معلوم ہے کہ مقررہ وزن سے اگر کسی کے پاس زیادہ وزن ہو، تو محصول کٹوانا ضروری ہے،

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے کاموں میں بہت احتیاط فرماتے تھے، لہٰذا آپ نے اسٹیشن کے لوگوں سے کہا کہ بھئی! اس کا جو محصول ہے، وہ کاٹو، اور مجھ سے پیسے وصول کرو، وہ کچھ حضرت کے جاننے والے تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ ایسے ہی لے جایئے، یہاں تک کہ جو اسٹیشن کے غیر مسلم ملازم تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ لے

جائیں، ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھئی! وہ گارڈ کہاں تک جائے گا، انہوں نے کہا کہ وہ غازی پور تک جائے گا، کیونکہ سہارنپور سے غازی پور تک وہی چیک کرنے کے لئے آئے گا، آپ سے محصول کے بارے میں کوئی پکڑ نہیں کرے گا،

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے غازی پور سے بھی آگے جانا ہے، پھر آگے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا غازی پور تک جو گارڈ جائے گا، وہ پھر دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا، وہ آگے پھر دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا، اس طرح آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا، حضرتؒ نے کہا کہ پھر آگے بھی مجھے جانا ہے، وہاں کوئی گارڈ آ گیا، تو پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا: حضرت! پھر اتنے میں شہر آ جائے گا، اور آپ کا کانپور تک کا سفر ختم ہو جائے گا، لہٰذا صرف ایک دو گارڈ سے کہنا پڑے گا، فرمایا کہ نہیں مجھے کان پور سے بھی آگے جانا ہے، مقصد یہ تھا کہ آخرت میں جانا ہے، آگے بھی میرا سفر ہے، وہاں کون سے گارڈ سے تم بات کرو گے؟ کہا حضرت! وہاں ہمارے بس کی بات نہیں ہے، فرمایا کہ وہاں پکڑا گیا، تو مجھے کون چھڑائے گا؟ تو بھئی! تم مجھ سے یہیں محصول لے لو، میں آرام سے جاؤں، تم اس سے کہو، وہ اس گارڈ سے کہے اور وہ اس گارڈ سے کہے خدانخواستہ کسی گارڈ نے پکڑ لیا، تو میں کیا کروں گا؟ سارے کے سارے حضرت کا یہ جواب سن کر نہایت متاثر ہوئے، اور حضرت اپنا محصول کٹوا کر اپنا گنا لے کر گئے۔

بغیر ٹکٹ کے ریل کا سفر

آج بھی ایسا بہت ہوتا ہے کہ جان پہچان والوں سے ٹکٹ وغیرہ نہیں لیتے، ریلوے کو خیراتی ادارہ سمجھا جاتا ہے، کتنے لوگ بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہیں ٹکٹ لے رکھا ہے تھرڈ کلاس کا، اور سفر کر رہے ہیں اے سی کلاس میں، پولیس والا یا گارڈ آ گیا، تو اس کی جیب میں سو کا نوٹ ڈال دیا، اس طرح آج کل حرام کھاتے، ناجائز سفر کرنے کا عام رواج ہے، خوفِ خدا نہ

ہو، تو ایسا ہی ہوتا ہے، آج اندھیر نگری اور چوپٹ راج ہو رہا ہے، وہ اسی خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور خوفِ خدا تو وہ چیز ہے جو انسان کو تنہائی میں برائی اور گناہ سے بچاتا ہے، اور اگر خوفِ خدا نہ ہو، تو اللہ بچائے! پھر آدمی کہیں بھی گناہ سے نہیں بچتا، الا ما شاء اللہ، اس لئے کسی کے نیک ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں خوفِ خدا ہو، اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو، اور ایسی محبت ہو جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی محبت پر غالب ہو، جب وہ ایسا ہوگا، تب ہی جو اس کے پاس بیٹھے گا، اس کے دل میں بھی یہ اثر پیدا ہوگا، اور اس کی بھی اصلاح ہوگی، اور وہ بھی صحیح راہ پر چلے گا، اور جب اس کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں غالب نہیں ہے، اس کے پاس بیٹھنے والوں کو فائدہ نہ ہوگا۔

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ

نمبر دس (۱۰) دل میں دنیا کا لالچ نہ رکھتا ہو، اس کے دل میں دنیا کی لالچ، دنیا کی حرص اور دنیا کی محبت نہ ہو، مراد دنیا کی ایسی محبت، حرص، اور دنیا کی ایسی لالچ ہے، جو اس کو نافرمانی میں مبتلا کر دے، ورنہ فی نفسہ دنیا کی محبت اور دنیا کی حرص ہونا کوئی مذموم نہیں ہے، اور کوئی بری چیز نہیں ہے، بس! ایسی محبت اور ایسی حرص اور ایسی لالچ نہیں ہونی چاہئے، جو اس کو مال حاصل کرنے اور دنیا حاصل کرنے میں جائز و ناجائز کی بھی پروا نہ کرنے دے، اللہ بچائے! یہ بہت بری چیز ہے، حب الدنیا رأس کل خطیئة، دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، آدمی اسی دنیا کی حرص اور لالچ کی وجہ سے بے شمار گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

دو خطرناک روحانی بیماریاں

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے کسی بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں، تو وہ بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا کہ حبِ جاہ اور حبِ مال انسان کو

تباہ وبرباد کرتے ہیں، حبِ جاہ کے معنی ہیں: اپنے بڑا ہونے کی خواہش دل میں رکھتا ہو، کہ لوگ میرے سامنے جھکیں، لوگ میرے ہاتھ چومیں، لوگ میرے جوتے اٹھائیں، لوگ مجھے مولانا کہیں، لوگ مجھے بزرگ کہیں، لوگ مجھے بڑا کہیں، لوگ مجھے اچھا کہیں، میں لوگوں کی نظر میں بزرگ بن جاؤں، اور بڑا بن جاؤں، اور اللہ والا کہلاؤں، اور لوگ میرے سامنے جھکیں، یہ ہے حبِ جاہ، اور دوسری مال کی محبت کہ جو انسان کو حلال حرام کی تمیز سے بے نیاز کردے، اور اس کو جائز وناجائز کی پرواہ نہ رہے، اور آدمی مال کی لالچ میں ایسا ہوجائے کہ جس طرح سے بھی آئے، بس! مال آئے، جائز طریقے سے آئے، یا ناجائز طریقے سے آئے، اس کی پروانہ کرے، تو یہ بھی اللہ بچائے! بہت بری چیز ہے، اور یہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے، اور آخرت میں بھی ذلیل ہوتا ہے، اس لئے کسی کے نیک ہونے کی یہ بھی علامت ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی لالچ نہ ہو، بس! جائز طریقے سے اور حلال طریقے سے اگر اس کو دنیا ملتی ہے، تو وہ لیتا ہے، اور اس کو استعمال کرتا ہے، اور جو حرام اور ناجائز طریقے سے آئے، اس سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اور پرہیز کرتا ہے۔

بزرگوں کی دو قسمیں

ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ مشہور بزرگ ہیں، بعض بزرگوں کو اللہ پاک نے دنیاوی اعتبار سے بہت مالدار بنایا ہے، بادشاہوں کی طرح انہوں نے زندگی گزاری، بعض بزرگ ایسے تھے کہ انہوں نے بہت ہی سادہ اور فقیرانہ زندگی گزاری، صحابہ کرامؓ میں بھی دونوں طرح کے تھے، بعض مالدار اور بعض غریب، تو خواجہ عبید اللہ احرارؒ بادشاہانہ انداز میں رہتے تھے، آپ کا قلعہ شاندار تھا، حشم وخدم آپ کے آگے پیچھے رہتے تھے، آپ کی سواری شاہانہ سواری ہوتی تھی، مریدین بھی آگے پیچھے ہوتے تھے، اور شاگرد بھی آگے پیچھے ہوتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بادشاہ گزر رہا ہو، اس

دنیا سے اللہ کے لئے دوستی

اس خیال سے جوان کی سواری دیکھ کر میں نے قائم کیا تھا کہ ”نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد“ پر مجھے بڑی شرمندگی اور ندامت ہوئی، میں نے کہا کہ بھئی! حضرت کے پاس چلو، اور حضرت سے معافی مانگو، اور حضرت سے اپنی اصلاح کی درخواست کرو، کہتے ہیں کہ اب میں وقت پوچھ کر حضرت کی مجلس میں پہنچا، اور میں نے جا کر عرض کیا کہ حضرت! میں سفر کر کے آیا ہوں، اور اس اس طریقے سے آپ کی خدمت میں اپنی اصلاح کے لئے آیا ہوں، فرمایا کہ وہ شعر سناؤ، جو تم نے ہمارے آنے پر کہا تھا، حضرت کو کشف ہو گیا ہو گا، کہا کہ حضرت وہ میں نے جہالت میں کہہ دیا تھا، اب کیسے سناؤں؟ کہا کہ نہیں، سناؤ! ہم اس کو ٹھیک کر دیں گے، وہ نا تمام ہے، اس کو مکمل کر دیں گے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے شرماتے ہوئے کہا کہ:

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

حضرت نے دوسرا مصرعہ فرمایا کہ:

اگر دارد برائے دوست دارد

سبحان اللہ! وہ اللہ والا نہیں ہے، جو دنیا کو دوست رکھے، ہاں! وہ اللہ والا ہے جو دنیا کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رکھے، فرمایا کہ یہ جو کچھ میرے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اپنے لئے تھوڑی ہے۔

جاہل پیروں کا لالچ

اس طرح یہ شعر حضرت نے پورا کر دیا، اور ان کی اصلاح ہو گئی، اور پھر یہ وہیں پڑ گئے، اور وہیں رہ کر انہوں نے حضرت سے اپنی اصلاح کرائی، تو اللہ والے جو ہوتے ہیں، ان کے دل میں مال، دولت اور روپے پیسے کی لالچ نہیں ہوتی، جو اللہ تعالیٰ عطا

فرماتے ہیں، شکر کے ساتھ اس کو استعمال کرتے ہیں، بہر حال حضرت تھانوی نے اللہ تعالی کے نیک اور مقبول بندہ ہونے کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ دنیا کی لالچ نہ رکھتا ہو، یہ نہیں کہ آنے والوں سے ہر وقت اس کے دل میں یہ لالچ ہو کہ یہ کچھ نہ کچھ دیں، جیسے جاہل پیروں نے یہ شعر بنایا ہوا ہے کہ ؎

جو خالی ہاتھ آئے وہ خالی ہاتھ جائے
جو بھرا ہوا آئے وہ فیض لے کر جائے

یہ سب کھانے پینے کے دھندے ہیں جو غلط ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو حضرت کی نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

سلسلہ درسِ حیاۃ المسلمین

اللہ والوں کی صفات

(حصہ چہارم)

(۵)

شرحِ روحِ ہفتم

بیان نمبر (۵۶)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام :	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ :	۲۴ مئی ۲۰۱۱ء
دن :	منگل
وقت :	بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لہٗ وأشھد أن لّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ والوں کے کچھ اوصاف، علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں، تاکہ ان اوصاف اور علامات کو دیکھ کر نیک صحبت کو اختیار کرنے اور کسی اللہ والے کی خدمت میں بیٹھنے کے لئے اس کو پہچانا جاسکے، نیک صحبت میں بیٹھنا بہت ہی نافع اور مفید ہے، بشرطیکہ وہ نیک ہو، کیونکہ جس طرح نیک صحبت کا اچھا اثر ہے، بری صحبت کا برا اثر ہوتا ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ (۱۳) علامتیں بیان فرمائی ہیں، دس کا بیان پہلے ہو چکا ہے، اور ان کی تشریح گزر چکی ہے، باقی علامات ان شاء اللہ تعالیٰ آج بیان ہوں گی۔

دین کو دنیا پر اہمیت دینا

ان تیرہ علامتوں میں سے علامت نمبر ۱۱، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے،

کہ اللہ والے وہ ہیں، جو دین کے مقابلے میں مال، راحت اور آبرو کی پروا نہ کرتے ہوں، یعنی اگر دین اور دنیا کا مقابلہ ہو جائے، تو ایسے موقع پر دنیا سے پرہیز کرتے ہوں، دین کو اختیار کرتے ہوں، اور دین کے اختیار کرنے میں نہ اپنی جان کی پروا کریں، نہ عزت آبرو کی پروا کریں، نہ اپنے مال و دولت کی پروا کریں، بلکہ ان تینوں کے مقابلے میں دین کو دنیا پر ترجیح دیں، اور دین کو اختیار کریں، اور دین پر عمل کریں، مثلاً اذان ہو جانے کے بعد مسلمان مردوں کو دو حکم ہیں، نمبر ایک، نماز کو قضا نہ کریں، وقت کے اندر اندر نماز کو ادا کریں، نمبر دو، اگر معتبر عذر نہ ہو، تو نماز با جماعت ادا کریں، اور عورتوں کو یہ حکم ہے کہ نماز کو مستحب وقت میں ادا کریں، قضا نہ کریں، عورتوں کو جماعت کا حکم نہیں ہے۔

دوکان کو نماز پر ترجیح دینے کی کوتاہی

عام طور پر جب اذان ہوتی ہے، تو آدمی کے سامنے دنیا آجاتی ہے، مثلاً دوکان ہے، اب سیدھی سیدھی بات تو یہ ہے کہ دوکان بند کرے، اور مسجد میں جماعت سے جا کر نماز پڑھے، یا وہ کھیتی باڑی کرتا ہے، تو کھیتی باڑی چھوڑ دے، اور جا کر نماز ادا کرے، ملازم ہے، تو اپنی ملازمت کو تھوڑی دیر کے لئے موقوف کرے، اور جا کر نماز با جماعت ادا کرے، اب جو اللہ والے ہوں گے، اور جو نیک بندے ہوں گے، وہ ایسا ہی کریں گے، اس وقت وہ نہ دوکان کی پروا کریں گے، نہ کاروبار کی پروا کریں گے، نہ تجارت کی پروا کریں گے، نہ نوکری کی پروا کریں گے، بس! اذان ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ وہ ساری چیزوں کو چھوڑ کر نماز با جماعت ادا کرے گا، نہ نماز قضا ہونے دے گا، نہ جماعت فوت ہونے دے گا، اور جو نیک نہیں ہوگا، اور جو اللہ والا نہیں ہوگا، وہ طرح طرح کے بہانے کر کے نماز کو چھوڑ دے گا، جماعت کو چھوڑ دے گا، اور بعض مرتبہ نماز قضا بھی کر دے گا، مثلاً یہ عذر کر دے گا کہ بھئی! میری دکان پر رش بہت تھا، میں اس وجہ سے نماز پڑھنے کے لئے نہیں جا سکا، جس کی وجہ سے اس نے نماز قضا کر دی، یا جماعت قضا کر دی، تو ایسا آدمی اللہ والا نہیں کہلاتا، کیونکہ

اس نے دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دے دی، نماز جو سراسر دین ہے، اور بلاشبہ فرض ہے، جماعت واجب ہے، فرض و واجب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے نماز، بعد میں کاروبار، پہلے نماز، بعد میں نوکری، پہلے نماز، بعد میں زراعت، یہ ہمارے دین وایمان کا تقاضا ہے، قرآن و حدیث کا یہ حکم ہے، اب اس میں ملازمت کا بہانہ کرنا یا کوئی اور حیلہ بہانہ کرنا درست نہیں ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں کہ اذان ہو جاتی ہے، اور برابر اپنی دوکان میں مشغول رہتے ہیں، نوکری کرنے والے نوکری کرتے رہتے ہیں، زمینداری کرنے والے زمینداری کرتے رہتے ہیں، اذان ہو جاتی ہے، مگر وہ نماز بھی قضا کر دیتے ہیں، اور جماعت بھی چھوڑ دیتے ہیں، یہ ہے دنیا کو دین کے مقابلے میں ترجیح دینا۔

داڑھی رکھنا واجب ہے

ایک اور مثال ذہن میں آ گئی، مثلاً ہر مسلمان عاقل، بالغ مرد پر ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے، تینوں طرف سے ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے، جیسے وتر کی نماز واجب ہے، فطرہ واجب ہے، ڈاڑھی رکھنا بھی واجب ہے، اور واجب کا چھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے فرض کا چھوڑنا، کیونکہ فرض اور واجب عمل کے اعتبار سے برابر ہیں، دلائل کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، فرض پکی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، اور واجب اس سے کم درجے کی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، لیکن عمل کے اعتبار سے واجب اور فرض برابر ہیں، واجب کے معاملے میں کسی کو اختیار نہیں کہ دل چاہے، تو واجب پر عمل کریں، اور دل چاہے، واجب پر عمل نہ کریں، ایسا کوئی اختیار نہیں ہے، جیسے نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، ایسے ہی واجب پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

طعنوں کی پروانہ کریں

اب کوئی آدمی اس لئے داڑھی نہیں رکھ رہا کہ لوگ مذاق اڑائیں گے، اور کہیں گے

کہ یہ تو ملاّ ہے، ملاّ، ملاّ کہیں گے، جس کی وجہ سے میری بے عزتی ہوگی، میری بے آبروئی ہوگی، تو جو اللہ والا اور نیک ہوگا، جو متقی اور پرہیزگار ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوگا، وہ لوگوں کے ان طعنوں کی ذرہ برابر پروانہیں کرے گا، اور سنت کے مطابق پوری ڈاڑھی رکھے گا، چاہے دنیا والے، اور چاہے اس کے خاندان اور برادری والے، اور چاہے اس کے یار، دوست احباب، اور چاہے اس کے آفس والے، اور فیکٹری والے، جہاں وہ ملازمت کرتا ہے، جہاں وہ کاروبار کرتا ہے، وہاں کے لوگ اس کو اچھا کہیں، یا برا کہیں، وہ ان کی کوئی پروانہیں کرے گا، وہ کہے گا کہ میرے اللہ پاک کا، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، اور جس چیز کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے دیں، وہ واجب ہوتا ہے، اور قرآن شریف میں اللہ پاک نے فرمایا ہے:
مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جس بات کا حکم دے دیں، اسے بجالاؤ، اور جس چیز سے تم کو منع کریں، اس سے باز آجاؤ، جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری بھی واجب ہے۔

عُرفی عزت کو اہمیت نہ دیں

اب دیکھو! یہاں ایک طرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اور ایک طرف ہے عزت و آبرو کا مسئلہ ہے کہ ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو وقتی طور پر اور ظاہری طور پر آبرو پر حرف آتا ہے، لوگ مذاق اڑائیں گے، لوگ کیا کیا کہیں گے، تو جو دنیادار ہوگا، اور جس کے دل میں اللہ بچائے! دین کی وقعت نہ ہوگی، یا کم ہوگی، وہ اپنی آبرو بچائے گا، اور اللہ بچائے! ڈاڑھی منڈائے گا، تاکہ لوگوں کی نظروں میں میری عزت کم نہ ہو، اور میرا ادب کم نہ ہو، اور لوگ مجھے لعن وطعن نہ کریں، اور ملاّ ملاّ کہہ کر مجھ کو ملامت نہ کریں۔

جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہوگا، اور ان کا احترام

ہوگا، اور ان کی وقعت ہوگی، وہ ان باتوں کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کرے گا، وہ کہے گا کہ ایک دفعہ نہیں، کوئی دو دفعہ بھی مجھے ملا کہے، اور چاہے کچھ بھی کہے، یہ تو میرے رب کا حکم ہے، اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، مجھے ہر حال میں اس کے مطابق عمل کرنا ہے، کوئی مجھے اچھا کہے یا برا کہے، کسی کی نظر میں میری عزت ہو، یا نہ ہو، مجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درکار ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح دے گا، وہ ہے دین کو ترجیح دینا، یہ ہے اس کے نیک ہونے کی علامت، یہ ہے اس کے اللہ والا ہونے کی نشانی۔

ہندوستان کا صوفی شاعر

ڈاڑھی کے سلسلے میں ایک قصہ یاد آیا، ہندوستان میں ایک شاعر گزرا ہے، اس کا لقب تھا صوفی، جو تخلص کہلاتا ہے، اور یہ اس زمانے کی بات ہے، جب ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی، اس لئے عام پڑھے لکھے لوگ بھی فارسی خوب اچھی طرح جانتے، پڑھتے اور سمجھتے تھے، اب تو فارسی کیا، اردو بھی ہماری سرکاری زبان نہیں ہے، اس لئے آج عام لوگوں کو نہ فارسی آتی ہے، نہ صحیح معنی میں اردو آتی ہے، اس زمانے میں چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی، اس لئے لوگ، فارسی خوب اچھی طرح جانتے تھے، تو ایک صوفی شاعر تھے، یہ بھی فارسی میں اپنا کلام کہتے تھے، فارسی زبان میں اشعار کہتے تھے، اور ان کا کلام صوفیانہ ہوتا تھا، ان کا لقب بھی صوفی اور واقعۃً کلام بھی صوفیانہ، تو اس زمانے میں ان کا کلام ایران پہنچ گیا۔

صوفی شاعر سے ملاقات کا شوق

ایران کے لوگوں کی تو مادری زبان ہی فارسی ہے، جب انہوں نے ہندوستان کے اس صوفی شاعر کا کلام پڑھا، تو وہ بڑے متاثر ہوئے، اور کہنے لگے کہ صوفی شاعر تو کوئی بڑا بزرگ اور اللہ والا معلوم ہوتا ہے، جب اس کا کلام اتنا اونچا ہے، تو وہ کتنا اونچا ہوگا یعنی کتنا نیک ہوگا؟

چنانچہ ایک شخص پر اس کے کلام کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے ایران سے صوفی شاعر کی ملاقات اور زیارت کا ارادہ کرلیا، اور ایران سے ہندوستان کا سفر کیا، اور سفر کرکے دہلی پہنچا، وہاں جاکر پوچھا کہ صوفی شاعر کون ہے؟ کہاں ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

لوگوں نے بتایا کہ بھئی! وہ دہلی میں نہیں رہتا، دہلی کے مضافات میں کسی گاؤں میں رہتا ہے، یہ پتہ پوچھتا پوچھتا گاؤں میں پہنچ گیا، گاؤں میں جاکر پوچھا کہ صوفی شاعر کا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں گھر ہے، اب یہ گھر پہنچا، جب دروازے پر دستک دی، تو گھر والوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایران سے آیا ہوں، اور صوفی شاعر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، کہا کہ وہ حجام کے پاس حجامت بنوانے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔

شاعر کی داڑھی منڈانے سے توبہ

وہ گھر سے بازار کی طرف گیا، وہاں حجام کی دوکان پر پہنچا، تو دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ وہ صوفی شاعر داڑھی منڈوا رہا ہے، یہ بے چارہ ایران سے عقیدت کا پہاڑ لے کر آیا تھا کہ وہ صوفی شاعر کتنا اونچا، کتنا نیک، کیسا بزرگ اور کیسا اللہ والا ہوگا! کیونکہ جب اس کا کلام اتنا عالی، تو وہ خود کتنا عالی شان ہوگا! یہاں بالکل ہی اس کے خلاف نظر آیا، تو اس نے یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ:

آغا ریش می تراشی

ارے جناب! آپ داڑھی منڈوا رہے ہو؟

صوفی شاعر کو معلوم نہیں تھا کہ کوئی میرا معتقد ایران سے آیا ہے، میری ملاقات کے لئے آیا ہے، اس لئے اس نے بے ساختگی کے ساتھ جواب دیا:

بلے ریش می تراشم دلِ کسے را نمی خراشم

ہاں! ہاں! میں اپنی داڑھی منڈوا رہا ہوں، کسی کا دل تو نہیں تراش رہا، کسی کا دل

تو نہیں چھیل رہا، اپنی داڑھی منڈوا رہا ہوں، کسی کا دل تو نہیں دکھا رہا، اس پر اس ایرانی نے کہا کہ ارے۔

دل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) می خراشی

ارے ظالم! تو کہہ رہا ہے کہ میں کسی کا دل نہیں چھیل رہا، تو داڑھی منڈا کر اپنے اس عمل سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچا رہا ہے، تیرے اس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پامال ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پامال ہو رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ رہی ہے، چونکہ آنے والا مخلص تھا، اس کی اس بات کا صوفی شاعر پر بہت ہی زیادہ اثر ہوا، اور اس نے بزبانِ حال یہ شعر پڑھا کہ ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی

مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

کہ آنے والے! اللہ تم کو جزائے خیر دے! تم نے میری آنکھیں کھول دیں، مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ میرے اس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پامال ہوگا، تم نے حقیقتِ حال بتا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا رشتہ جوڑ دیا، میں یہ گناہ کر کے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے توڑ رہا تھا، تم نے آ کر میرا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا، پھر اس نے اس سے توبہ کی، اور اس گناہ سے باز آیا۔

واقعۃً اگر کوئی مسلمان، جو خدانخواستہ غفلت میں یا نادانی میں یا غلطی سے اس گناہ میں مبتلا ہے، اگر وہ ذرا سوچے تو یہ بہت بڑی بات ہے، کہ داڑھی منڈانے کے اس عمل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت مٹ رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک حکم مٹ رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی کھلم کھلا نافرمانی ہو رہی ہے، بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ داڑھی رکھو، اور داڑھی رکھنا واجب ہے، اب ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اور ایک طرف دنیا کی طعن و تشنیع ہے، ملامت ہے اور لوگوں

کا برا بھلا کہنا ہے، اب نیک ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا کی طعن وتشنیع کی پروانہ کرے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی لاج رکھے بلکہ وہ اپنے آرام اور راحت کو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کردے گا۔

فجر کی نماز قضا کیوں ہوجاتی ہے؟

جیسے فجر کی نماز ہے کہ عام طور پر آج کل گرمیوں کی راتیں ہیں، اور چھوٹی راتیں ہیں، اور دیر سے سونے کا ویسے ہی رواج ہے، جو غلط ہے، تو دیر سے سونے کا رواج اور آج کل بجلی جانے کی بھی ایک تکلیف، تو دو چار گھنٹے رات کو بجلی غائب، جب بجلی غائب، تو اس میں عام طور پر نیند نہیں آتی، آدمی لیٹ کر، بیٹھ کر وقت گزارتا ہے، اس کے بعد جو سوتا ہے، تو گہری نیند آتی ہے، اور صبح صادق بھی جلدی ہوجاتی ہے، اور فجر کی اذان بھی جلدی ہوجاتی ہے، پانچ بج کر دس منٹ پر آج کل فجر کی جماعت ہورہی ہے، تو آدمی کم ازکم پونے پانچ بجے تو اٹھے، بہتر یہ ہے کہ ساڑھے چار بجے اٹھے، لیکن کون اٹھے گا؟ الا ماشاء اللّٰہ، چنانچہ ساڑھے چار بجے، پونے پانچ بجے اٹھنے والے بہت کم ہیں، عام طور پر فجر کی نماز قضا کرنے والے زیادہ ہیں، اور قضا نہ کرنے والے کم ہیں، کیونکہ آنکھ نہیں کھلتی، اور آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے جماعت اکثر کی نکل جاتی ہے۔

یہ علامت ہر مسجد میں جاکر آپ دیکھ لیں کہ عشاء کی نماز میں دس صفیں ہوں گی، فجر کی نماز میں ایک صف ہوگی، عشاء کی نماز میں پانچ صفیں ہوں گی، فجر کی نماز میں آدھی صف ہوگی، یہ ساڑھے چار صفیں کہاں گئیں؟ نو صفیں کہاں چلی گئیں؟ یہ بستر پر آرام کررہی ہیں، یہ بستر پر سورہی ہیں، اس لئے مسجد میں فجر کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے، بعض مساجد میں فجر کی نماز میں صرف امام اور موذن ہی ہوتے ہیں، پورے کا پورا محلہ سویا ہوا ہوتا ہے، بس! امام اور موذن اپنی نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں، وہ چونکہ ملازم ہیں، اس لئے ان کو اٹھ کر آنا ہی پڑتا ہے، لیکن نماز پڑھنے والے بہت کم ہوتے ہیں، اب یہاں

ایک طرف راحت ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، جو شخص نیک ہوگا، اور جو اللہ والا ہوگا، وہ اس راحت کو قربان کردے گا، اور وہ سویرے اٹھے گا، اور اٹھ کر فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرے گا، ہاں! کبھی عذر شرعی پیش آجائے، تو وہ الگ بات ہے۔

نماز تہجد کی توفیق

بلکہ عام طور پر جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، وہ تہجد گزار ہوتے ہیں، تہجد میں اٹھنے والے ہوتے ہیں، اور تہجد پڑھنے والوں کے بارے میں یہ فضیلت ہے کہ جب سب لوگ اولین و آخرین میدان قیامت میں جمع ہوجائیں گے، تو من جانب اللہ اعلان ہوگا کہ وہ لوگ کہاں ہیں، جن کے پہلو بستر سے الگ رہتے تھے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدة: آیت نمبر ١٦)

ترجمہ:

ان کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید (کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ تھوڑے سے آدمی کھڑے ہوں گے، کیونکہ تہجد پڑھنے والے دوسروں کے مقابلے میں واقعی ہر زمانے میں تھوڑے ہی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمادیں آمین، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں چلے جاؤ، پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا، سبحان اللہ! تو دیکھیں! یہ صبح کے وقت کا سونا انسان کی بہت پیاری چیز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ اٹھو! اور فجر کی نماز ادا کرو! تو جو نیک بندہ ہوگا، وہ اس

راحت کو قربان کرے گا، اور جو نیک نہیں ہوگا، وہ سوتا ہی رہے گا، وہ نماز اور جماعت کے مقابلے میں سونے کو ترجیح دے گا، تو ایسے آدمی نیک نہیں کہلاتے، اللہ والے نہیں کہلاتے، اس لئے حضرت نے فرمایا کہ دین کے مقابلے میں مال، راحت اور آبرو کی پروا نہ رکھتا ہو، یعنی دونوں چیزوں کے مقابلے کے وقت دین کو ترجیح دیتا ہو۔

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح نہ دینا

نمبر ۱۲، ایک علامت یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو۔ دو زندگیاں ہیں، ایک دنیا کی زندگی ہے، اور ایک آخرت کی زندگی ہے، دنیا کی زندگی وہ ہے جس میں ہم اور آپ اس وقت موجود ہیں، جہاں ہم لوگ رہ رہے ہیں، بس رہے ہیں، یہ دنیا کی زندگی کہلاتی ہے، آخرت کی زندگی اس دنیا کی زندگی کے بعد آئے گی، جس کی پہلی منزل قبر ہے، جس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں، اور قیامت تک عالم برزخ میں رہنا ہوگا، وہاں نیک لوگوں کے لئے ثواب ہے، آرام و راحت ہے، گنہگار لوگوں کے لئے عذاب اور تکلیف ہے، پھر عالمِ قیامت ہے، جو انتہائی خوفناک عالم ہے، وہاں حساب و کتاب ہے، حساب و کتاب کے نتیجے میں فیصلہ ہوگا کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی ہے؟ اور پل صراط پر سے گزرنا بھی ایک بہت سنگین مسئلہ ہوگا، اس سے گزر کر جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، جہنمی اسی پل سے کٹ کر نیچے گر جائیں گے، اور دوزخ میں چلے جائیں گے، اللہ بچائے! جو جنت میں جائے گا، وہ کامیاب اور ہمیشہ راحتوں میں رہے گا، اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی، بلکہ جو تکلیفیں پہنچی ہوں گی، وہ ساری بھول جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، اور اللہ بچائے! اللہ بچائے! جو جہنم میں چلا گیا، تو جہنم کے برابر کوئی عذاب اور کوئی تکلیف دہ چیز نہیں، اس سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں، جو ذرا سی دیر کے لئے دوزخ میں چلا گیا، وہ ہمیشہ کی راحتوں کو پل بھر میں بھول جائے گا۔

بالفرض کوئی آدمی دنیا میں ہمیشہ راحتوں، عزتوں، عافیتوں اور سلامتیوں اور مسرتوں،

خوشیوں میں رہا ہو، کبھی اس نے کوئی غم نہ دیکھا ہو، کبھی اس نے کوئی صدمہ نہ دیکھا ہو، کبھی اسے کوئی بیماری لاحق نہ ہوئی ہو، اور ذرا سی دیر کے لئے خدانخواستہ دوزخ میں چلا جائے، تو ایسا محسوس ہوگا کہ میں نے زندگی میں کبھی راحت نہیں دیکھی، زندگی میں مجھے کبھی خوشی حاصل نہیں ہوئی، یہ ہے آخرت کی زندگی، اور آخرت کی راحت، اور آخرت کی عزت، اور آخرت کا سکون، اور یہ اس دنیا کی زندگی میں دین پر چلنے کی برکت سے حاصل ہوگا۔

گناہوں سے بچنے کی ضرورت

جو دنیا میں اپنی آخرت بنانے اور اپنی عاقبت سنوارنے میں مصروف رہے گا، اور اس دنیا میں رہ کر گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے گا، نیک کاموں میں مشغول رہے گا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اختیار کرے گا، وہ آخرت میں کامیاب ہوگا، اور جو یہاں آزادانہ زندگی گزارے گا، جیسے دل چاہتا ہے، ویسے کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پروا نہیں کرتا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ کیا حکم نہیں ہے؟ بس! جو من میں آتا ہے، وہ کرتا ہے، تو اس کی آخرت کی زندگی برباد ہو جائے گی، تو حضرت تھانویؒ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ دو زندگیاں ہیں، لہٰذا جو نیک آدمی ہوگا، وہ آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی کے مقابلے میں ترجیح دے گا، یعنی دنیا میں رہے گا، اور وہ کام کرے گا، جس سے آخرت بنے، آخرت درست ہو، اور وہ سنورے، اور ایسے کاموں سے دور رہے گا، جس سے آخرت بگڑے، خراب ہو، اور آخرت میں وہ ناکام اور نامراد ہو جائے، کھانے میں، پینے میں اور پہننے میں، رہنے سہنے میں، کاروبار کرنے میں، ملازمت کرنے میں، شادی بیاہ کرنے میں، موت و میت میں، ہر جگہ وہ اپنی آخرت کو دیکھے گا کہ اس کام کو میں اگر کر رہا ہوں، تو اس سے میری آخرت سدھرتی ہے، یا بگڑتی ہے، سدھرتی ہے، تو کرتا ہے، بگڑتی ہے، تو نہیں کرتا، یہ ہے آخرت کو ترجیح دینا، اور جو اس کی پروا نہ کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، آخرت کے مقابلے میں، یعنی

آخرت کو اس نے فراموش کر دیا۔

فکرِ آخرت رکھنے والے کا حال

دنیا کی زندگی سنوارنے کے لئے جو دل میں آ رہا ہے، وہ کر رہا ہے، جو دل چاہ رہا ہے، وہ کر رہا ہے، لہٰذا جو دنیا کی زندگی کو ترجیح دے آخرت کی زندگی پر، وہ نیک نہیں ہو سکتا، وہ اللہ والا نہیں ہو سکتا، وہ متقی پرہیز گار نہیں ہو سکتا، ہاں! جو دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے گا، وہ اللہ والا ہو گا، وہ نیک ہو گا، کیونکہ وہ خود بھی آخرت کی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہے، اس لئے اس کے پاس بیٹھنے سے فائدہ ہو گا، جو اس کے پاس بیٹھے گا، اس کے اندر بھی یہ فکر منتقل ہو گی، وہ بھی حلال کا خیال کرے گا، حرام سے بچے گا، جائز کو اختیار کرے گا، ناجائز سے بچے گا، گناہوں سے دور رہے گا، نیک کاموں کو اختیار کرے گا، اس طرح سے اس کو بھی اس دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر نصیب ہو جائے گی، اور اس کا حال اس شعر کا مصداق ہو گا، ان شاء اللہ ؎

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک تیرا غم ہے تیرے ناساز کو

؎
ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرّہ غم اگر ہاتھ آئے

؎
خون کی موجیں گزر جائیں نہ کیوں
آستانہ میں نہ چھوڑوں گا مگر

؎
آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے

یہ ہے آخرت کو ترجیح دینا، اور یہ ہے اپنی اصلاح کی فکر کرنا۔

صبر اور شکر کرنے کی عادت بنانا

علامت نمبر ۱۳ یہ ہے کہ ہر حال میں صبر و شکر کرتا ہو، دراصل کوئی بندہ دو حال سے خالی نہیں ہے، چاہے وہ نیک ہو، چاہے وہ برا ہو، پڑھا لکھا ہو، یا اَن پڑھ ہو، مالدار ہو، یا غریب ہو، صاحبِ منصب ہو، یا بے عہدہ اور بے منصب ہو، کسی شخص کا بھی حال دو باتوں سے خالی نہیں ہے، یا وہ حال اس کے حسبِ منشاء ہوگا، یا اس کی مرضی کے خلاف ہوگا، صبح سے لے کر شام تک ہر آدمی کے ساتھ یہی ہوتا رہتا ہے، قدم قدم پر دو باتیں پیش آتی رہتی ہیں، یا صورتحال اپنی مرضی کے مطابق ہے، یا اپنی مرضی کے خلاف ہے، اگر اپنی مرضی کے مطابق ہے، تو بھئی! شکر واجب ہے کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے، ہماری مرضی کے مطابق کھانے کو مل گیا ہے، پینے کو مل گیا ہے، پہننے کو مل گیا، رہنے کو جگہ مل گئی، کپڑے مل گئے، کام ہوگیا، اپنی مرضی کے مطابق ہوگیا۔

مرضی کے ہر کام ہونے کے وقت الحمد للّٰہ، الحمد للّٰہ، الحمد للّٰہ کہتے رہیں، یا مرضی کے خلاف ہوگا، منشاء کے خلاف ہوگا، جب مرضی کے خلاف ہوگا، اس سے تکلیف ہوگی، صدمہ ہوگا، رنج ہوگا، پریشانی ہوگی، تو اس وقت صبر کرنا واجب ہے، اگر ایسی صورت حال سامنے آئے، تو انا للّٰہ کہے، چاہے چھوٹی سے چھوٹی تکلیف ہو، اس پر بھی انا للّٰہ کہے، یہ ادب ہے، اور پھر یہ سمجھے کہ میرے لئے یہی مقدر تھا، اس میں میرے لئے خیر ہے، اسی کا نام صبر ہے، صبر کرے، اور اس کے بعد پھر اس تکلیف کے دور ہونے کے لئے جو جائز تدبیر ہوسکتی ہے، وہ کرے، اور دعا کرے، جب دور ہوجائے، تو اللہ کا شکر ادا کرے، نہ دور ہو، تو صبر ہی کرتا رہے۔

نیک بندوں کا عجیب حال

جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان کا حال یہی رہتا ہے، نعمت ملنے پر شکر ادا کرتے

رہتے ہیں، تکلیف ہونے پر صبر کرتے رہتے ہیں، اور جو نیک نہیں ہوتے، ان سے صبر کے موقع پر صبر نہیں ہوتا، بے صبری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور جب نعمت ملتی ہے، شکر کا موقع آتا ہے، تو اس سے شکر نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی عادت نہیں ہے، جب عادت نہیں ہے، تو خود بخود کچھ بھی نہیں ہوتا، کرنے سے ہوتا ہے، صبر کرنے سے صبر کرنا آتا ہے، شکر کرنے سے شکر کرنا آتا ہے، صبر کے موقع پر صبر نہیں ہو رہا، شکر کے موقع پر شکر نہیں ہو رہا، تو خود بخود صبر و شکر کیسے ہوگا؟ نتیجہ یہ کہ موقع بہ موقع ان سے بے صبری کا صدور ہوتا رہتا ہے، ناشکری کا صدور ہوتا رہتا ہے، لہٰذا ایسا آدمی فرمانبردار نہیں ہے، ایسا آدمی تابعدار نہیں ہے، ایسا آدمی نیک کہلانے کے لائق نہیں ہے، جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، وہ بڑے صابر و شاکر ہوتے ہیں، غرض کہ جو بندہ صبر و شکر کا عادی ہوگا، یہ اس کے نیک اور اللہ والا ہونے کی علامت ہوگی۔

یہ تیرہ (۱۳) اوصاف اور نشانیاں حضرتؒ نے بیان فرمائی ہیں کہ جس بندے میں یہ تیرہ اوصاف پائے جائیں گے، وہ نیک صحبت اختیار کرنے کے قابل ہوگا۔

معتبر شیخ اور پیر کی پہچان

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں، اس کی صحبت اکسیر ہے، یعنی بہت ہی نافع اور مفید ہے، شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نیک بندے کی تیرہ (۱۳) علامتیں بیان فرمائی ہیں کہ ان علامتوں سے کسی کے نیک ہونے کو اگر ہم پہچاننا چاہیں، تو پہچان سکتے ہیں، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس سے بھی ایک آسان صورت ارشاد فرمائی ہے، کیونکہ یہ ساری تیرہ کی تیرہ علامتیں کسی کے اندر تلاش کرنا، ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے، اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی صحبت میں بیٹھنا ہو، یا جس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرنا ہو، یا جس سے اپنے ظاہر و باطن کا تزکیہ کروانا ہو، تو اس زمانے کے جو نیک علماء اور بزرگانِ دین ہیں، ان سے اس کے

بارے میں دریافت کرو، اگر وہ تصدیق کریں کہ ہاں بھئی! یہ اللہ والے ہیں، نیک ہیں، بزرگ ہیں، اور اس کی صحبت میں بیٹھنے سے اصلاح ہو سکتی ہے، تو پھر اس کی خدمت وصحبت کو اختیار کرلیں، اور اگر وہ منع کردیں، تو اس کے پاس جانے سے احتیاط کریں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر فن کے ماہرین اپنے زمانے کے ماہرین کو جانتے ہیں،

ڈاکٹری کی لائن میں بھی آپ کسی ڈاکٹر سے مشورہ کریں گے، تو وہ اپنے سے جو ماہر ڈاکٹر ہیں، ان کے بارے میں بتائے گا کہ یہ اچھے ڈاکٹر ہیں، یہ اچھے نہیں ہیں، یہ ماہر ہیں، یہ ماہر نہیں، یہ تجرکار ہے، یہ غیر تجربہ کار ہے، انجینئر کو تلاش کرنا ہے، تو اس کے ماہرین سے رجوع کریں گے، وہ آپ کی رہنمائی کردیں گے، ایسے ہی اس لائن میں بھی یہی بات ہے کہ جو نیک اور بزرگ لوگ ہیں، وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں، اور پہچانتے ہیں، اور پھر جان پہچان کی وجہ سے وہ بتا سکتے ہیں کہ بھئی! کون کیسا ہے؟ جو صحیح ہو اور درست ہو، متبعِ سنت ہو، متبعِ شریعت ہو، اللہ والا ہو، اگر وہ مشورہ دیں گے کہ ہاں بھئی! یہ ٹھیک ہے، تو ان کی خدمت وصحبت میں رہو، ان کی خدمت وصحبت اختیار کرو، اور اگر منع کردیں، تو اس سے پرہیز کرو۔

مناسبت معلوم کرنے کا طریقہ

اگر وہ کئی بزرگ بتلادیں کہ یہ بھی بزرگ ہے، یہ بھی بزرگ ہے، اور وہ سب کے بارے میں کہیں کہ یہ سب ٹھیک ٹھاک ہیں، سب اپنی جگہ پر درست ہیں، ان کی خدمت وصحبت میں آپ رہ سکتے ہیں، تو پھر اس میں طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک سے خط وکتابت کرکے دیکھیں، اور اگر ہر ایک کی مجلس میں اور صحبت میں بیٹھنے کا موقع ہو، تو ہر ایک کی صحبت اور مجلس میں کچھ دن جاکر بیٹھیں، کچھ دن یہاں، کچھ دن وہاں، جس کی مجلس میں اور جس کی صحبت میں جانے سے دل دنیا سے ہٹنے لگے، اور نیک کام کرنے کی طرف دل جھکنے لگے، اور مائل ہونے لگے، تو جس کی صحبت میں یہ اثر زیادہ ہو، بس! اس کو اختیار کرلیں، اور اگر صحبت میں

جانا مشکل ہو، تو پھر خط و کتابت کر کے دیکھیں، ایک ہی حال سب کے پاس لکھیں، اور سب کے پاس لکھنے کے بعد وہاں سے ہر ایک کا جواب آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، جس کے جواب سے دل زیادہ مطمئن ہو، اور جس کا جواب دل کو زیادہ لگے، سمجھ لو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو اسی سے مناسبت ہے، پھر انہی کی طرف یکسو ہو جائے، اور یکسو ہو کر انہی سے خط و کتابت کرتا رہے۔

کسی ایک شیخ سے تعلق رکھیں

اور جب کبھی ان کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے کا موقع ملے، تو انہی کے پاس جائے، اوروں کے پاس نہ جائے، کیونکہ جیسے جسمانی امراض کا علاج اصولاً ایک ہی ڈاکٹر سے ہوتا ہے، کئی ڈاکٹروں سے بیک وقت نہیں ہوسکتا، ایسے ہی روحانی علاج بھی اور باطن کا تزکیہ بھی بیک وقت کئی بزرگوں سے ایک وقت میں نہیں ہوسکتا، ایک ہی سے ہوگا، اس لئے ایک ہی کی طرف رجوع رہے، اس کے بعد پھر جب اس سے مناسبت محسوس ہو، اس سے فائدہ محسوس ہو، اس کی خدمت میں بیٹھنے سے دنیا سے دل ہٹتا ہو، آخرت کی طرف دل لگتا ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں محسوس ہوتی ہو تو اس کی خدمت اور صحبت کو نعمت سمجھے اور اختیار کرے، تاہم دوسرے بزرگوں کو بھی اللہ والا سمجھے، ان سے بھی ادب واحترام کے ساتھ ملتا رہے، دعا کے لئے ان سے بھی درخواست کرتا رہے،

لیکن اصل تعلق ایک ہی سے رکھے، اور اس کے بارے میں اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ میرے حق میں اس دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہے، یہ اپنے دل میں رکھے، تاکہ توجہ ایک ہی طرف رہے، اور یکسوئی پوری طرح حاصل رہے، اسی سے فائدہ ہوتا ہے، ورنہ آدمی سوچتا ہے کہ چلو! وہاں جا کر دیکھیں، کیا ہوتا ہے؟ ان کے یہاں دیکھو کیا ہوتا ہے؟ تو اس طرح وہ کہیں کا بھی نہیں رہے گا، کیونکہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا نہ اِدھر کا، نہ اُدھر کا، ایسے ہی یہ بھی نہ اِدھر کا، نہ اُدھر کا، تو اس کو کہیں سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔

مجلس کا خلاصہ

بہر حال! حضرتؒ نے آخر میں تلاشِ شیخ کا یہ آسان طریقہ بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ان باتوں (یعنی وہ تیرہ علامتیں، جو اوپر بیان ہوئی ہیں،) ان کی پہچان نہ ہوسکے، اس کے لئے شیخ کے تلاش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے زمانے کے نیک لوگ جس بزرگ کو اچھا کہتے ہوں، ان کی مجلس میں چند بار حاضری دی جائے، ان کے پاس بیٹھنے سے اگر بُری باتوں سے دل ہٹنے لگے، نیک باتوں کی طرف دل مائل ہونے لگے، تو ایسے اللہ والے کو اچھا سمجھ کر ان کی صحبت اختیار کی جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

تدبیر اور تقویٰ کی اہمیت

(۶)

شرح روح ہفتم

بیان نمبر (۵۷)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۳۱ جون ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہٗ فلا ھادِیَ لہٗ وأشھد أن لَّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝

(التوبۃ: آیت نمبر ۱۱۹)

صدق اللّٰہ العظیم

میرے قابلِ احترام بزرگو!

''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح کا بیان چل رہا ہے، جس میں حکیم الامت، مجدد الملّت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیک صحبت اختیار کرنے کی اہمیت، عظمت اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اور یہ کہ ہم کس کی صحبت میں بیٹھیں، اور اس کی کیا کیا علامات ہیں؟ آج اس روح ہفتم میں سے یہ حصہ پڑھا جائے گا، اور اس کی تشریح وتوضیح ان

شاء اللہ تعالیٰ ہوگی،

پہلے یہ بیان ہوگا کہ قرآن وحدیث میں نیک صحبت اختیار کرنے اور بری صحبت سے پرہیز کرنے کے بارے میں کیا آیا ہے؟ کیونکہ اس کتاب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی باتیں بیان فرمائی ہیں، وہ قرآن وحدیث کے حوالے سے بیان فرمائی ہیں، اسی لئے وہ سب معتبر، درست اور صحیح ہیں، اور ان پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ ہماری مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں کا ازالہ ہوگا، سکون، چین، آرام، راحت نصیب ہوگی، اس لئے ان باتوں پر بلا تردد اور بلا تاخیر عمل کرنا چاہئے، تاکہ ان کا جو مقصد ہے، وہ ہمیں حاصل ہو جائے۔

نیک صحبت کو اختیار کرنے کا حکم

جو آیت میں نے ابھی تلاوت کی تھی، اسی کا ترجمہ حضرت نے سب سے پہلے آیات واحادیث کے شروع میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

”آئندہ نیک صحبت کی ترغیب اور بری صحبت کی مذمت میں آیات واحادیث مبارکہ لکھی جاتی ہیں“،

پھر فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور جو لوگ دین کے سچے اور سچے ہیں، ان کے ساتھ رہو۔

یہ ترجمہ ہے اس آیت کا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھی، کہ:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(التوبۃ: آیت نمبر ۱۱۹)

اس آیت مبارکہ میں جو سچے اور دیندار لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا ہے، اس میں دو باتیں آگئی ہیں: (۱) نیک صحبت اختیار کرنا، (۲) نیک لوگوں کے راستے پر چلنا، یعنی اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، جن کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، نمبر ایک، نیک

لوگوں کی صحبت میں رہنا، نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا، ان سے ملتے جلتے رہنا، ہمیں یہ کام کرنا چاہئے، اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، نیک صحبت میں بیٹھنے کے جو بڑے بڑے فائدے ہیں، وہ نیک صحبت اختیار کرنے ہی سے حاصل ہوں گے، بغیر اس کے حاصل نہیں ہوں گے۔

اچھی باتوں کا اثر اور عمل

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی نیک صحبت میں آدمی بیٹھے، اللہ تعالیٰ کے کسی نیک اور اللہ والے کی خدمت وصحبت میں رہے، تو خالی بیٹھنے اور رہنے پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ ان کے اندر جو اچھی اچھی باتیں دیکھے، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے، یا جو اچھی اچھی باتیں وہ ارشاد فرمائیں، بیان فرمائیں، چاہے وعظ کی شکل میں ہوں، یا ویسے ہی اجتماعی شکل وصورت میں، یا انفرادی طور پر کوئی بات کہیں، کوئی دین کی بات بیان کریں، کسی دین کی بات کو اختیار کرنے کے لئے فرمائیں، تو اس کو قبول کرنا چاہئے، اور عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، نیک صحبت میں بیٹھنے سے جو خود بخود نیک صحبت کا اثر ہوتا ہے، وہ اپنی جگہ مسلّم ہے، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگا، لیکن اصلی فائدہ اور زیادہ فائدہ اس وقت ہوگا، جب ہم ان میں جو اچھے اچھے اخلاق، اچھی اچھی باتیں، اچھے اچھے اعمال دیکھیں، ان کو دیکھ کر خود بھی اختیار کریں، اور جو باتیں وہ بیان کریں، ان کو سن کر ان پر عمل کریں، اصل فائدہ جب ہوگا۔

کسی نیک صحبت میں بیٹھنے کا ایک مرحلہ یہ بھی ہے کہ جس بزرگ سے قلبی مناسبت ہو، ان کے ساتھ آدمی کا مزاج ومذاق ملتا ہو، ان کی باتوں سے دل مطمئن ہوتا ہو، تو اپنا اچھا برا حال بھی ان کو بیان کردے، اور اس پر جو کچھ وہ مشورہ دیں، پھر اس پر عمل بھی کرے۔

دو باتوں کے بغیر اصلاح نہیں ہوتی

عام طور پر ان دو باتوں سے آدمی کا تزکیہ ہوتا ہے، ظاہر وباطن درست ہوتا ہے، اس کا باطن اچھے اخلاق واعمال سے مزین ہوتا ہے، اس کی بداخلاقیاں دور ہوتی ہیں، ظاہر کے

بھی جو اعمال ناجائز اور خلاف شرع ہیں، وہ دور ہوتے ہیں، یہ انہی دو باتوں سے ہوتے ہیں، ایک اخلاص کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کے پاس بیٹھنا، اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا، دوسرے اپنے عیوب اور اپنی خرابیاں، اپنی کوتاہیاں، اور اپنی خامیاں اور اپنی کمزوریاں ان کے سامنے بیان کرنا، اور بیان کر کے ان سے مشورہ کرنا، اور پھر جو کچھ مشورہ دیں، ان پر عمل کرنا، اصل اصلاح اسی سے ہوتی ہے، بعض لوگ بیان میں بیٹھنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس کے فائدے سے انکار بھی نہیں ہے، بلاشبہ یہ مفید ہے، لیکن کسی بزرگ سے ان کا خصوصی تعلق نہیں ہوتا کہ مجلس اور بیان کے علاوہ بھی ان کا تعلق ہو، اور وہ اپنا اچھا برا حال بتا کر ان سے اس بارے میں مشورہ کرتے ہوں، بعض لوگ ایسے نہیں ہوتے، تو ان کو آدھا فائدہ ہوگا، آدھا فائدہ نہیں ہوگا، نامکمل فائدہ ہوگا، مکمل فائدہ نہیں ہوگا۔

مکمل فائدے سے مراد یہ ہے کہ ظاہر بھی درست ہو جائے، باطن بھی درست ہو جائے، اچھے اچھے اخلاق باطن میں پیدا ہو جائیں، بداخلاقیاں دور ہو جائیں، جس کو تزکیۂ نفس کہتے ہیں، یہ پوری طرح حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ نیک صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اور نیک صحبت میں رہ کر ان کی اچھی اچھی باتوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اور جس طرح وہ خود گناہوں سے، خلاف شرع باتوں سے بچتے ہیں، خود بھی بچنے کے اہتمام کے ساتھ ان سے اپنا خصوصی تعلق بھی قائم کرے، اور قائم کر کے خط و کتابت کے ذریعے اپنے حالات سے ان کو باخبر کرتا رہے، اور جو کچھ اس پر ان کی طرف سے ہدایت ملے، اس پر عمل کرتا رہے، اس طرح سے اگر کوئی نیک صحبت اختیار کرے گا، تو اس کا صحیح معنی میں فائدہ ہوگا، اور مکمل فائدہ ہوگا، اخلاق سنوریں گے، اعمال سُدھریں گے، زندگی شریعت کے مطابق ہوگی، اور دین کی راہوں پر چلنا آسان ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بری مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت

اس کے بعد ایک آیت کا ترجمہ نقل فرماتے ہیں، جس کا عنوان ہے کہ برے لوگوں کی

مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے، جو ہماری آیات اور احکام میں عیب جوئی کر رہے ہیں، عیب نکال رہے ہیں، اعتراض کر رہے ہیں، تو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کنارہ کش ہو جا، ان سے الگ ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، کسی اور کام میں لگ جائیں، بہر حال! تم ان سے بچو، پرہیز کرو، اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے، اور غلطی سے آدمی ایسے غلط قسم کے لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ جائے، یا ایسے لوگوں کی صحبت میں شریک ہو جائے، تو جب یاد آئے، یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ، بلکہ فوراً اٹھ جا وہاں سے، اور اس سے ایک آیت کے بعد ارشاد ہے، اور صرف آیات کو جھٹلانے والوں کی تخصیص نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہو، جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے۔

یہ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۶۸ اور ۷۰ کا ترجمہ ہے، اس پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مطلقاً برے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

دھیان آتے ہی فوراً اٹھ جائیں

ہر قسم کے گناہ کی مجلس سے اجتناب کرنا ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے، یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بری صحبت سے بچے، اپنے آپ کو بچائے، جان بوجھ کر ایسی مجلس میں ہرگز شریک نہ ہو، اس سے اپنے آپ کو دور ہی رکھیں، لیکن اگر غلطی سے شریک بھی ہو جائیں، اور ایسے لوگوں کے پاس بیٹھ جائیں، اور ان سے بات چیت شروع کر دیں، تو جب یاد آئے کہ ہائے! ہم یہاں کیسے آ گئے؟ ان لوگوں سے تو بچنے کی ضرورت تھی، ان کے پاس جا کر بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی، تو فوراً ان سے کنارہ کش ہو جائیں، اور ان کی بری صحبت سے اپنے آپ کو بچائیں، اٹھ کر چلے جائیں، چاہے وہ اچھ

سمجھیں یا برا سمجھیں، چاہیں وہ ایسا کرنے کی وجہ سے ناراض ہوں، یا خفا ہوں، اس کی پرواہ نہ کریں، **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں، ان کی صحبت سے بچنا ضروری ہے، اور ان کے پاس جانے، اٹھنے، بیٹھنے کی ممانعت ہے، جب ممانعت ہے، تو ہمیں اس ممانعت کو اختیار کرتے ہوئے بچنا چاہئے، یہ نہیں کہ ان کے لحاظ کی وجہ سے خود بھی وہاں بیٹھے رہیں، اور مزید اپنا دینی نقصان کرتے رہیں، ایسا ہرگز نہ کریں، تو بھئی! یہ پرہیز ہے، یعنی اگر ہم چاہتے ہیں کہ نیک صحبت سے ہمیں زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو، تو نیک صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اور نیک صحبت کے سلسلے میں جو دو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں، ان کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی برے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کرے۔

بُرے لوگ کون ہیں؟

اب برے لوگ میں پہلے نمبر کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ ہیں، سب سے زیادہ تو نقصان دہ ان کی صحبت ہے، کیونکہ اللہ بچائے! وہ کافر ہیں، اور کفر کی نحوست میں ڈوبے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے، یاری دوستی کرنے سے، کفر کے اثرات آنے شروع ہوں گے، یہ سب سے بڑا نقصان اور سب سے زیادہ سخت زہر ہے، جو ایک مؤمن کے لئے سخت نقصان دہ ہے،

دوسرے نمبر وہ پر وہ لوگ ہیں، جو ہیں تو مسلمان، لیکن ان کا دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ حج، نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ دین پر چلتے ہیں، حلال حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے، جائز، ناجائز کی کوئی پروا نہیں ہے، ہر قسم کے گناہوں کے اندر مبتلا رہتے ہیں، ناجائز، خلافِ شرع کاموں کے اندر مبتلا رہتے ہیں، تو ایسے لوگ فاسق و فاجر کہلاتے ہیں، اور ایسے لوگوں کے پاس اٹھنا، بیٹھنا بھی نقصان دہ ہے، اور ان کے پاس بیٹھنے سے جس طرح ان کی طبیعت میں آزادی ہے، دین سے دوری ہے، خدا کا خوف نہیں ہے،

آخرت کی فکر نہیں ہے، بس! دنیا کے اندر منہمک ہیں، کھانے پینے میں لگے ہوئے ہیں، دین کو ایک کھیل بنایا ہوا ہے۔

ان سے بھی دور رہنا ضروری ہے، جب ان سے ملنا ہو، ان کے یہاں آنا جانا ہو، تو بقدر ضرورت آدمی آئے جائے اور ان سے ملے چلے، لیکن وہ دوستی کرنے کے قابل نہیں ہیں، خصوصی تعلق قائم کرنے کے لائق نہیں ہیں، اور اس لائق نہیں ہیں کہ آدمی ان کے پاس رہے، اور ان کے پاس اٹھے بیٹھے، ان سے اپنا میل جول رکھے، وہاں بیٹھے گا، تو وہاں بیٹھنے سے بھی جیسے ان کی طبیعت کے اندر دین سے دوری پائی جاتی ہے، وہی اثرات پاس بیٹھنے والے کے اندر آئیں گے، نمازوں میں سستی آئے گی، معمولات کی پابندی نہیں ہو سکے گی، رجوع الی اللہ کی توفیق نہیں ہوگی، غفلت دل و دماغ میں چھا جائے گی، اور دھیرے دھیرے ان کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے یہ بھی دین سے دور ہوتا چلا جائے گا، جس طرح جسمانی بیماری کے علاج میں دو باتیں ضروری ہیں، ایک دوا، اور ایک پرہیز، اسی طرح نیک بننے کے لئے ضروری ہے کہ نیک صحبت اختیار کریں، یہ دوا ہے، اور پرہیز یہ ہے کہ برے لوگوں کی صحبت سے بچیں۔

لہٰذا نیک صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ بری صحبت سے اپنے آپ کو بچانے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

گمراہ لوگوں کی کتابیں نہ پڑھیں

بری صحبت میں یہ بھی داخل ہے کہ ایسے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں، ان کے مضامین، ان کے کالم اور ان کی تحریریں پڑھنے سے بھی آدمی پرہیز کرے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بولنے میں اثر رکھا ہے، اچھی باتیں کرنے میں اچھا اثر رکھا ہے، بری باتیں کرنے میں برا اثر رکھا ہے، اس سے برا اثر ہوتا ہے، ایسے ہی تحریر کا بھی یہی حال ہے کہ اگر لکھنے والا نیک آدمی ہے، اللہ والا ہے، متقی ہے، پرہیزگار ہے، نیک آدمی ہے، تو اس کی کتابوں

میں، اس کے تحریری بیانات میں اور اس کے عام کتابچوں کے پڑھنے میں بھی نیکی کا اثر ہوتا ہے، کیونکہ تحریر اس کے کلام کے قائم مقام ہے،

اسی طرح برے آدمی کی جس طرح باتوں کے اندر برا اثر ہوتا ہے، جو پاس بیٹھنے والے کی طرف منتقل ہوتا ہے، ایسے ہی اس کے کلام کے قائم مقام اس کی تحریریں ہیں، لہٰذا اس کے مضامین وغیرہ پڑھنے سے بھی برا اثر ہوتا ہے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ جو بالکل، ماشاء اللہ! ٹھیک ٹھاک تھے، دین حق پر قائم تھے، لیکن باطل لوگوں، گمراہ لوگوں، بے دین لوگوں کے مضامین اور ان کے رسائل اور ان کی کتابیں پڑھنے سے وہ بھی گمراہ ہو گئے، اس لئے ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کی کتابیں نہیں پڑھنی چاہئیں، ورنہ آدمی کے ذہن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں، اور شکوک وشبہات پیدا ہو جانا، بہت بڑا نقصان ہے، پہلے آدمی دین کے معاملے میں پوری طرح مطمئن تھا، اس کو کوئی شک اور تردد نہیں تھا، اب ایسے لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے، یا ان کی کتابیں پڑھنے کی وجہ سے اس کے اندر بھی شک وشبہ پیدا ہو گیا، کیونکہ ایسے لوگ دین پر اعتراضات بھی کرتے ہیں، اور شکوک وشبہات نکالتے رہتے ہیں، اور پھر بعض مرتبہ اس سے بڑا نقصان ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ آدمی انہیں جیسا ہو جاتا ہے، انہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، اللہ بچائے! یہ سراسر گمراہی اور فسق و فجور ہے، بے دینی ہے، کتنا بڑا نقصان ہو گیا! لہٰذا نیک صحبت کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بری صحبت سے بچنا ضروری ہے۔

سب سے اچھا شخص کون ہے؟

اس کے بعد عنوان ہے سب سے اچھا شخص کون ہے؟ اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجلس میں بیٹھنے کے لئے سب سے بہتر کون شخص ہے؟ تاکہ اس کی مجلس میں بیٹھا کریں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو، جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے، سبحان اللہ! اس کی گفتگو تمہارے لئے علمی فائدہ پہنچائے، اور اس کا عمل تم کو آخرت یاد دلائے، حضرت فرماتے ہیں کہ اوپر جو اللہ والوں کی صفات مذکور ہوئیں، یعنی اللہ والوں کی جو تیرہ (۱۳) علامتیں بیان ہوئی تھیں، ان میں سے بعض اس حدیث میں مذکور ہیں، یعنی نیک صحبت کس کی اختیار کریں؟

دیکھ کر خدا کی یاد آئے

پھر فرمایا کہ اس حدیث میں ہے کہ جس میں تین باتیں پائی جائیں، نمبر ایک، جب اس کو دیکھیں، تو خدا یاد آئے، حدیث شریف میں اس کے لئے یہ الفاظ ہیں:

اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ.

کہ جن کو دیکھا جائے، تو خدا یاد آئے، جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں، چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں، تو ان کے اٹھنے بیٹھنے سے، چلنے پھرنے سے، بولنے چالنے سے بھی آخرت یاد آتی ہے، اللہ تعالیٰ یاد آتے ہیں، کہ ان کی شکل ہی اللہ پاک ایسی بنا دیتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے، پھر ان کی باتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذکر ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذکر ہوتا ہے، دین پر چلنے کا ذکر ہوتا ہے، گناہوں سے بچنے کے اہتمام کی باتیں ہوتی ہیں، تو یہ باتیں بھی اس کو اللہ تعالیٰ یاد دلاتی ہیں، ان باتوں سے بھی اللہ تعالیٰ یاد آتے ہیں، تو اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ اللہ والوں کی علامت یہ ہے کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آئے، اللہ والوں کے بارے میں ایک شعر ہے کہ اللہ والوں کا ذکر کیوں جاتا ہے؟ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں اس لئے وہ بھی قابلِ ذکر ہوگئے، وہ شعر یہ ہے:

ذکر اتنا کیا تیرا ہم نے
قابلِ ذکر ہوگئے ہم بھی

مطلب یہ ہے کہ اللہ والے اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرتے ہیں، اتنا ذکر کرتے ہیں کہ پھر ان کا بھی ذکر شروع ہوجاتا ہے، بزرگوں کے واقعات، ان کی باتیں، اور ان کے اشعار، ان کی نصیحتیں لوگ سنتے ہیں، سناتے ہیں، پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دینی باتوں کی معلومات

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے جو علمی باتیں اور دینی باتیں وہ کرتے ہیں، اور سنتے ہیں، اور سناتے ہیں، اس کا کتنا فائدہ ہوتا ہے! عام طور پر جو متبع سنت اور متبع شریعت اللہ والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاس سے خصوصی علم بھی عطا فرماتے ہیں، ایک علم وہ ہوتا ہے، جو آدمی کتابوں کے ذریعہ پڑھتا ہے، اور پڑھاتا ہے، سیکھتا ہے، اور سکھاتا ہے، دوسرا علم وہ ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ان کو عطا فرماتا ہے، پہلے علم کو کہتے ہیں، علم کسبی، محنت سے حاصل ہونے والا علم، اور دوسرا ہوتا ہے، علم وہبی، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست دیا ہوا علم، حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و بے اوستا

جب تم اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور فرمانبرداری اختیار کروگے، تو اپنے اندر پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ کروگے، بغیر کسی کتاب کی مدد کے، اور بغیر کسی کتاب کے تکرار کرانے والے کی مدد کے، اور بغیر کسی استاد کی مدد کے، پھر اللہ تعالیٰ براہ راست تمہارے دل پر اپنے علوم القاء فرمائیں گے، اور وہ تمہاری زبان سے جاری ہوں گے، بہر حال جس کے پاس بیٹھ کر ایسی باتیں معلوم ہوں، تو یہ دوسرا فائدہ ہے۔

علم سے آخرت کی یاددہانی

تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ اس کے عمل سے آخرت یاد آئے، یعنی جب اس کو

عمل کرتا ہوا دیکھے، چاہے نماز سے متعلق ہو، چاہے معاملات اور عبادات سے متعلق ہو، چاہے اخلاق سے متعلق ہو، معاشرت سے متعلق ہو تو اس کے عمل سے معلوم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، جائز کام کرتا ہے، اور ناجائز کاموں سے بچتا ہے، کسی کو ستاتا نہیں ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آخرت میں پکڑ ہو جائے، گھر والوں کے ساتھ بھی معاملات کرنے میں بڑی احتیاط کرتا ہے، کہ کبھی کل مجھے اس کی بھی جوابدہی کرنی ہے، اب جو آدمی ایسا ہوگا، اس کی ہر بات میں آخرت یاد آئے گی، اور نیک لوگوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے اور معاملات کرنے میں، ہر بات میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جن سے انسان کو آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور ان باتوں کا اندازہ قریب رہنے سے ہوتا ہے، دور رہنے سے پتہ نہیں چلتا، قریب رہنے سے اندازہ ہوتا ہے، اور پتہ چلتا ہے، اس لئے وہ مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کچھ کرتے نہیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام ہوتا ہے، وہ مخلوق کو بتانے کی کچھ ضرورت نہیں، اس لئے وہ خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، اور وہ کام کرتے رہتے ہیں، جس کا انجام آخرت میں اچھا ہوگا، اور جس کا انجام خدانخواستہ آخرت میں برا ہو، اس سے وہ پرہیز کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص میں تین علامتیں پائی جائیں، ایک اس کو دیکھ کر خدا یاد آئے، دوسرا یہ کہ اس کی علمی باتوں سے فائدہ پہنچے، اور تیسرا یہ کہ اس کے عمل سے آخرت یاد آئے، تو سمجھو کہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے، اِکسیر اعظم ہے، بس! اس کا دامن تھام لے، اور اپنے آپ کو اس سے وابستہ کرلے، اور اس کی خدمت وصحبت میں رہنے کا اہتمام کرے، احقر نے اپنے سارے اکابر کو الحمد للہ! اسی کا مصداق پایا، ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی یاد آتے ہیں، اور ان کی صحبت میں بیٹھنے سے دین کی عجیب عجیب باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، اور آخرت کی فکر

بھی پیدا ہوتی ہے۔

علماء کی صحبت میں بیٹھنے کو لازم کرلیں

اس کے بعد حضرت لقمان حکیم کی نصیحت کا ذکر ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس روایت میں یہ بھی احتمال ہے کہ شاید حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو، پھر بھی یہ حدیث ہے، کیونکہ صحابی کا ارشاد بھی حدیث ہوتا ہے،

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ اے جانِ پدر! اے باپ کی جان! تو علماء کی مجلس میں بیٹھنے کو اپنے ذمے لازم رکھنا، اور اہلِ حکمت کی باتوں کو سنتے رہنا، حکمت دین کی باریک باتوں کو کہتے ہیں، جو سچے اور درویش کیا کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کی باتوں سے مردہ دلوں کو اس طرح زندہ کردیتے ہیں، جس طرح مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے زندہ کردیتے ہیں، جو اللہ کے نیک اور مقبول بندے ہوتے ہیں، جیسے کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل پر اپنے علوم القاء فرماتے ہیں، تو جو ان کے پاس بیٹھتا ہے، ان سے وہ حکمت کی باتیں، دین کی باتیں، اصلاح کی باتیں، اور تربیت کی باتیں بیان کرتے رہتے ہیں، اور ان باتوں میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ آدمی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

اگر آخرت سے غفلت ہے، تو آخرت کی فکر پیدا ہوجاتی ہے، کسی عمل کے اندر سستی ہے، تو اس کے اندر چستی پیدا ہوجاتی ہے، کسی گناہ میں مبتلا ہو رہا ہے، تو شرمندگی اور ندامت پیدا ہوجاتی ہے، اور بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے، حکمت کی باتوں سے آدمی کو بہت فائدہ پہنچتا ہے، لہٰذا صحبت بھی ایسے لوگوں کی اختیار کرے، اور صحبت کے ساتھ ساتھ ان کی حکمت والی باتیں بھی سنتا رہے، اور عمل کرتا رہے۔

صحبت کے لئے کون سے علماء مراد ہیں؟

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ علماء کی صحبت میں بیٹھنے کو لازم رکھے، اس سے علماء ربانی مراد ہیں، یعنی وہ علماء مراد ہیں، جو با عمل ہیں، وہ کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کی طرف سے وہ مجاز ہیں، اپنے ظاہر و باطن کی انہوں نے اصلاح کرائی ہے، وہ مراد ہیں، ہر عالم مراد نہیں ہے، کیونکہ بہت سے عالم وہ ہوتے ہیں، جو بے عمل ہوتے ہیں، اور بعض مرتبہ وہ عالم بہت بڑا استاد ہے، دین کی کتابیں پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، لیکن دین پر ان کا پوری طرح عمل نہیں ہے، کسی اللہ والے کی صحبت انہوں نے اختیار نہیں کی، جس کی وجہ سے ان کا تزکیہ نہیں ہوا، تربیت نہیں ہوئی، تو ان کی صحبت میں رہنا مراد نہیں ہے، ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے،

جو علماء با عمل ہیں، متقی اور پرہیزگار ہیں، اور بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں، ان سے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرائے ہوئے ہیں، شریعت کے پابند ہیں، اور گناہوں سے بچتے ہیں، ان کو کہتے ہیں: علماء ربانی، جن کو کہتے ہیں: خوفِ خدا رکھنے والے علماء، آخرت کی فکر رکھنے والے علماء، ان کی صحبت مراد ہے، وہ نہ ملیں، تو پھر جو عام اللہ والے ہیں، چاہے عالم نہ ہوں، لیکن متقی اور پرہیزگار ہوں، پھر وہ ان کے قائم مقام ہیں، ان کی خدمت و صحبت اختیار کرے، بہر حال جو ایسے علماء ہوتے ہیں، یا ایسے صلحاء ہوتے ہیں، جب آپ ان کے پاس بیٹھیں گے، تو ان کی حکمت کی باتیں بھی آپ کو سننے کو ملیں گی، وہ سنائیں گے، بتائیں گے، اور بیان کریں گے، تو اس سے آدمی کا دل زندہ ہو جاتا ہے۔

دل زندہ ہونے کا مطلب

دل زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا چسکا لگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر

کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، معمولات کی پابندی نصیب ہو جاتی ہے، دنیا سے دل ہٹنے لگتا ہے، آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اسی کو دل کا زندہ ہونا کہتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجذوب صاحب کا شعر ہے ؎

پھر ذرا مطرب! اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تیری آواز سے

سبحان اللہ! ایک اور شعر ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس دل میں خدا جانے کیا آگ بھری ہوگی

اللہ کے نیک بندوں کے پاس بیٹھنے سے یہ اثر ہوتا ہے، یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے زندہ ہیں، تو جوان کے پاس بیٹھتا ہے، اس کا دل بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے زندہ ہو جاتا ہے، جس طرح ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی شمع روشن ہے، جوان کے پاس بیٹھتا ہے، وہ شعلہ اس کے دل میں بھی منتقل ہو جاتا ہے۔

اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لئے واجب ہوگئی، یعنی ضرور حاصل ہوگی، جو میرے ہی تعلق سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اور میری ہی خاطر آپس میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں، سبحان اللہ!۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے تعلق اور واسطے سے محبت رکھنا، اور ایک دوسرے کے پاس آنے جانے کا یہ مطلب ہے کہ محض دین کی خاطر آپس میں تعلق رکھنا، کوئی دنیوی غرض درمیان میں نہ ہو۔

اس دنیا میں تعلقات کی دو قسمیں ہیں، ایک دنیا کی وجہ سے تعلق رکھنا، اور ایک دین

کی وجہ سے تعلق رکھنا۔

دنیاوی تعلقات اور اس کی مثالیں

دنیاوی تعلق ہم سب جانتے ہیں کہ کس طرح کا ہوتا ہے؟ مثلاً اس وجہ سے کہ ہمیں اس سے پیسے لینے ہیں، یا ہمیں پیسے دینے ہیں، یا اس سے ہمیں کوئی دنیاوی کام لینا ہے، یا اس کا کوئی دنیاوی کام ہمیں انجام دینا ہے، کوئی مالدار آدمی ہے، کوئی صاحبِ عہدہ اور صاحب منصب ہے، یا کوئی اور دنیاوی ہنر اور کمال اس کو حاصل ہے، ہم اس سے تعلق رکھتے ہیں، تاکہ وہ کام، اس سے لینے میں ہمیں آسانی ہو جائے، خریدنے کا ایک تعلق ہے، بیچنے کا ایک تعلق ہے، نوکری کا ایک تعلق ہے، زراعت کا ایک تعلق ہے، یہ سارے تعلقات دنیا کی وجہ سے ہیں، یہ اگر جائز ہوں، تو جائز ہیں، ناجائز ہوں، تو ناجائز ہیں، کیونکہ دنیاوی تعلقات جائز اور ناجائز دونوں قسم کے ہوتے ہیں، اچھے بھی ہوتے ہیں، برے بھی ہوتے ہیں، جائز بھی ہوتے ہیں، ناجائز بھی ہوتے ہیں۔

دین کی وجہ سے تعلق

دوسرا تعلق دین کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی ہمیں کسی سے محبت ہے، اس کی وجہ صرف دین ہے، مثلاً وہ بہت نیک آدمی ہے، اس وجہ سے ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اور اس سے ملتے جلتے ہیں کہ بھئی! یہ ماشاء اللہ بہت ہی دین پر چلنے والا آدمی ہے، یا اس کے پاس ہم بیٹھتے ہیں، تو ہمیں بھی دین کی فکر ہوتی ہے، جیسا کہ عام طور پر کسی اللہ والے سے تعلق ہوتا ہے، اور ان کے پاس بیٹھتا ہے، اور ان سے ملتا جلتا رہتا ہے، اور اس میں اس کی غرض یہ ہو کہ صرف یہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے، بس! وجہ سے میں اس سے تعلق رکھتا ہوں، اس سے ملتا ہوں، ملاقات کرتا ہوں، اس کے پاس بیٹھتا ہوں، اور کوئی غرض اس سے نہ ہو، تو یہ تعلق دین کی وجہ سے کہلائے گا، اور یہ محبت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگی، اور اس کا ثوابِ عظیم

یہ ہے کہ جن لوگوں کا کسی اللہ والے سے، کسی نیک آدمی سے محض اللہ کے واسطے تعلق ہوگا، تو اس کا تعلق قائم کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی محبت لازم ہو جائے گی،

یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائیں گے، دیکھو! یہ کتنا بڑا فائدہ ہے! اس لئے ہمیں نیک لوگوں سے اگر تعلق رکھنا ہے، اور رکھنا چاہئے، تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے خاطر، اللہ تعالیٰ کے دین کے خاطر، فکرِ آخرت کے خاطر تعلق رکھنا چاہئے، اس سے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائیں گے، اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے، اس کو اچھے اچھے کاموں کی توفیق دیں گے، گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، یہ بہت بڑا فائدہ ہے،

اس طرح جب کوئی کسی نیک آدمی کے پاس بیٹھے گا، تو اس کے پاس بیٹھنے سے فائدہ بھی بہت زیادہ ہوگا، کیونکہ اس کی نیت خالص ہے، اور درست ہے، مگر بعض لوگ اللہ والوں سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کی خدمت آتے جاتے ہیں، ملتے جلتے رہتے ہیں، مگر دین کی نیت نہیں ہوتی۔

دنیاوی اغراض کے لئے تعلق

دنیا کی بعض غرضیں ان کے ذہن میں ہوتی ہیں، مثلاً کوئی اس نیت سے جاتا ہے کہ بھئی! ہم اپنی مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں میں ان سے دعا کروائیں گے، وہ مستجاب الدعوات ہیں، اس طرح ہماری دنیاوی پریشانیاں دور ہوں گی، تو یہ تعلق دین کی وجہ سے نہیں ہے، یہ تعلق اللہ تعالیٰ کی خاطر نہیں، اپنے دنیاوی مقصد کے لئے ہے کہ دنیا کی تکلیفیں اور پریشانیاں کسی طرح دور ہوں، تو اس نیت سے اگر کوئی کسی اللہ والے کے پاس جائے گا، تو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کریں، کیونکہ وہ طالبِ دنیا ہے، طالبِ دین نہیں۔

بعض لوگوں کی یہ غرض ہوتی ہے کہ ان کے پاس جائیں گے، تو وہ کوئی نہ کوئی تعویذ دیں گے، یا کوئی وظیفہ بتا دیں گے، جس کی وجہ سے میں اپنا مقدمہ جیت جاؤں گا، یا میرا فلاں کام ہو جائے گا، ان کا تعویذ بھی بڑا اثر والا ہوتا ہے، اور ان کے وظیفے بڑے زبردست ہوتے ہیں، اس لئے بزرگوں کے پاس آتے ہیں، اور جاتے ہیں، اور بعض لوگ اس لئے بزرگوں کے پاس جاتے ہیں، اور ان کی خوب تعریفیں کرتے ہیں، خوب خدمت کرتے ہیں، مگر مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں کسی آڑے وقت میں، اپنے لئے ان سے سفارش کروالوں گا، کیونکہ ان کے پاس بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، تو اگر کہیں میرا کام اٹک گیا تو ان سے کہوں گا کہ میری سفارش کردو، یا مجھے نوکری دلوادو، یا مجھے ملازمت دلوادو، یا کسی کے یہاں رکھوادو، تو یہ تعلق دین کی وجہ سے نہیں ہے، دنیا کی وجہ سے ہے۔

یہ تین مثالیں بطورِ نمونہ میں نے بتلادیں کہ تین وجہ سے بھی لوگ بزرگوں سے ملتے رہتے ہیں، اور ان کی صحبت میں بیٹھتے رہتے ہیں، اور ان سے تعلق رکھتے ہیں، اور بڑی عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں، مگر ان کا یہ تعلق اللہ والوں سے، اللہ کے لئے نہیں ہے، دنیا کے لئے ہے، تو ایسے تعلق کی یہ فضیلت نہیں اللہ والوں سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر محبت رکھتا ہو، بس! اللہ تعالیٰ کی خاطر مل رہا ہو، اور اگر نہیں مل رہا، تو اس وجہ سے نہیں مل رہا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نیک بندہ نہیں ہے، نافرمان بندہ ہے، اس لئے اس سے بچتا ہے، تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائیں گے۔

نیک اور برے دوست کی مثال

اس کے بعد نیک دوست کی مثال: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک، صالح دوست اور برے دوست کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص مُشک لیے ہوئے ہے، یہ مثال ہے نیک صحبت کی، اور ایک شخص وہ ہے جو بھٹی جھونک رہا ہے، یعنی گرم کر رہا ہے، یہ بری صحبت کی مثال

ہے، جو مشک والا ہے، اگر اس کی صحبت میں کوئی بیٹھ جائے تو یا تو وہ محبت میں آ کر مشک کا کچھ حصہ تمہیں دے گا، یا اگر نہ بھی دے، تو مشک سے خوشبو تو پہنچ ہی جائے گی، اور بھٹی جھونکنے والا، اگر کوئی اس کے پاس بیٹھا، تو یا تو وہ کپڑے جلا دے گا کہ اچانک کوئی چنگاری آپڑی، اور یا اگر اس سے بچ بھی گیا، تو اس کی گندی بو تو دماغ تک پہنچ ہی جائے گی، اس حدیث میں نیک اور بری صحبت کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ نیک صحبت کی مثال ایسی ہے، جیسے خوشبو بیچنے والا، عطر فروش، کہ آپ کسی خوشبو بیچنے والے کے پاس جا کر بیٹھیں گے، تو وہ کچھ دے، یا نہ دے، اس کی خوشبو آپ کو آئے گی، اور آپ کا دماغ خوشبوؤں سے معطر ہو جائے گا، اور اگر اس کو جوش آ گیا، اور اس نے محبت میں آپ کو خوشبو کی ایک پھریری دے دی، یا ایک شیشی دے دی، تو جناب! اور فائدہ ہو گیا کہ خوشبو سونگھ بھی لی، اور مفت میں خوشبو مل بھی گئی، فائدہ ہی فائدہ ہوا۔

ایسے ہی نیک صحبت میں جانے سے فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے، اور بری صحبت کی مثال ایسی ہے، جیسے کہ لوہار، جو اپنی بھٹی گرم کرتا ہے، اور اس کے اندر لوہا رکھ کر اس کو گرم کرتا ہے، تو اس کے پاس ہر وقت دھواں ہی دھواں رہتا ہے، اور بھٹی میں سے چنگاریاں بھی نکل نکل کر اُڑتی رہتی ہیں، جو اس کے پاس بیٹھے گا، تو اپنے کپڑے جلائے گا، کیونکہ اچانک کسی وقت بھی بھٹی میں سے چنگاری نکل کر آپ کے جسم یا کپڑے پر گر سکتی ہے، جسم جلے گا، یا کپڑے جلیں گے، تو یہ نقصان ہوگا، اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن وہاں بیٹھ کر جو بدبو سے دماغ سڑے گا، وہ نقد نقصان تو ہے ہی، یعنی اس کے پاس بیٹھنے سے دھواں آئے گا، جو آنکھوں، ناک اور منہ میں گھسے گا، اس سے تکلیف ہوگی، دھویں سے تکلیف، پھر اس کی بدبو سے تکلیف، یہ نقصان تو ہو کر رہے گا۔

کچھ نہ کچھ فائدہ یا نقصان

لہٰذا نیک صحبت میں بیٹھنے کا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا، بہر حال! پورا فائدہ جب ہوگا،

جب ان باتوں پر عمل کرے، جو ابھی اوپر بیان ہوئی ہیں، ایسے ہی بری صحبت میں کچھ نہ کچھ نقصان یقیناً ہوگا، اس سے بچنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ بری صحبت سے آدمی بالکل دور رہے، اگر دور رہے گا، تو ہر قسم کے نقصان سے بچے گا، معمولی نقصان سے بھی بچے گا، بڑے نقصان سے بھی بچے گا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیک اور صالح شخص کی صحبت میں بیٹھنے سے مکمل فائدہ نہ ہو، تب بھی کچھ نہ کچھ ضرور فائدہ حاصل ہوگا، اور بری صحبت میں بیٹھنے سے کامل نقصان نہ ہو، تب بھی کچھ نہ کچھ نقصان ہو کر رہے گا، اس لئے نیک صحبت میں بیٹھنا چاہئے، اور برے لوگوں کی صحبت سے دور رہنا چاہئے، اللہ پاک ہمیں نیک صحبت اختیار کرنے کی توفیق دے، اور بری صحبت کا نقصان دہ ہونا، ہمارے ذہن میں بٹھادے، اور اس سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سلسلہ درس حیات المسلمین

صحبتِ اہل اللہ اور مطالعۂ کتب

(۷)

شرح روحِ ہفتم

بیان نمبر (۵۸)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۷ جون ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نماز عصر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہٗ فلا ھادِیَ لہٗ وأشھد أن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلٰی آلہٖ وأصحابہٖ وبارک وسلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

(التوبۃ، آیت نمبر ۱۱۹)

صدق اللّٰہ العظیم

میرے قابلِ احترام بزرگو!

''حیاتُ المسلمین'' کی ساتویں روح کا بیان چل رہا ہے، جس میں حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیک صحبت اختیار کرنے کی اہمیت، عظمت اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اور اس سلسلے میں قرآنِ کریم کی آیات سے بھی اس کی اہمیت کو ثابت کیا ہے، اور احادیث طیبہ سے بھی، گذشتہ منگل سے احادیث طیبہ کا بیان ہو رہا ہے،

جن سے نیک صحبت، نیک مجالست اور ہم نشینی کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے، آج بھی باقی احادیث طیبہ کا ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر آئے گا، چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اہل ایمان کے سوائسی اور کی صحبت مت اختیار کرو!

فائدہ: اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، نمبر ایک: کافر کی صحبت میں مت بیٹھو، یعنی ان سے دوستی مت رکھو، اور آنا جانا مت رکھو، نمبر دو: کمزور ایمان والے لوگوں کے پاس مت بیٹھو، چونکہ اس سے تمہارے ایمان کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، صرف ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھا کرو، جو مؤمن ہوں، خصوصاً جو کامل دیندار ہو، حضرت ابو سعید خدریؓ سے جو روایت حضرتؒ نے بیان فرمائی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کی دوستی، تعلق، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، کامل مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے، اور کامل مسلمان کا دوسرا عنوان ہے: اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، جن کو اللہ والا بھی کہتے ہیں، اولیاء اللہ بھی کہتے ہیں، صلحاء اور اتقیاء بھی کہتے ہیں، ایسے لوگوں کے پاس آدمی اٹھے بیٹھے، ان سے میل جول رکھے، ان کے پاس آتا جاتا رہے، ان کی صحبت میں بیٹھا کرے۔

کافروں کی صحبت کے برے اثرات

ایک تو کافروں سے دوستی، گہرا تعلق، محبت اور بلا ضرورت ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرے، کیونکہ پہلے بارہا یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ پاک نے صحبت میں، اور مجالست میں غیر معمولی اثر رکھا ہے، اچھی صحبت کا اچھا اثر ہے، بری صحبت کا برا اثر ہے، چونکہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں، کیونکہ وہ کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس لئے اگر کوئی ان سے محبت کرے گا، ان سے دوستی کرے گا، ان کے پاس اٹھے بیٹھے گا، تو یقیناً ان کے کفر کے برے اثرات بیٹھنے والے

والا مسلمان بھی کفر کی آغوش میں چلا جائے، اور یہ اثر تو عام طور پر ہوتا ہی ہے کہ کافر کی کافرانہ باتوں کی، ان کے ساتھ ملنے جلنے کی، ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی، اور ان سے دوستی کرنے کی جو برائی پہلے اس کے ذہن میں تھی، اور طبیعت میں تھی، آہستہ آہستہ وہ برائی دل کے اندر کم ہو جائے گی، اور یہ بھی بہت بڑا نقصان ہے، اور خطرناک صورتحال ہے، کیونکہ خدانخواستہ اگر مزید یہ سلسلہ آگے بڑھا، تو یہ بھی مشاہدے کی بات ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والے پھر ان کے طور طریقوں کو ہی پسند کرنے لگتے ہیں، ان کی طرح رہنے سہنے کو، ان کی طرح بولنے چالنے کو، ان کے لباس و پوشاک کو، اور ان کی خلافِ شرع باتوں کو نہ صرف پسند کرنے لگتے ہیں، بلکہ اختیار بھی کرنے لگتے ہیں۔

آج ہمارے ماحول اور معاشرے میں کافروں کا لباس کس قدر عام ہے! یہ ان کی صحبت اور غلامی کا اثر ہے، عورتوں کے لباس بھی کافروں کی عورتوں کے لباس کے مشابہ، مردوں کا لباس بھی کافروں کے لباس کے مشابہ، جیسے پینٹ پتلون، ٹائی وغیرہ، اور پھر رہنے سہنے میں بھی، بولنے چالنے میں بھی، آدمی ان کی زبان بولنے پر فخر محسوس کرتا ہے، اپنی مادری زبان بولنے کو عیب سمجھتا ہے، یہ اسی کا اثر ہے، تو جیسی صحبت اختیار کرے گا، ویسے ہی اثرات آئیں گے، اس لئے ایک تو کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے، اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، بس! ان کے ساتھ کاروبار کیا جا سکتا ہے، ان سے خرید و فروخت کی جا سکتی ہے، اور کاروباری معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھے، تو رکھا جا سکتا ہے، لیکن وہ دوستی کے لائق نہیں ہیں، اور وہ میل جول کرنے کے لائق نہیں ہیں، اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ آدمی ان کے پاس جا کر بیٹھا کرے، اور اپنے فارغ اور فرصت کے اوقات بھی ان کے ساتھ گزارا کرے۔

کمزور ایمان والوں سے دوستی

اسی طرح حضرتؒ نے اس میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اسی طرح جو عام مسلمان ہیں، ان

میں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ ہوتے ہیں، جو بیچارے صرف نام کے مسلمان ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، اور نہ روزے رکھتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں، اور نہ زکوۃ دیتے ہیں، نہ ذکر کرتے ہیں، نہ تلاوت کرتے ہیں، نیک کاموں کی طرف ان کا کوئی رجحان نہیں ہے، دین سے بالکل دور، نام کے مسلمان، ایسے مسلمان عام طور پر کمزور ایمان والے مسلمان کہلاتے ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی حضرتؒ نے منع فرمایا ہے، کیونکہ وہ دیندار نہیں ہیں، نماز کے پابند نہیں ہیں، داڑھی منڈاتے ہیں، شلوار ٹخنے سے نیچے رکھتے ہیں، انگریزی بال رکھتے ہیں، حلال وحرام کی تمیز ان میں نہیں ہے، جائز ناجائز کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے، نیکی بدی کا کوئی ہوش نہیں ہے، بس! ایک آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں، جیسی ان کی آزادانہ زندگی ہے، جوان کے پاس بیٹھے گا، اس کی زندگی میں بھی ایسا ہی اثر آئے گا، ایسے لوگ بھی دوستی کرنے کے، اور ہر وقت ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے، ملنے جلنے اور میل جول رکھنے کے لائق نہیں ہیں، ورنہ جوان کے ساتھ رہے گا، وہ بھی آہستہ آہستہ انہی جیسا ہو جائے گا۔

اگر یہ نماز کا پابند ہے، اور وہ نماز کے پابند نہیں ہیں، تو جب ان کے ساتھ رہے گا تو کچھ دن تو یہ بھی نماز کی پابندی کرے گا، آہستہ آہستہ اس کا اثر غالب آئے گا، پہلے اس کی جماعت چھوٹنے لگے گی، پھر نماز قضاء ہونی شروع ہو جائے گی، پھر سرے سے نماز ہی چھوٹ جائے گی، کیونکہ وہ دوست ہی ایسا ہے، دوست نماز ہی نہیں پڑھتا، تو وہ بھی نہیں پڑھے گا، اور دوسری قسم مسلمانوں کی وہ ہے، جو سچے اور پکے دیندار ہیں، نماز، روزہ کے پابند ہیں، ذکر و تلاوت کے پابند ہیں، گناہوں سے دور رہتے ہیں، نیک کاموں میں کوشاں رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ رہنے سے فائدہ ہوگا، کیونکہ وہ نیک آدمی ہے، دیندار آدمی ہے، نیک آدمی کے پاس بیٹھنے سے نیک باتوں کا اثر ہوگا، بلکہ وہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوں گے۔

اہلِ ذکر سے تعلق رکھنا

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تین باتوں کا اہتمام کریں چنانچہ حضرت ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلادوں، جو اس دینِ حق کا مدار ہے، یعنی اس دینِ حق کی بنیاد ہے، فرمایا: کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں؟ جو اس دینِ حق کی بنیاد ہے، جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کرسکتے ہو، سبحان اللہ، یعنی ان پر عمل کرکے دنیا و آخرت کی بھلائی آدمی حاصل کرسکتا ہے،

نمبر ایک: اہلِ ذکر کی مجالس کو مضبوطی سے تھام لو، یعنی ان کے پاس بیٹھنے کا اہتمام کرو، یعنی جو اللہ اللہ کرنے والے ہیں، تلاوت کرنے والے ہیں، نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں، دعائیں کرنے والے ہیں، نیک کاموں میں مشغول رہنے والے ہیں، گناہوں سے پرہیز کرنے والے ہیں، یہ اہلِ ذکر کہلاتے ہیں، ان کے پاس بیٹھو، ان سے ملوجلو، ان کے پاس آؤ، جاؤ، ایک کام یہ ہے۔

تنہائی، ذکر کا بہترین موقع

نمبر دو: جب تنہائی میسر ہو، تو جہاں تک ممکن ہوسکے، اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھو، یعنی جب کوئی نہیں ہے، اور آپ فارغ ہیں، چاہے گھر میں فارغ ہوں، اپنے کمرے میں فارغ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، یا مسجد میں فارغ ہوں، یا آفس میں فارغ ہوں، یعنی دوکان کا کوئی کام نہیں ہے، گاہک نہیں ہے، چاہے یہ وقفہ ایک سیکنڈ کا ہو، یا ایک منٹ کا ہو، یا آدھے گھنٹے کا ہو، یا ایک گھنٹے کا ہو، یا اس سے کم یا زیادہ ہو، اس وقت اپنی زبان اللہ کے ذکر میں لگائے رکھو، کثرت سے اللہ کا ذکر کرو، اور کوئی سا بھی ذکر کرلو، جس کو جو ذکر آسان لگے کرے، یا شیخ کا بتایا ہوا کوئی ذکر ہو، بس! وہ ذکر کرتا رہے، اکثر جب آدمی سونے کے

لئے لیٹتا ہے، تو فوراً نیند نہیں آتی، لیٹنے کے وقت کی دعائیں اور اوراد پورے کرنے کے بعد بھی آدمی جاگتا رہتا ہے، تو جب تک نیند نہ آئے، اس وقت تک اللہ کا ذکر کرتا رہے، یہ بھی خلوت ہے، یہ بھی تنہائی ہے، سب سے افضل ذکر دو ہیں: ایک لاالہ الا اللّٰہ، بس! جب تک نیند نہ آئے، یہ ذکر کرتا رہے، اور دوسرا افضل ذکر ہے: درود شریف، اس درود شریف کے بھی بہت سے فضائل ہیں، اس طرح سے اپنی تنہائی کو، اپنی خلوت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزاریں۔

چلتے پھرتے ذکر کرنے کا معمول

اسی طرح بعض مرتبہ آدمی جا رہا ہوتا ہے، مثلاً اپنی دوکان پر جا رہا ہے، یا کسی ضروری کام سے بازار جا رہا ہے، یا کسی سے ملنے کے لئے جا رہا ہے، یا گاڑی میں سوار ہے، یا گاڑی چلا رہا ہے، یا پیدل چل رہا ہے، اس وقت بھی اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہنا چاہئے، ذکر کرتے کرتے چلنا چاہئے، ذکر کرتے کرتے گاڑی چلانی چاہئے، ذکر کرتے کرتے آنا جانا چاہئے، یہ بڑا بہترین موقع ہے، اور نہایت ہی غنیمت ہے، ضروری باتیں کرنی ہوں، کرلیں، جائز باتیں کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، لیکن ہر وقت آدمی باتیں نہیں کرتا، جہاں فراغت ملے، جہاں فرصت ملے، فوراً اللہ کا ذکر شروع کردے، اس طرح خلوت میں، اور تنہائی میں اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔

محبت اور نفرت صرف اللہ کے لئے

تیسرا کام یہ ہے کہ دوسروں سے محبت اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو، اور نفرت بھی اللہ ہی کے خاطر ہو، دوسروں سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ان کے نیک ہونے کی وجہ سے محبت کرے، جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے محبت ہوتی ہے، اولیاء اللہ سے محبت ہوتی ہے، نیک بندوں سے محبت ہوتی ہے، دینداروں

سے محبت ہوتی ہے، تو دین کی وجہ سے اگر کسی سے محبت کرے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا ہوا، اور یہ بہت بڑا عمل ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے، ایسے ہی اگر نفرت ہو تو وہ بھی اللہ ہی کے واسطے ہو، اور نفرت اللہ کے واسطے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے ان کے کفر کی وجہ سے نفرت ہو۔

فاسقوں، فاجروں اور بدمعاشوں کے برے اعمال کی وجہ سے نفرت کرے تو یہ نفرت کرنا برے اعمال کی وجہ سے، اللہ ہی کے لئے نفرت کرنا ہے، لہٰذا جو آدمی ان تین باتوں پہ عمل کرے گا، دنیا و آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائیں گے۔

خوشخبری کا ایک عجیب واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ :اس کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے، اور مسجد کے دروازے پر ایک سائبان تھا، اس کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے کہ ایک شخص آگے بڑھا، اور اس نے عرض کیا کہ حضور! قیامت کب قائم ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ جو یہ سوال کر رہے ہو، اس نے عرض کیا: حضور! میں نے بہت زیادہ نفل عبادت تو کی نہیں ہے، صرف فرائض و واجبات ادا کرتا ہوں، بہت زیادہ نفلی عبادتیں میرے پاس نہیں ہیں، میں ان کو نہیں کر سکا لیکن یہ بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، میرے دل میں ان کی محبت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، قیامت میں آدمی ان ہی کے ساتھ ہوگا، جن سے اس کو محبت ہوگی۔

اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت

کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ کل قیامت میں ان ہی کے ساتھ ہوں گا، اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنی خوشی مجھے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے کے بعد ہوئی ہے، کسی اور موقع پر مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی، سوائے اس دن کی خوشی کے جب اللہ پاک نے ایمان کی دولت عطا فرمائی تھی۔

جوتیوں میں جگہ کیسے ملے گی؟

شارحین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ محبت کرنے والا ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، چاہے اس کے پاس اس درجے کا عمل ہو یا نہ ہو، سبحان اللہ! اب یہ عمل کتنا آسان ہے! لہٰذا آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے محبت ہوتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ سے، تابعینؒ سے، تبع تابعینؒ سے، پھر ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے محبت ہوتی ہے اور یہ محبت خود ایسا عمل ہے، جو ان کی جوتیوں میں جگہ دلوادے گا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے میں داخل ہے، دیکھئے! اس کا کتنا ثواب ہے، اور کتنی فضیلت ہے، چنانچہ اس محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا، اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ ان کے طفیل بخشا جائے گا، اور دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کو حاصل ہو جائے گی۔

کیا ذکر، صدقہ سے بھی افضل ہے؟

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا، اور زبان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی ذکر جاری رکھنا، یہ بڑے بڑے دیگر اعمالِ صالحہ سے بھی بڑھ کر عمل ہے، بلکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی افضل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ دو قسم کے تھے بعض صحابۂ کرامؓ مالدار تھے، جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور

بعض صحابہ کرام غریب، مسکین اور محتاج تھے، یعنی وہ مالدار نہیں تھے، یہ فقراء صحابہ ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضور! ہمارے مالدار بھائی بھی نمازیں پڑھتے ہیں، ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ روزے رکھتے ہیں، ہم بھی روزے رکھتے ہیں، وہ بھی تلاوت کرتے ہیں، ہم بھی تلاوت کرتے ہیں، لیکن جب اللہ کے راستے میں پیسے خرچ کرنے موقع آتا ہے، تو وہ اللہ کے راستے میں پیسے خرچ کرتے ہیں، اور ثواب حاصل کرتے ہیں، ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، ہم خرچ نہیں کر پاتے، ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، کہ ہم بھی پیسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے ثواب پائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایک عمل بتا دیتا ہوں، تم ان سے بھی بڑھ جاؤ گے، اور پھر فرمایا کہ تم ۳۳ مرتبہ **سبحان اللہ**، ۳۳ مرتبہ **الحمدللہ** اور ۳۴ مرتبہ **اللہ اکبر**، ہر نماز کے بعد پڑھا کرو، تو تم ان سے بڑھ جاؤ گے، وہ جو ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کر رہے ہیں، تم اللہ کا نام لو گے، تو تمہیں اس پر اتنا اجر ملے گا کہ ان کے اس خرچ کرنے پر اتنا ثواب نہیں ملے گا۔

اب یہ سب پڑھنے لگے، امراء صحابہؓ کو پتہ چلا کہ یہ کچھ الگ سے پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا، تو غریب صحابہؓ نے اصل واقعہ بتا دیا، کیونکہ دین کی بات چھپانے کی نہیں ہوتی، پھر انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، اب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! اب یہ انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، اب ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ**، یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہے، عطا فرمائے، وہ پڑھیں گے، تو ان کو بھی ثواب ملے گا، تم پڑھو گے، تو تم کو بھی ثواب ملے گا، بہر حال اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی دولت ہے، سب سے سستا، سب سے ہلکا، سب سے آسان، اور فضائل اتنے کہ بیان سے باہر، تو اللہ کے ذکر کی کثرت کی وجہ سے بھی آدمی کو دنیا و آخرت میں فلاح نصیب ہوگی، کامیابی

نصیب ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین باتیں ہیں: ایک یہ کہ اہلِ ذکر کی مجلس میں بیٹھنا، دوسرے تنہائی میں زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنا، اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے محبت کرنا، اور اللہ ہی کے خاطر دوسروں سے نفرت کرنا۔

صحبت... علم سیکھنے کا ذریعہ

فائدہ: یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس دین کی جڑ اور بنیاد ہے، کیونکہ دین آنے کا ذریعہ ہے، اسی لئے بہت زیادہ اہم اور بنیادی چیز ہے، جتنا دین ہمارے پاس ہے، وہ کسی نہ کسی کی صحبت سے آیا ہے، اگر مزید آئے گا، تو کسی نہ کسی کی صحبت سے آئے گا، جتنا آپ اس میں غور کرو گے، آپ کو یہ بات پوری طرح اور اچھی طرح سمجھ آجائے گی، مدارس میں دیکھ لو، تمام مدارس سے ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں علماء تیار ہوتے ہیں، وہ علماء کی صحبت سے تیار ہوتے ہیں، اگر وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے، اپنے کارخانوں میں ہوتے، اپنی زمینوں، اور اپنے مکانوں میں ہوتے، اپنے کھیتوں میں ہوتے، پہاڑوں میں ہوتے، جنگلوں میں ہوتے، دیہات میں ہوتے، تو کیا وہ عالم بنتے؟ کبھی بھی نہیں بنتے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدرسے میں آئے، داخل ہوئے، اور اساتذۂ کرام جو عموماً علماء ہوتے ہیں، ان کی خدمت میں چھ چھ گھنٹے روزانہ پابندی کے ساتھ بیٹھے، اللہ پاک نے رفتہ رفتہ ان کو عالم بنا دیا، ڈاکٹر کی صحبت میں بیٹھنے والے ڈاکٹر بنتے ہیں، انجینئر کی صحبت میں بیٹھنے والے انجینئر بنتے ہیں، اور کھانا پکانے والے کی صحبت میں بیٹھنے والے کھانا پکانا سیکھ جاتے ہیں، دنیا کے علوم بھی صحبت سے آتے ہیں، اور دین بھی صحبت سے آتا ہے، تو صحبت، دین حاصل ہونے کا بنیادی ذریعہ ہے۔

صحبت... عمل سیکھنے کا ذریعہ

ایسے ہی عمل بھی صحبت سے آئے گا، جیسے علم صحبت سے آتا ہے، عمل بھی صحبت سے آئے

گا، بغیر صحبت کے عمل کا شعور پیدا نہیں آتا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مدرسوں میں علم حاصل کرنے کے لئے تو سب مانتے ہیں کہ بھئی! اساتذہ کی صحبت میں رہنا ضروری ہے، اور روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے، لیکن جب عمل کا درجہ آتا ہے، تو یہ ہمارے مسکین طلبہ اس بات کو بھول جاتے ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہزاروں، لاکھوں علماء تیار ہو رہے ہیں، لیکن اللہ والے، متقی پرہیزگار آخرت کی فکر رکھنے والے بہت کم ہوتے ہیں، آدمی کام کا جب ہی بنتا ہے، جب عمل کرتا ہے، ڈاکٹر خالی کورس کر کے ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اس کو کسی نہ کسی ماہر ڈاکٹر کی صحبت میں رہ کر پریکٹس کرنی پڑتی ہے، ہر علم وفن میں دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ صرف کورس کرنے سے آدمی کامل نہیں ہوتا، بلکہ جب تک عملی مشق نہیں کرے گا، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوگا، اور کارآمد نہیں ہوگا۔

ایسے ہی ہمارے مدارس میں بھی یہی ہے کہ محض کورس کر کے عالم بن جانا کافی نہیں ہے، بلکہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ باعمل ہونا بھی ضروری ہے، جب باعمل بنے گا، تو سونے پہ سہاگہ ہوگا، اور پھر وہ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے گا، اور دین کی خدمت کرے گا، تو حضرت تھانوی اس حدیث کے حوالے سے یہ فرما رہے ہیں کہ نیک لوگوں کی مجلس دین کی جڑ اور بنیاد ہے، دین کی حقیقت، حلاوت اور قوت کے حصول کے متعدد ذرائع ہیں، ان میں سب سے مضبوط ذریعہ نیک صحبت ہے، اس لئے اس کو اختیار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تعلق رکھنے کا انعام

جنت میں اعلیٰ مقام ملنا، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے ستون پر، زبرجد کے بنے ہوئے بالاخانے ہیں، (بالاخانہ کہتے ہیں، اوپر والے مکان کو،...) ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، جو چمکدار ستاروں کی طرح چمکتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان بالاخانوں میں کون

رہیں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے دین کی نسبت سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں ملاقات کرتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا، ایک دوسرے سے ملنا، اور ایک دوسرے سے محبت کرنا محض اللہ جل شانہ کی وجہ سے ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت میں نے ابھی بیان کی کہ دیندار ہونے کی وجہ سے، بااخلاق ہونے کی وجہ سے، آخرت کی فکر ہونے کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہو، اور اس محبت کی خاطر ہم اس سے ملتے جلتے ہوں، اس سے ملاقات کرتے ہوں، اور اس کے پاس آتے جاتے ہوں، اس کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محبت کرنا ہے، اور اس کی یہ فضیلت ہے کہ یاقوت کے ستون اور زبرجد کے مکانات ہوں گے، اور کمرے ہوں گے، دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، ستاروں کی طرح چمکدار ہوں گے، ایسے بالاخانوں میں اللہ پاک ان کو رہنے کی جگہ عطا فرمائیں گے، سبحان اللہ!

یہ آخرت کی فلاح ہے، دنیا میں آپ کا تعلق کسی اللہ والے سے اگر اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے، تو آخرت میں اس کا یہ ثواب عظیم ہے، دراصل اس سے محبت رکھنے کی وجہ سے، اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے، اور اس کی نیک باتیں سننے سے ڈھیرے ڈھیرے ہمارے عمل میں آنی شروع ہوں گی، پھر جب وہ ہمارے عمل میں آجائیں گی، تو یہ عمل آدمی کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

کفّار کے پاس بیٹھنے میں خطرہ

کفار کے ساتھ سکونت اختیار کرنے کی ممانعت ہے، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ سکونت

اختیار مت کرو، نہ ان کی مجلس میں بیٹھو، جو شخص ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے گا، یا ان کی مجلس میں بیٹھے میں گا، وہ ان ہی میں سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بری صحبت کا اثر ہوگا، اور رفتہ رفتہ خدانخواستہ ان جیسا ہی ہو جائے گا، ان جیسا نہ ہوگا، تو کم از کم غیر شرعی اور ناجائز باتوں کی نفرت کم ہو جائے گی، یا نفرت کم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی یہ چیزیں اس کو اچھی لگنی شروع ہو جائیں گی، اور اچھی لگنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان کو اختیار بھی کر لے، تو اس طرح وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا،

معلوم ہوا کہ بری صحبت سے آدمی کو بہت زیادہ بچنا چاہئے، ان آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا لازم ہے، تاکہ ان سے اچھی باتیں سنیں، اور اچھی خصلتیں سیکھیں، پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جب کسی نیک آدمی کے پاس بیٹھے، تو اگرچہ بیٹھنے کا خود ایک قدرتی اثر ہے، جو پاس بیٹھنے والوں کے اندر ہوتا ہے، لیکن زیادہ فائدہ تب ہوتا ہے، جب آدمی اس نیت سے بیٹھے کہ میں بھی ان کی باتیں سنوں گا، اور ان پر عمل کروں گا، ان کو اختیار کروں گا، اواس سے آدمی کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

صحبت کے قائم مقام چیز

اس کے بعد حضرت تھانوی نیک صحبت کا ایک بدل اور قائم مقام ارشاد فرماتے ہیں، اصل صحبت تو یہ ہے کہ کسی نہ کسی اللہ والے کے پاس آدمی بیٹھے، چاہے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے، چاہے روزانہ بیٹھے، ہفتے میں ایک مرتبہ بیٹھے، پندرہ دن میں ایک مرتبہ بیٹھے، لیکن ضرور بیٹھے، اور بیٹھنے کا اہتمام کرے، اصل چیز یہ ہے، لیکن بعض علاقے ایسے ہوتے ہیں، بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں، اور بعض دفعہ آدمی کی اپنی مصروفیات ایسی ہوتی ہیں، کہ آدمی زیادہ عرصہ کسی کی صحبت میں نہیں رہ سکتا، تو اس کا بدل بھی حضرت بیان فرما رہے ہیں، بدل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

یہ بدل خواتین کے لئے بطورِ خاص نافع اور مفید ہے، کہ خواتین اپنے مطالعے میں

بزرگوں کی کتابیں رکھیں، ان کے حالات پڑھنے سے، ان کی حکایات پڑھنے سے، ان کی زندگی کے حالات پڑھنے سے ایسا ہی فائدہ ہوتا ہے، جیسے کسی بزرگ کی خدمت میں بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات

اس سلسلے میں بھی حضرتؒ نے چند دلائل ذکر فرمائے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور پیغمبروں کے قصے میں سے، ہم یہ سارے مذکورہ قصے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ، حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ، حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ، یہ سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں،

یعنی یہ قرآن شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کو اس لئے سناتے ہیں، تاکہ آپ کا دل مضبوط ہو، معلوم ہوا کہ ان کے حالات، ان کے واقعات پڑھنے سے بھی دل مضبوط ہوتا ہے، اور اردو میں ایک کتاب ہے: قصص الانبیاء، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی، جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے سلسلے میں نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے، اور عام طور پر مل جاتی ہے، اس کا مطالعہ کرنے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات آپ کو معلوم ہوں گے، جن کا ذکر اللہ پاک نے قرآن شریف میں فرمایا ہے، اور احادیث میں بھی ان کا ذکر آیا ہے، اور انہوں نے تاریخی حوالوں سے بھی ان کے حالات کو جمع کیا ہے۔

واقعات پڑھنے اور سننے کا فائدہ

فائدہ: نیک لوگوں کے واقعات سننے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل کو مضبوطی

اور تسلی ہوتی ہے، جس طرح وہ حضرات حق پر قائم رہے، ہمیں بھی قائم اور مضبوط رہنا چاہئے، اور جس طرح دین پر قائم رہنے کی وجہ سے اللہ پاک نے ان کی مدد فرمائی، اگر ہم بھی دین پر مضبوطی سے قائم رہیں گے، ہماری بھی مدد فرمائیں گے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ذکر فرمایا ہے: کہ "ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان والے بندوں کی یہاں دنیاوی زندگی میں مدد کرتے ہیں، اور اس روز بھی مدد کریں گے، جس میں گواہی دینے والے فرشتے کھڑے ہوں گے، اس سے مراد قیامت کا دن ہے، یعنی اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرمارہے ہیں کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان والے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں، اور قیامت کے دن بھی مدد فرمائیں گے، دنیا کی فلاح بھی ہوگی، اور آخرت کی فلاح بھی ہوگی، دونوں جہانوں میں بندے کو صلاح وفلاح نصیب ہوگی، جب ہم ان بزرگوں کے حالات واقعات پڑھیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی،

اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے ہوتی ہے؟

فرمایا کہ آخرت کی مدد تو ظاہر ہے کہ فرمانبردار کامیاب ہوں گے، اور حکم عدولی کرنے والے، نافرمان ناکام ہوں گے۔

دنیا کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اس طرح ہوتی ہے کہ ماننے والوں کو شروع میں کامیابی دے دی جاتی ہے، اور کبھی دوسری طرح مدد ہوتی ہے کہ ابتداء میں نافرمانوں کو فرمانبرداروں پر غلبہ دے دیا جاتا ہے، لیکن بعد میں من جانب اللہ کسی وقت ان کو کفار اور فساق وفجار سے لیا جاتا ہے، تاریخ اس بات پر گواہ ہے، یعنی جو لوگ فساق وفجار تھے، بدمعاش تھے، وقتی طور پر تو وہ دینداروں پر غالب آگئے، اور انہوں نے دینداروں کو ستایا، پریشان کیا، اور تکلیف دی، آخر کار پکڑے گئے، اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور سارے کے سارے ہلاک کردیے گئے، کتنی قوموں کے واقعات اللہ پاک نے قرآن شریف میں ذکر فرمائے ہیں، وہ تباہ ہوئے، برباد ہوئے، دنیا بھی برباد ہوئی، اور آخرت بھی برباد ہوئی، اور جو اللہ تعالیٰ کے

فرمانبردار بندے ہیں، جب تک وہ ان کافروں کے ماتحت رہے، فساق وفجار کے ظلم وستم میں پستے رہے، اس وقت بھی صبر کی وجہ سے وہ کامیاب رہے،

پھر اللہ پاک نے ان کافروں کو، فاسقوں کو ختم کردیا، اوران دینداروں کو غلبہ عطا فرمادیا، دنیا میں بھی ان کو راحت مل گئی، اورآخرت میں بھی فلاح حاصل ہوئی، نیک اور فرمانبردار بندہ بننے میں دنیا وآخرت دونوں جگہ فائدہ ہی فائدہ ہے، اورانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں سے یہ بھی تسلی ہوتی ہے کہ دین پر مضبوط اور ثابت قدم رہنے کی وجہ سے جس طرح وہ آخرت میں کفار کے مقابلے میں غالب رہے، جس کی خبر کئی قصوں کے بعد اس ارشاد میں دی گئی: یقیناً نیک انجام متقیوں کے لئے ہی ہے، یعنی آخرکار آخرت میں جو انجام ہوگا، اس میں متقی، نیک اور پرہیزگار ودیندار لوگ ہی کامیاب ہوں گے، اور کفار، فساق وفجار اورنافرمان لوگ ناکام ونامراد ہوں گے۔

صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کے واقعات

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جولوگ متقی ہیں، وہ ان کافروں سے اعلیٰ درجے کی حالت میں ہوں گے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان گزرے ہوئے حضرات کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی جو بزرگانِ دین پہلے گزر چکے ہیں، ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور مطالعہ کرکے اس کے مطابق چلنا چاہئے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کو جو شخص کوئی دائمی راستہ اختیار کرنا چاہتا ہو، اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے، جو دنیا سے گزر چکے ہیں،

یعنی ایمان اوراعمالِ صالحہ پر ان کا خاتمہ ہوا ہو، کیونکہ زندہ آدمی کے راہ سے بھٹک جانے کا خدشہ ہے، زندہ آدمی کا طریقہ کار اس وقت تک اختیار کیا جاسکتا ہے، جب تک وہ راہِ راست پر رہے، وہ لوگ جن کے نقشِ قدم پر ہمیشہ چلا جاسکتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، اس کے آخر میں ہے کہ جہاں تک ہوسکے ان کے اخلاق اور عادات

کو اختیار کرو، اور صحابہ کرامؓ کے حالات کے لئے ''حیاۃ الصحابہؓ'' بہترین کتاب ہے، ''حیاۃ الصحابہؓ'' اردو میں ہے، اور اس میں حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات بہت ہی معتبر اور مستند طریقے سے لکھے گئے ہیں، یہ بات ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے عادات واخلاق کی اسی وقت اتباع کی جاسکتی ہے، جب ان کے حالات وواقعات معلوم ہوں، اس لئے صحابہ کرامؓ کے حالات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرنا، یا کسی جاننے والے سے سننا چاہئے، جس طرح قرآن مجید میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء اور اولیاء کے قصے اور ان کے حالات، اُن حضرات کی پیروی کرنے، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی مصلحت سے مذکور ہیں،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ، آپ ان کے راستے کی پیروی اختیار کیجئے، یعنی ان کے نقش قدم پر چلیے، اسی طرح حدیثوں میں بھی ان مقبول بندوں کے قصے بکثرت مذکور ہیں، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں حضرات محدثینؒ کتاب القصص کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کرتے ہیں، ان واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے، اس سے ایسے قصوں کا مفید اور قابلِ عمل ہونا معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے اکابرینِ امت نے ایسے مفید قصوں کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

کتاب پڑھنے، سننے کے دو فائدے

آخر میں حضرت کچھ کتابوں کا ذکر فرماتے ہیں، جن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ہیں، اولیاء اللہ کے حالات، اور ان کی حکایات وواقعات ہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم ان کا مطالعہ کرنے کا معمول بنائیں، اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے، ایک تو بزرگوں کے حالات وواقعات پڑھنا، گویا ان کی صحبت میں بیٹھنا ہے، ان کی صحبت کا فائدہ ہوگا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں خاص اثر رکھا ہے، یعنی جیسے کسی زندہ اللہ والے کی صحبت میں بیٹھنے سے اثر ہوتا ہے، ایسے ہی ان انبیاءؑ، صدیقینؓ، شہداءؒ اور صالحینؒ اور اولیاءؒ کے واقعات پر مشتمل کتابوں کے مطالعے سے بھی اثر ہوتا ہے، اور اس اثر کی وجہ سے آدمی

میں نیکی کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے، برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اب ذیل میں ایسی چند مفید کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے کہ ان کو پڑھنے یا کسی باعمل عالم سے سننے کا اہتمام کریں، یعنی خود مطالعہ کرلیں، اگر کوئی پڑھا لکھا نہ ہو، تو ان میں سے کوئی ایک یا چند کتابیں لے لیں، اور پھر کسی بھی عالم سے کہیں کہ وہ آپ کو پڑھ کر سنا دیا کرے، چاہے وہ مسجد کے امام صاحب ہوں، چاہے مسجد کا مؤذن ہو، آپ ان ہی کو دے دیں، خود پڑھ سکتے ہیں، خود پڑھ لیں، ورنہ ان سے پڑھوا کے سن لیں، اسی طرح خواتین گھروں کے اندر خود مطالعہ کرلیں، یا خود مطالعہ نہ کرسکیں، تو گھر کے اندر کوئی نہ کوئی اردو پڑھنے والا ہوتا ہی ہے، ان کے ذریعے روزانہ پڑھوا کر سن لیا کریں، روزانہ نہ پڑھ سکیں، تو ہفتے میں ایک یا دو دن مقرر کرلیں، اس میں وہ کتاب خود بھی پڑھ لیں، اور پڑھ کر دوسروں کو بھی سنائیں، خود بھی پڑھیں، اور دوسروں کو بھی سنائیں، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔

چند مفید کتابوں کا ذکر

ایک کتاب ہے: تاریخ حبیب الٰہ، یہ تاریخ اسلام کے سلسلے میں مختصر سی کتاب ہے، لیکن بہت اچھی کتاب ہے، دوسری ہے: نشر الطیب، یہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی ایک مشہور کتاب ہے، جس میں حضرتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور احوال جمع فرمائے ہیں، تیسری کتاب ہے: **مغازی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، جیسے غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق وغیرہ، یہ غزوات اس میں ذکر کیے گئے ہیں، چوتھی کتاب ہے: قصص الانبیاء، اس کا تعارف گزر چکا ہے، پانچویں کتاب ہے: مجموعہ فتوح الشام والمصر، مصر اور شام کے فتح ہونے کے واقعات اس میں ذکر کیے گئے ہیں، اس میں بڑے ہی ایمان افروز واقعات ہیں، یہ کتاب عام طور پر ملتی ہے، اور اس میں فتوحات مصر وشام سے متعلق واقعات صحابہ کرامؓ وتابعینؒ سے

منقول ہیں، چھٹی کتاب ہے: فتوح الایران، ساتویں کتاب ہے: فردوس آسیہ، آٹھویں کتاب ہے: حکایت الصالحین، اس میں بزرگوں کے واقعات ہیں۔

نویں کتاب ہے: تذکرۃ الاولیاء، اس میں بھی اولیاء اللہ کے حالات ہیں، دسویں کتاب ہے: انوار المحسنین، یہ بھی اسی طرح کی کتاب ہے، گیارہویں کتاب ہے، ''نزہۃ البساتین''، یہ مشہور کتاب ہے، جس کا آپ کے سامنے بارہا ذکر آچکا ہے، اس میں بڑے بڑے بزرگوں کے واقعات اور حکایات ہیں، بارہویں کتاب ہے، امداد المشتاق، یہ بھی ایک رسالہ ہے، جس کے پڑھنے سے آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، تیرہویں کتاب ہے، حکایات الصحابیات، اس میں صحابیات کے واقعات ہیں، جو عورتوں کے لئے بطورِ خاص مفید ہیں، اور اس میں بہت ہی سبق آموز واقعات ہیں۔

ان کتابوں کے بارے میں حضرتؒ نے ہدایت لکھی ہے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کریں، یا کسی سے پڑھ کر سنیں، لیکن اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، تو اسے چھوڑ دیں، کوئی وعظ سمجھ میں نہ آئے، تو اسے چھوڑ دیں، چھوٹی موٹی بات سمجھ میں نہ آئے، تو نشان لگالیں، اور کسی مقامی عالم سے اس کا مطلب سمجھ لیں، اور اگر کوئی بڑی بات سمجھ میں نہ آئے، تو اسے چھوڑ دیں، کیونکہ ہر بات کا پوری طرح سمجھنا کوئی ضروری نہیں ہے، مقصد ان بزرگوں کے حالات وواقعات سے واقفیت ہے، اور اس کے جو نیک اثرات ہیں، وہ حاصل کرنا مطلوب ہے، وہ ان شاء اللہ اس طرح بھی حاصل ہوجائیں گے۔

اس روح کا خلاصہ

الحمدللہ! یہ روح آج مکمل ہوگئی، اور پوری روح کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اگر چاہتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہوجائے، اور ان کی بھی اصلاح ہوجائے، اور ہمارے اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت پیدا ہوجائے، اور ہمارا ظاہر وباطن درست ہوجائے، ہمارے اخلاق واعمال سنور جائیں، تو کسی نہ کسی اللہ والے کی

صحبت کو اختیار کریں، اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اللہ تعالیٰ کی خاطر ان کے پاس جائیں، ان سے ملتے جلتے رہیں، اور ان کی باتوں کو سن کر ان پر عمل کرنے کا اہتمام کریں، اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا بھی کریں، کہ یا اللہ! مجھے نیک صحبت نصیب فرما، اور نیک صحبت میں آپ نے جو اثر رکھا ہے، وہ مجھے پورا پورا عطا فرما، اور مجھے اپنا سچا اور پکا فرمانبردار بندہ نصیب فرما، اور ساتھ ساتھ اگر کسی کی صحبت میسر نہ ہو، یا کم میسر ہو، تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

انٹرنیٹ پر نیک مجلس سننا

ایک صورت یہ بھی ہے کہ جن بزرگوں کے بیانات ہوتے ہیں، اور مجلسیں ہوتی ہیں، وہ آج کل الحمدللہ! انٹرنیٹ پر نشر ہوتی ہیں، جس سے ہم اپنے گھر بیٹھ کر براہِ راست سن سکتے ہیں، اور اپنے گھر والوں کو سنا سکتے ہیں، اس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے، یہ بھی نیک صحبت میں بیٹھنے کا آسان طریقہ ہے، مردوں کے لئے بھی، اور عورتوں کے لئے بھی، اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ اپنے نیک بندوں سے وابستہ رہنے کی توفیق دے، اور اخلاص کے ساتھ ان سے جڑنے اور ہماری اولاد کو جڑنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا سچا اور پکا تعلق عطا فرمائے، اور ہمارے قلب میں اپنی محبت، اپنے ماسواء کی محبتوں پر غالب فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلۂ درسِ حیات المسلمین

سیرتِ طیبہ کا مختصر تذکرہ

(۸)

شرح روحِ ہشتم

بیان نمبر (۵۹)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۱۴ جون ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نمازِ عصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ وأشھد أن لّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبِیّنَا ومولانَا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و أصحابِہٖ و بارک و سلّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّا بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(الاحزاب، آیت نمبر ۲۱)

وقال تعالٰی:

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(الجمعۃ، آیت نمبر ۱۰)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الأمت، مجدد الملّت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس مشہور کتاب "حیاتُ المسلمین" کی روح ہشتم، یعنی آٹھویں روح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر فرمایا ہے، اور سیرت کے معنی آتے ہیں: عادت، خصلت، اخلاق، اعمال،

مطلب یہ ہے کہ اس روح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث کی روشنی میں سرکارِ دو عالم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوارِ مبارکہ، خصائلِ حمیدہ، اور اعمال واقوالِ مبارکہ ذکر فرمائیں گے، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک خوبصورت نقشہ سامنے آئے گا۔

سیرتِ طیبہ کو جاننے کی اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا جاننا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائلِ حمیدہ سے واقف ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ مبارکہ سے باخبر ہونا، ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے نہایت ضروری ہے، ہم میں سے کسی کو بھی اپنے بارے میں اتنا جاننا ضروری نہیں ہے، جتنا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جاننا ضروری ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں، ہمیں اللہ جل شانہ کے بارے میں جو کچھ علم ہوا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہوا، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بھی جو کچھ پتہ چلا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے ہمیں معلوم ہوئے، جنت کے بارے میں، جہنم کے بارے میں، قیامت کے بارے میں، قبر کے بارے میں، عالمِ برزخ کے بارے میں، عالمِ آخرت کے بارے میں، حساب وکتاب کے بارے میں، پل صراط کے بارے میں اور اعراف کے بارے میں جو کچھ بھی ہمیں علم ہوا ہے، وہ صرف اور صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معلوم ہوا ہے، ہمارے ایمان کی بنیاد بھی سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے، اس کا سب سے بڑا اور اصل ذریعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے واقف ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں جاننا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات واخلاق اور شمائل سے واقف ہونا بہت ضروری ہے، اور صرف جاننا کافی نہیں، بلکہ جو عادتیں، جو خصلتیں، جو باتیں، اور جو اخلاق واعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ہمارے علم میں آئیں، ہم ان کو اختیار کریں۔

سیرت طیبہ کو جاننے کا پہلا فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالات جاننے سے ان شاء اللہ تعالیٰ دو بڑے بڑے فائدے ہوں گے، سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا وآخرت میں نجات کا ذریعہ ہے، اور اس پر جو فضیلت پچھلی روح میں بیان ہوئی ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوگی، وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوگا، اتنی بڑی سعادت اور اتنی بڑی دولت اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ نصیب ہوگی، کہ جس کو جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی، قیامت میں وہ اتنے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ مل جانا، یہ دنیا وآخرت میں کامیابی کا بہترین نسخہ ہے، اور پیچھے جہاں یہ فضیلت گزری ہے، وہاں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ چاہے محبت کرنے والے کا عمل، جس سے محبت سے کر رہا ہے، اس کے عمل کے برابر نہ ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ہمراہ کردیں گے، اور اس کی ہمراہی عطا فرمادیں گے، اور کیا چاہئے بھئی! یہ یقینی بات ہے کہ ہم سے ایسا عمل ہو نہیں سکتا، کہ اس عمل کی بنیاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوسکیں، لیکن محبت کا عمل، ایک ایسا عمل ہے کہ اس محبت کے نتیجے میں محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے قدموں میں پہنچ جائے گا، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سننے اور جاننے سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا۔

سیرت طیبہ کو جاننے کا دوسرا فائدہ

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت دل میں پیدا ہوگی، ویسے ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ عمل کی توفیق ہوگی، اور یہی مقصود اصلی ہے، فی الحال ہمارے اندر دونوں باتوں کی کمی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر محبت ہونی چاہئے، وہ بھی کم ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر جس قدر عمل ہونا چاہئے، وہ بھی بہت کم ہے، سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے ہماری ان دونوں کوتاہیوں کا ان شاء اللّٰہ تعالیٰ علاج ہوجائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی ان شاء اللّٰہ پیدا ہوجائے گی، اور محبت ہی عمل کا ذریعہ ہے، اتباع کا ذریعہ ہے، تابعداری کا ذریعہ ہے، ان شاء اللّٰہ سیرت طیبہ کے پڑھنے اور سننے سے عمل کی بھی توفیق ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کے سردار ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی کا یہ شعر بہت اچھا ہے کہ ؎

گلاب جیسے ہے سارے پھولوں میں
حضور ایسے ہیں سب رسولوں میں

(صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی جیسے تمام پھولوں کا سردار گلاب کا پھول ہے، سارے پھول اس کی خوبصورتی اور خوشبو کے آگے کم ہیں، ایسے ہی سارے پیغمبروں اور رسولوں میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، سب کے سردار، سب سے اعلیٰ، سب سے ارفع، اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بس! جیسے اللہ جل شانہ کو جاننے کے لئے اور پہچاننے کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھ کر

پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ قرآنِ کریم سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ جل شانہ کیا ہیں، اور کیسے ہیں؟ اسی طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننے کے لئے، پہچاننے کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہیں؟ کیسے ہیں؟ اس کے لئے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ضروری ہے، اس لئے یہ روح بہت اہم ہے، بہت توجہ اور دھیان سے اس کو سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے، اور پھر خود بھی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک جامع اور مختصر کتاب

ایک بہت ہی چھوٹی سی کتاب ہے، اس کا نام ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صورت، اس میں دو باتوں کا بیان ہے، ایک سیرت کا، اور ایک شکل وصورت کا، سیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار، اخلاق واعمال مبارکہ کا ذکر ہے، یہاں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا ذکر ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں کیسی تھیں؟ ناک مبارک کیسی تھی؟ منہ مبارک کیسا تھا؟ پیشانی مبارک کیسی تھی؟ کان مبارک کیسے تھے؟ سر مبارک کیسا تھا؟ بال مبارک کیسے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم کس طرح کا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کیسے تھے؟ کمر مبارک کیسی تھی؟ اس میں آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان جو مہرِ نبوت تھی، وہ کس طرح کی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں مبارک کیسی تھیں؟ قدم مبارک کیسے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح چلتے تھے؟ کس طرح اٹھتے تھے؟ کس طرح بیٹھتے تھے؟ کس طرح سوتے تھے؟ کس طرح جاگتے تھے؟

صورت میں ان چیزوں کا بیان آتا ہے، اور قربان جائیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو انہوں نے محفوظ رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک

ارشاد کو یاد رکھا، اور ان کے واسطے ہم تک پہنچا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ مبارک کا پورا نقشہ بھی حفظ کرلیا، اور اس کو بڑے خوبصورت انداز سے بیان کیا کہ ان کے واسطے سے آج ہمارے پاس بھی وہ سب کچھ پہنچ گیا اور محفوظ ہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر کے ہوگئے، تو سوائے چند بالوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اللہ تعالیٰ نے سفید نہیں فرمائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپا آیا، لیکن جس طرح آج کل چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد آدمی کے داڑھی اور سر کے بال سفید ہونے لگتے ہیں اور اکثر بال سفید ہوجاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال اور داڑھی مبارک کے بال سارے کے سارے سفید نہیں ہوئے تھے، جتنے بال سفید تھے، وہ بیس (۲۰) سے کم کم تھے، چند بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں طرف کی کنپٹیوں میں سفید ہوئے تھے، کچھ ہونٹ کے نیچے، جو ریش بچہ کہلاتی ہے، اس میں بال سفید ہوئے، کچھ سر مبارک میں سفید بال ہوئے، صحابہ کرامؓ نے ان بالوں کو بھی گن کر یاد رکھا۔ سبحان اللہ! کیا عاشقانہ شان ہے!

اندازہ کرو کہ کتنے بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید ہوئے ہیں! صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مُبارک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی ساخت، یہ سب محفوظ ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک محفوظ چلا آرہا ہے، بہر حال حضور ﷺ کی سیرت وصورت یہ چھوٹا سا کتابچہ ہے، اس میں اختصار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ طیبہ کا ذکر ہے، اس کے پڑھنے سے بھی ایمان تازہ ہوتا ہے، اس میں حضور ﷺ کی سیرت اور صورت دونوں جمع ہیں۔ اس کا مطالعہ کریں!

چند مشہور اور مستند کتابیں

اس سے ذرا تفصیل کے ساتھ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے: سیرت

خاتم الانبیاء، اگر پہلی کتاب نہ ملے، تو یہ ملتی ہے، الحمدللہ! یہ پہلی فرصت میں لے لینی چاہئے، یہ ایسی مختصر اور آسان ہے، گویا دریا کوزہ کے اندر بند ہے، کم سے کم اس کا عام طور پر ہم میں سے ہر ایک کو مطالعہ کرنا چاہئے، یہ کتاب ایسی ہے کہ ہمارے یہاں بچوں کو پڑھائی جاتی ہے، مگر اپنے موضوع کے اعتبار سے، اور اندازِ بیان کے اعتبار سے یہ ایسی کتاب ہے کہ مرد بھی پڑھیں، عورتیں بھی پڑھیں، لڑکیاں بھی پڑھیں، لڑکے بھی پڑھیں، بچے بھی پڑھیں، بوڑھے بھی پڑھیں، سب کے لئے نافع اور مفید ہے، اور اس سے بھی ذرا اور تفصیل کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کرنا ہو، تو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے، یہ دو جلدوں میں ہے، یہ بھی عام ملتی ہے، یہ بھی بڑی معتبر اور مستند کتاب ہے، اس پر حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق ہے۔

سیرت طیبہ کے مطالعے کے لئے یہ تین کتابیں ان شاء اللہ تعالیٰ کافی وشافی ہیں، ویسے علماء نے سیرت پر کتابیں لکھنے میں دریا بہائے ہیں، اردو میں جو بہت ہی مفصل سیرت کی کتاب ہے وہ ہے: ''سیرت النبی'' علامہ شبلی نعمانی کی، جس کو وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکے، تو ان کے مایۂ ناز شاگرد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پورا کیا، اس کی موٹی موٹی چار، پانچ جلدیں ہیں، بڑے سائز میں ہے، اس میں جہاں کہیں کچھ کمی کوتاہی رہ گئی تھی، حضرت سید صاحب نے ان سب کو دور کیا، علماء کے لئے، پڑھے لکھے لوگوں کے لئے وہ بھی بڑی اہم کتاب ہے۔

سیرت کو اپنانے کی فکر... ایک عجیب واقعہ

جب حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو پورا کر چکے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات ہیں، عادات وخصائل بھی ہیں، اور سارے احوالِ زندگی بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ بات پیدا کی کہ

میں نے رحمۃ للعلمین، خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو لکھ دی، لیکن سیرت کی کوئی جھلک میرے اندر ہے بھی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی یہ فکر، یہ تڑپ، اور طلب پیدا فرمادیں، اندازہ ہوا کہ جھلک بھی اندر نہیں آئی، کتاب تو اتنی موٹی لکھ دی، لیکن افسوس کہ اس کی کوئی جھلک میرے اندر نہیں آئی، اور مقصود اصلی یہ ہے کہ ہمارے اندر بھی وہ چیز آنی چاہئے، جو اس کے اندر ہے، تو جستجو پیدا ہوئی کہ بھئی! سیرت کی جھلک اور سیرت کا جو تقاضا ہے، وہ میرے اندر کیسے پیدا ہو؟ یعنی میں بھی سیرت پر عمل کرنے والا کیسے بنوں؟ میرے بھی اخلاق، عادات، اطوار ایسے ہوں، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، اور ان کو اختیار کرنے کا اللہ پاک نے حکم دیا:

وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(الحشر: آیت نمبر ۷)

ترجمہ

اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ

تمہارے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بہترین عمل کا نمونہ ہے۔

لہٰذا اسے اپناؤ، اس کو اختیار کرو، تو حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ایک خلش پیدا ہوگئی، اور ایک فکر پیدا ہوگئی کہ میرے اندر سیرت کیسے آئے گی؟ اور میں کیسے سیرت پر عمل کرنے والا بنوں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیقِ عمل عطا فرمائیں، آمین، اس جستجو میں وہ لگے، اور رفتہ رفتہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ چلا،

اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر تین دن تک حضرتؒ کی خدمت میں خانقاہ میں رہے، حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ تیسرے دن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کو پکڑ کر زار و قطار رو رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ سید صاحب کیا بات ہے؟ فرمایا کہ تین دن تک یہاں رہنے کے بعد پتہ چلا کہ جن علوم کو ہم علوم سمجھتے تھے، وہ تو جہالت نکلے، اصل علم تو ان کے پاس ہے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے چلتے ہوئے جب انہوں نے نصیحت کی درخواست کی کہ حضرت! مجھے کچھ نصیحت فرمادیجئے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ میں اتنے بڑے عالم کو کیا نصیحت کروں؟ جو علم و فضل کا پہاڑ ہے، لیکن جب انہوں نے درخواست کی، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے، جو ان کے لئے نافع ہے۔

تواضع، سیرت کی روح ہے

پھر فرمایا کہ سید صاحب! ہم نے اس راستے کو یعنی اصلاح و تربیت کے راستہ کو جتنا بھی دیکھا، اور اس میں غور کیا، یہی پایا کہ جہاں تک ہو سکے، اپنے آپ کو مٹانا چاہئے، اور ہاتھ سے یوں (دایاں ہاتھ دل پر رکھ کر اسے نیچے کی طرف جھکاتے ہوئے لے جاکر) اشارہ کیا، کہتے ہیں کہ جب حضرت نے زبان سے یہ فرمایا، اور ہاتھ سے بھی اشارہ کیا، تو ایسے لگا کہ میرے دل سے بھی سارا خناس نکل گیا، اور دل میں عاجزی، انکساری اور خاکساری آنی شروع ہوگئی، بس! وہ یہ نصیحت لے کر وہاں سے نکلے، یہ سیرت کی روح ہے، تواضع، انکساری، عاجزی اور خاکساری، جس کو عبدیت بھی کہتے ہیں، یہ سیرت کی روح ہے، کیونکہ سیرت طیبہ کی جڑ اور اس کی بنیاد، اور اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ بندہ، بندہ بن جائے، اس میں کسی قسم کا غرور نہ ہو، تکبر نہ ہو، بڑائی نہ ہو، نخوت نہ ہو، کسی قسم کا کبر نہ ہو، اس میں عاجزی ہو، انکساری ہو، تواضع ہو، خاکساری ہو، اور اپنے کو کچھ نہ سمجھے، بس! جتنا اپنے دل میں اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا پیدا کرے، اتنا ہی اس کے اندر سیرت طیبہ کا رنگ چڑھتا

چلا جائے گا۔

حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ پھر سید صاحب نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ ایک دن میں ان کے گھر گیا، تو انہوں نے اپنا غسل خانہ دکھلایا، میں نے دیکھا کہ اس میں ٹنکی تھی، ایک پڑی تھی، ایک لوٹا تھا، ایک مسواک تھی، ایک ٹنکی پانی کے لئے، پڑی بیٹھنے کے لئے، لوٹا وضو کے پانی کے لئے، مسواک وضو کرنے کے لئے، بس! کل کائنات اس میں یہ تھی، وہ فرماتے تھے کہ اس سے پہلے وہ ایک پڑھے لکھے عالم وفاضل کا، ایک تعلیم یافتہ آدمی کا بیت الخلاء اور غسل خانہ تھا، جس میں تمام ضروریات نہانے دھونے کی اعلیٰ قسم کی موجود تھیں، اور نہایت ہی مزین اور خوبصورت تھا، لیکن فرمایا کہ وہ سب دل سے نکل گئے، پھر یہ سادگی طبیعت کے اندر آ گئی، یہ پرانی چیزیں دل کے اندر گھر کر گئیں، تو سیرت کی روح عاجزی ہے۔

تواضع کیسے آتی ہے؟

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کو عاجزی اور تواضع عطا فرمادی، مگر یہ تواضع کسی اللہ والے کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کی صحبت سے انکساری آتی ہے، اور کہیں سے نہیں آتی۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تو بھئی! سیرت طیبہ کے پڑھنے سننے سے ان شاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی پیدا ہوگی، تواضع بھی پیدا ہوگی، اور ان شاء اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق ہوگی، اور جب عمل کی توفیق ہوگی، تو دنیا بھی عافیت میں تبدیل ہو جائے گی، اور آخرت بھی عافیت میں تبدیل ہو جائے گی، اور یہی اس کتاب کا لبِّ لباب ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق

فرماتے ہیں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس شعر کا مصداق ہے ۔

فتوح فی فتوح فی فتوح

و روح فوق روح فوق روح

اس کا حاصل یہ ہے، جو میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات اپنے دل میں جمانا، جس سے آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے، اوران عادات کو اختیار کرنے کا شوق بھی پیدا ہو، اس سلسلے میں چند آیات اوراحادیث پیش کی جاتی ہیں، ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں، اللہ پاک نے قرآن کریم میں آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ، (القلم: آیت نمبر ۴)

ترجمہ

اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔

اللہ اکبر ! اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرما رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں، اپنے کلام میں بیان فرما رہے ہیں، کہ میرے محبوب کی سیرت یہ ہے کہ یہ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، معلوم ہوا کہ اپنے اندر اچھے اچھے اخلاق پیدا کرنا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور مروی ہیں، یہ سیرت طیبہ کا اہم مقصد ہے۔

قرآن کریم کا عملی نمونہ

بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کان خلقه القران، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآنِ کریم تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، اللہ پاک نے ایک قرآن کریم نازل فرمایا کتاب کی شکل میں، دوسرا اس کا عملی نمونہ بھیجا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل قرآن شریف کے مطابق زندگی گزارتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآنِ کریم کے عین مطابق تھی، اور سب جانتے ہیں کہ قرآن شریف پر عمل کرنا ہی مقصودِ اصلی ہے، لہٰذا اگر ہم قرآن شریف پر عمل کرنا چاہتے ہیں، جو ہمارے دین وایمان کا مقصودِ اصلی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ہم سے مطالبہ ہے، تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال، اخلاق اور عادات وغیرہ کو پڑھیں اور سنیں، اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اب جتنا کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں، خصلتوں اور اعمال واقوال پر عمل ہوتا جائے گا، اتنا ہی وہ قرآن شریف پر عمل کرنے والا بنتا چلا جائے گا، اور جتنا قرآن شریف پر عمل کرتا چلا جائے گا، اتنا ہی وہ کامیاب ہوتا چلا جائے گا، بہر حال! عمدہ اور اچھے اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنا نہایت ہی ضروری ہے، اور اچھے اچھے اخلاق واعمال سے مراد وہ اخلاق واعمال ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پائے جاتے تھے، اور ان کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

سیرتِ طیبہ کو عمل میں لانے کا طریقہ

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کی عادت بنانی چاہئے، کہ مطالعہ کیے بغیر ہمیں چین نہ آئے، سیرت کی جو کتابیں آپ کو بتائی گئی ہیں، ان کا مطالعہ شروع کردیں، مطالعہ کریں، تو علم آئے گا، اور علم آنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق ہوگی، دوسرا نیک صحبت میں بیٹھنا، جتنا ہمارا تعلق کسی اللہ والے سے ہوگا، اور اس کی خدمت وصحبت میں ہم بیٹھیں گے، اور ان سے اپنا تعلق قوی اور مضبوط رکھیں گے، توان شاء اللہ تعالیٰ سیرت طیبہ پر

عمل ہمارے لئے آسان ہوتا چلا جائے گا، اور تیسرے یہ کہ مطالعہ کر کے بیٹھ جانا کافی نہیں، بلکہ ساتھ ساتھ اس بات کا جائزہ لینا کہ ہمارے اندر بہتری آرہی ہے، یا نہیں؟ ہمارے حالات کیسے ہیں؟ ہمارے اخلاق سنور رہے ہیں، یا نہیں؟ یہ اس وقت پتہ چلے گا، جب ہم اپنے مرشد کو اپنا حال بتائیں گے،

جب ہمارا حال ان کے سامنے جائے گا، وہ اس پر کوئی نہ کوئی ہدایت دیں گے، کوئی نہ کوئی مشورہ دیں گے، کوئی نہ کوئی رہنمائی دیں گے، پھر اس پر ہم عمل کریں گے، پھر اپنا حال ان کو بتائیں گے، وہ پھر کوئی مشورہ دیں گے، یہ سلسلہ ایسا ہے کہ جس سے ہمارے اندر کے حالات میں بہتری، اور آسانی آئے گی، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ، اور سیرت طیبہ آہستہ آہستہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ہماری زندگی میں داخل ہوگی، تو تینوں باتوں کی ضرورت ہے یعنی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا حضور ﷺ کے اچھے اچھے اخلاق کو اختیار کرنا اور کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرنا، تینوں باتوں سے ان شاء اللّٰہ تعالیٰ یہ اہم مقصد کامیابی کے ساتھ حاصل ہوگا، لہٰذا اس آیت میں اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فخرِ جنس انسانیت

دوسری آیت میں اللہ پاک نے فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس بشر سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، اور تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، بالخصوص! ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم)، یعنی اللہ جل شانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین خوبیاں بیان فرما رہے ہیں، ایک تو یہ کہ یہ پیغمبر، جو تمہارے پاس آئے ہیں، وہ تمہاری جنسِ بشر ہیں، یعنی یہ بھی تمہاری طرح بشر ہیں بلکہ اکمل البشر اور فخرِ انسانیت ہیں، ان کی ذات نہ فرشتہ ہے، ان کی ذات نہ جنسِ جنّات سے ہے، بلکہ وہ حضرت آدم علیہ

السلام کی نسل سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے پیغمبر ہیں۔

امت سے محبت اور پیار کا عالم

دوسرا یہ کہ جس چیز سے تم کو تکلیف پہنچے، نقصان پہنچے، ایسی بات ان کو بہت گراں گزرتی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ میرے کسی امتی کو ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے، اس لئے دنیا و آخرت کے نقصان کی جتنی بھی باتیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کھول کر بیان کر دیں، اور ان سے بچنے کی تاکید فرمادی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت اور محبت کی بات ہے، اور ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ساتھ اپنی محبت اور شفقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میرا حال تو ایسا ہے کہ جیسے رات کو کسی جگہ ایک الاؤ روشن کیا جائے، لکڑیاں اکٹھی کر کے اسے جلایا جائے،...

عام طور پر آپ دیکھیں گے کہ پروانے، پتنگے اڑ اڑ کر آگ کے پاس آتے ہیں، اور اس میں جل کر مر جاتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ تو پتہ چلتا ہے کہ آگ ہے، بڑی خوبصورت ہے، بڑی عمدہ ہے، بڑی اچھی ہے، چلو! لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ جلانے والی بھی ہے، لہٰذا وہ اس میں گر کر مر جاتے ہیں، اور اگر ان کو روکنے کی کوشش کریں، تو وہ دائیں بائیں سے راستہ نکال کر اس میں جا کر گرتے رہتے ہیں، کہاں کہاں سے ان کو روکا جائے؟ کوئی اِدھر سے آرہا ہے، کوئی اُدھر سے آرہا ہے،... فرمایا: بس! میرا حال یہ ہے کہ میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر دوزخ سے بچاتا ہوں، دوزخ میں جانے سے تمہیں روکتا ہوں، تاکہ تم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں نہ جاؤ، لیکن تم مجھ سے ہاتھ چھڑا چھڑا کر دوزخ میں گھسے جاتے ہو، تو فرمارہے ہیں کہ میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ تم کسی طرح سے جہنم میں نہ گر جاؤ، اور آگ میں نہ جلو، لیکن تمہارا حال ان پتنگوں جیسا ہے، جو دیوانہ وار اس آگ کی طرف اُڑے جارہے ہیں، تو یہ عالم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت سے شفقت

ومحبت کا، اور اسی محبت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کیلئے ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف کی چیز بھی گوارا نہیں فرماتے۔

ہمارے لئے ایک اہم سبق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف پہنچے، ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصلت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عادت کو اختیار کرنا چاہئے، اپنے مسلمان بھائیوں کی معمولی سے معمولی تکلیف سے بھی ہمارے دل میں تکلیف ہونی چاہئے، اور ہمیں ان کی تکلیف کا احساس ہونا چاہئے، اور اپنی طرف سے ان کی اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں، وہ کرنا چاہئے، جس میں ادنیٰ درجہ کم از کم یہ ہے کہ ان کے لئے دعا ہی کر دیں، اور ان کی تکلیف اور غم پر اظہارِ غم ہی کر دیں، اور کچھ نہ کر سکیں، تو دعا ہی کر دیں، آگے اس سے بڑھ کر آگے کے درجات بھی ہیں، جس کو ان کی توفیق ہو، ہمت ہو، طاقت ہو، وہ کریں۔

''وہ تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں''، دوسری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک کا یہ ذکر فرمایا کہ جس چیز سے تم کو نفع پہنچے، وہ تمہارے لئے اس کے طالب ہیں، چاہتے ہیں کہ جو نفع بھی ہو، جو فائدہ بھی مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے، تو گویا دل وجان سے خیر خواہ اور ان کی مضرت اور تکلیف سے تکلیف اٹھانے والے ہیں، مسلمانوں کو تکلیف پہنچے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تکلیف پہنچنا گوارا نہیں، اور ہر قسم کا فائدہ اور نفع پہنچانے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہشمند رہتے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہئے، اللہ پاک قرآنِ کریم میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی بیان فرما رہے ہیں، اور آپ کی عادات وخصائل بیان فرما رہے ہیں۔ ان کے آخر میں فرماتے ہیں:

انتہائی شفیق اور مہربان ذات

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ: آیت نمبر ۱۲۸)

ترجمہ

جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔

یعنی جس طرح سارے انسانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی ہے، خیر خواہی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ جتنے بھی کافر ہیں، مسلمان ہو جائیں، کوئی بھی کافر، کافر نہ رہے، اور کوئی بھی کافر کفر کی حالت میں مر کر جہنم میں نہ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ان کے اوپر بھی ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بہت کوشش کرتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلموں، کافروں کے ایمان نہ لانے سے بہت صدمہ ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وجہ سے بہت کڑھن ہوتی تھی، کہ یہ کیوں مسلمان نہیں ہوتے؟ اگر یہ مسلمان نہیں ہوں گے، تو جہنم میں جائیں گے،

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف ہمارا پیغام پہنچانا ہے، آگے یہ مسلمان ہوں، یا نہ ہوں، یہ ہم جانیں، ہماری حکمت جانے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کیوں اپنے آپ کو غم میں مبتلا کرتے ہیں؟ کیا اپنے آپ کو ان کے غم میں ہلاک کر لیں گے؟ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہیں، بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کافروں پر بھی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کرتے تھے، کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائیں، تالیفِ قلب کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، ان کی دلجوئی کا بڑا اہتمام کرتے تھے، برے سے برا آدمی بھی آجاتا تھا، تو اس کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کرتے تھے کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے، اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جائے،

کافروں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تھی، رحمت تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں کہ مسلمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی شفیق ہیں اور مہربان ہیں، پہلی آیت میں اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، اور دوسری آیت میں یہ تین باتیں بیان فرمادیں کہ ان کو تمہاری نقصان کی چیز، نقصان کی بات بہت گراں گزرتی ہے، اور وہ تمہیں نفع پہنچانے کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، اور ایمانداروں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔

ایک پریشان صحابی کا واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھئی! تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ کہا کہ جی! میرے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے، بس! دو ہی چیزیں ہیں، ایک ٹاٹ کا ٹکڑا ہے، اور ایک پیالہ ہے، پیالے میں پانی وغیرہ ڈال کر پی لیتا ہوں، ٹاٹ بچھا کر لیٹ جاتا ہوں، اور میرے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے، میرے گھر کی کل کائنات صرف یہ دو چیزیں ہیں، غریب آدمی تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مانگنے کے لئے آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ دونوں چیزیں لیکر آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو چیزوں کے بارے میں بولی لگائی کہ ہاں بھئی! بولو، یہ دو چیزیں کون خریدے گا؟ کتنے میں خریدے گا، ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور! میں ایک درہم میں یہ دونوں چیزیں خریدلوں گا، درہم چاندی کا سکہ ہوتا ہے، جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اس سے زیادہ میں خریدے گا؟ تو دوسرے صحابی نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اس کو دو درہم میں خریدوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو وہ

دونوں چیزیں دے دیں، اور وہ درہم لے لیے، اور پھر ان صحابی سے فرمایا، جو مانگنے آئے تھے کہ بھئی لو، یہ دو درہم لو، ایک درہم کا اپنے گھر میں راشن ڈالو، تاکہ گھر کا چولہا جلے، اور گھر والوں کے لئے کھانا بنے، اور ایک درہم کی کلہاڑی لے کر آؤ، وہ گئے، اور کلہاڑی لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس میں ایک دستہ لگایا، اور کلہاڑی اس کے حوالے کردی، فرمایا: جاؤ! جنگل میں جاؤ، پندرہ دن تک میرے پاس مت آنا، لکڑیاں کاٹو، گٹھڑ بناؤ، مارکیٹ میں بیچو، اور اس طریقے سے پندرہ دن تک کام کرو، محنت کرو، اور محنت مزدوری کرو، پھر میرے پاس آنا،

پندرہ دن کے بعد وہ صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دس درہم کما کر لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا، فرمایا: تمہارے لئے یہ دس درہم بہتر ہیں، اس سے کہ تم قیامت کے دن اس حالت میں آتے کہ مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی شفقت فرمائی! مانگنے سے منع بھی فرمایا، لیکن علاج بھی فرمایا، اور یقیناً دعا بھی فرمائی ہوگی۔

بلا ضرورت سوال کرنے کا مسئلہ

اس طرح سے ان صحابی کو ہمیشہ کی ذلت سے بچالیا، کیونکہ عام حالات میں مانگنا، سراسر ناجائز ہے، جس میں دنیا کی بھی ذلت ہے، اور اللہ بچائے! آخرت میں بھی اس کی ذلت ہوگی، حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی دنیا میں بلا عذرِ معتبر مانگتا ہے، کیونکہ عام حالات میں آدمی کے لئے مانگنا ناجائز ہوتا ہے، صرف حالت اضطرار میں مانگنا جائز ہوتا ہے، حالت اضطرار کے علاوہ عام حالات میں مانگنا ناجائز ہے، جو دنیا میں کسی سے مانگے گا، قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا، صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوں گی، کیونکہ جب آدمی مانگتا ہے، تو اس کا چہرہ ہی سامنے ہوتا ہے، تو اس کا چہرہ ایسے بگڑا ہوا ہوگا، ایسا خوفناک ہوگا کہ اس میں اللہ بچائے! گوشت کا نام ونشان نہیں ہوگا،

بس! ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوں گی، کتنا خوفناک اس کا چہرہ ہوگا!

مانگنے کا یہ وبال ہوگا، اس بڑے وبال سے بھی ان کو بچالیا، اور پھر مانگنے والے کے مال میں کبھی برکت نہیں ہوتی، اللہ بچائے، اللہ بچائے! مانگنے والے کو آپ نے ہمیشہ مانگتے ہی دیکھا ہوگا، کسی مانگنے والے کو آپ نے کبھی مالدار ہوتے نہیں دیکھا ہوگا، مستغنی ہوتے نہیں دیکھا ہوگا، ہم نے تو بچپن سے جن کو مانگتے ہوئے دیکھا، بڑھاپے تک انہیں مانگتے ہوئے ہی دیکھا، کیونکہ اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی، محنت کرے، مزدوری کرے، اس میں برکت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو آخرت کے عذاب سے بھی بچایا، اور دنیا کی ذلت سے بھی بچایا، اور ایسا طریقہ بتایا کہ جس کے ذریعہ ان کی تنگی بھی دور ہوگئی، اس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفیق اور مہربان ہیں۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا ذہن بنالیں، کہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر عمل کرنے کی غرض سے پڑھیں گے، سنیں گے، اور سنائیں گے، پھر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ جب اس نیت سے پڑھیں گے، سنیں گے، سنائیں گے، توان شاء اللّٰہ تعالیٰ سیرت ہمارے اندر آئے گی، باقی اس کا نسخہ؟ وہ میں نے بیان کرہی دیا کہ کس طریقے سے سیرت ہمارے اندر آسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

سلسلۂ درسِ حیات المسلمین

سیرتِ طیبہ اور ہماری زندگی (۲)

(۹)

شرح روحِ ہشتم

بیان نمبر (۶۰)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۲۱ جون ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نماز عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لَہٗ وأشھد أن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونَبِیّنَا ومولانَا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و أصحَابِہٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمابعد!

فأعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾

(التوبۃ: آیت نمبر ۱۱۹)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیاتُ المسلمین'' کی اس آٹھویں روح میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بیان فرمایا ہے، اور قرآن وحدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل بیان فرمائے ہیں، اور ہم سب کو اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات

وخصائل کو اختیار کرنے کا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنانے کا، اور اپنے عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے، اسی نیت سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو سننا چاہئے، اور پھر سن کر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سیرت کو جاننے کا طریقہ

پہلے بھی یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہمیں اپنے اور اپنے ماں باپ کے بارے میں اتنا جاننا ضروری نہیں ہے، جتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جاننا ضروری ہے، یہ بھی ہمارے اندر بہت بڑی کمی ہے کہ ہم دنیا کی باتوں کو جاننے کی بہت کوشش کرتے ہیں، اور دنیا کی معلومات حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس قدر جاننے کی ضرورت ہے، اس قدر جاننے کی کوشش نہیں کرتے، لہٰذا ایک تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوب اچھی طرح جاننے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اس کا طریقہ وہ ہے، جو گذشتہ منگل کو بتایا گیا تھا کہ سیرت کی اردو میں جو آسان آسان اور مستند اور معتبر کتابیں ہیں، ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور جو کچھ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جانیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادتیں وغیرہ معلوم ہوں، حتی الامکان ان کو اختیار کرنے کی کوشش کریں، اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(الحشر: آیت نمبر ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں حکم دیں، اس کو لے لو، اور اس پر عمل کرو، اور جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں، اس سے باز رہو، یہ اللہ پاک نے قرآن شریف میں فرمایا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ (القلم: آیت نمبر ۴)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، جس سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق اور اعمال کو اختیار کرنے کی کوشش کریں، چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(الاحزاب: آیت نمبر ۲۱)

بلاشبہ تمہارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں عمل کا بہترین نمونہ اور اسوہ ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو، ان کے حالاتِ زندگی پڑھو، ان کے اخلاق، اعمال دیکھو، اور پھر اپنی زندگی کو ان اخلاق کے مطابق بنانے کی کوشش کرو۔

اتباعِ سنت اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا عملی نمونہ بنایا تھا، یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جس پر عمل کرنا راہِ نجات ہے، اب قرآن شریف پر عمل کیسے کریں؟ اللہ پاک نے قرآن شریف کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہیں، تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے ہیں، تم اس طرح روزے رکھو، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں رہتے ہیں، تم اس طرح رہو، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے تھے، تم بھی اسی طرح اٹھو، بیٹھو سوؤ اور جاگو، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بولتے تھے، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے معاملہ کرتے تھے، تم بھی اسی طرح کرو، جتنا ہمارا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مشابہ ہوگا، اتنا ہی ہمارا عمل قرآن شریف کے مطابق ہوگا، اور یہی ہمارے دین وایمان کا اصل مقصد ہے۔

محبت پیدا ہونا

سیرتِ طیبہ کے پڑھنے سے اور سننے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے ہمارے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل میں بڑھے گی، اور اللہ جلّ شانہ کے بعد اس کی مخلوق میں، اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں سب سے افضل ذات، رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مقصود اور مطلوب ہے، جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی، اسی قدر قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب حاصل ہوگا، غرضکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی مطلوب ہے۔

مخلوق میں سب سے زیادہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ:

لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِیْنَ.

ترجمہ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز کامل مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک محبوب ہو جاؤں، اس کے باپ سے، اس کی اولاد سے، اور تمام لوگوں سے۔

جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب نہیں ہوں گے، اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوگا، اور قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تو میری تابعداری اور فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے، میری تابعداری کے بغیر اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو، تو وہ غیر معتبر ہے، اور سیرت طیبہ کے مطالعہ

کرنے سے یہ عظیم مقصد بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا، اس لئے یہ مضمون اور یہ روح بڑی اہم ہے، اس لئے ہمیں بڑی توجہ اور بڑے دھیان سے عمل کرنے کی نیت سے اس کو پڑھنا اور سننا چاہئے۔

ولیمے کی دعوت کا واقعہ

فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرامؓ دعوتِ ولیمہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف محسوس فرما رہے تھے، لیکن شرم وحیاء کی وجہ سے زبان سے اٹھ کر جانے کا حکم نہیں فرمایا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ... الآية

(الأحزاب: آیت نمبر ۵۳)

ترجمہ:

اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے،

یعنی کھانا کھانے کے بعد تمہارے بیٹھے رہنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری اور تکلیف ہوتی ہے، سو! وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور زبان سے صاف صاف نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اور اللہ تعالیٰ صاف کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں فرماتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس بات کو نازل فرمایا، اور اس کے ذریعے صحابہ کرامؓ کو حکم فرمایا کہ آئندہ تم ایسا نہ کرنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنا ولیمہ فرمایا: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، اور نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت ولیمہ ادا فرمائی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کا ولیمہ فرمایا ہے، یعنی بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکا کر، گوشت روٹی کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ولیمہ فرمایا ہے، اور دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں دوسروں کو ولیمے میں کھلانے کے لئے کچھ نہیں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ جس جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہے، وہ لے آئیں، اور سب کی کھانے کی چیزیں جمع فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کھالو، اس طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ فرمایا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ تو اتنا سادہ تھا کہ اس سے سادہ ولیمہ شاید نہ ہو سکے، کہ بس! ایک دودھ کا پیالہ کہیں سے آیا تھا، وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو پلا دیا، اور ولیمہ ہو گیا، دیکھو! سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ کرنے کا طریقہ کتنا آسان اور کس قدر سادہ تھا! نہ کوئی بکھیڑا، نہ کوئی پریشانی، نہ کوئی بوجھ، نہ کوئی تکلیف، جیسا موقع دیکھا، اسی کے مطابق ولیمہ کر کے ولیمے کی سنت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔

شادی کی ناجائز رسمیں

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ طریقہ بطورِ نمونہ کر کے دکھا دیا کہ جیسے میں ولیمہ کر رہا ہوں، تم بھی اپنی حیثیت کے مطابق، جیسی سہولت ہو، ویسے ہی ولیمہ کرلو، لیکن آج کل ہم نے ولیمے کو کتنا بڑا پہاڑ بنایا ہوا ہے؟ اور کیسی مصیبت بنا کر اختیار کیا ہوا ہے؟ کہ جب تک ہزار، پانچ سو آدمی کی دعوت نہ ہو، اس وقت تک ولیمہ نہیں ہو سکتا، اور اس ولیمے میں بھی ایک کھانا ہونا کافی نہیں، کئی کئی کھانوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اور اس کے لئے کتنا بڑا خرچ کرنے کا عام طور پر اہتمام کیا جاتا ہے، چاہے کسی کی طاقت ہو، یا نہ ہو، چاہے اس کی استطاعت ہو، یا نہ ہو، چاہے اس کو قرض لینا پڑے، چاہے اس کو پلاٹ بیچنا پڑے، چاہے اس کو معاذ اللہ! سودی قرضہ لینا پڑے، لیکن اس کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بالکل خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے میں راحت ہی راحت ہے، اور اس سے ہٹ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔

ہم نے اپنی طرف سے شادی بیاہ میں ایسے ایسے طریقے اختیار کررکھے ہیں، ایسی ایسی رسمیں اختیار کررکھی ہیں، ایسے ایسے خلافِ شرع کام اپنائے ہوئے ہیں کہ جس کی وجہ سے بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے منگنی قیامتِ صغریٰ ہے، اور نکاح قیامتِ کبریٰ ہے، منگنی بھی بے شمار بڑے بڑے گناہوں پر مشتمل ہے، اور طرح طرح کی رسموں اور پابندیوں پر مشتمل ہے، اس لئے وہ بھی بلاشبہ قیامتِ صغریٰ ہے، مصیبت ہے، ظاہر میں وہ خوشی کی چیز ہے، اور حقیقت میں وہ رونے کی چیز ہے، اسی طرح نکاح میں لینا دینا اور طرح طرح کی ایسی رسمیں ہیں کہ وقت کا امیر بھی فقیر ہوجائے، اور پھر عام طور پر ایسی شادی میں نہ برکت ہوتی ہے، نہ ہی خیر ہوتی ہے، نہ عافیت ہوتی ہے، نہ راحت ہوتی ہے، دوسرے دن سے لڑائی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں، خیر و برکت تو صرف اور صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم میں ہے، اس سے ہٹ کر مصیبت ہی مصیبت ہے، پریشانی ہی پریشانی ہے، آفت ہی آفت ہے،

نکاح کے سلسلے میں اتنے سارے بکھیڑے اور اس قدر تکلیف دہ کام ہمارے معاشرے میں اپنائے گئے ہیں، جن کی وجہ سے بلاشبہ نکاح قیامتِ کبریٰ بن گیا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعی محبت ہے، اور ہونی چاہئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے سر کا تاج ہے، تو ہمیں اپنے آپ کو مروجہ تمام غیر شرعی رسموں سے، غیر شرعی باتوں سے، خلافِ شرع پابندیوں سے بچانا ضروری ہے، اگر لڑکے کی شادی ہو، تو وہ بھی ناجائز اور خلافِ شرع طور طریقوں سے اپنے آپ کو بچائے، اور اس سے زیادہ اس کے ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی شادی میں ان ناجائز اور خلافِ شرع پابندیوں اور طور طریقوں سے اپنے آپ کو بچائیں، منگنی بھی سادگی کے ساتھ کریں، اور شادی بھی اپنی حیثیت کے اندر سنت کے مطابق کرنے کا اہتمام کریں، اس سلسلے میں ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ''شادی بیاہ کے اسلامی

احکام‘‘، اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور مطالعہ کر کے اس میں جو ضروری باتیں لکھی گئی ہیں، ان کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

دعوت کا ایک اہم ادب

بہرحال! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کے بعد ولیمہ فرمایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے، اور اللہ پاک کا حکم بھی ہے کہ جب آدمی کسی کی دعوت میں جائے، تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بلاضرورت وہاں نہ بیٹھے، وہاں سے اٹھ کر چلا جائے، چاہے کسی اور جگہ بیٹھ جائے، یا اپنے گھر چلا جائے، لیکن میزبان کے سر پر بوجھ بن کر وہاں نہیں بیٹھنا چاہئے، ہاں! کوئی اور وجہ ہو، مثلاً میزبان نے خود اس سے کہا ہو کہ بھئی! آپ ٹھہر جائیں، آپ یہیں آرام کریں، آپ ابھی نہ جائیں، جیسے گھر کے افراد ہوتے ہیں کہ وہ کھانا کھانے کے بعد بھی وہیں پڑے رہتے ہیں، قریبی بہن بھائی وغیرہ کا بھی یہی حال ہوتا ہے، اس صورت میں ٹھہر سکتے ہیں، لیکن عام طور پر عام دعوت میں ایسا نہیں ہوتا کہ جو بھی دعوت میں آنے والا ہے، وہ کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھا رہے، اس سے عام طور پر دعوت کرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے، حکم یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد اٹھ جانا چاہئے، اور میزبان کو دعا دے کر چلے جانا چاہئے، بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمہ کی دعوت فرمائی، اور لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو گئے، تو پھر بھی کچھ لوگ وہاں پر بیٹھے رہے، اور آپس میں باتیں کرتے رہے، اور اس وقت پردے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ وہاں سے کچھ فاصلے پر دیوار کی طرف آڑ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ یہ جائیں، تو میں اپنے دوسرے کام انجام دوں۔

لحاظ اور برداشت کی عجیب مثال

وہ اپنی باتوں میں مشغول تھے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف محسوس

فرما رہے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی یہ شان تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہؓ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر جان دینے والے تھے، ان کو بھی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ بس بھئی! اب کھانا کھا چکے، اب چلے جاؤ، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ بھی دیتے، تو صحابہ کرامؓ کبھی بھی برا نہ مناتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء وشرم کی وجہ سے نہیں فرمایا، آخر اللہ پاک نے قرآن مجید میں یہ آیت نازل فرمائی، کہ تمہارے اس طرح بیٹھنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اس لئے زبان سے نہیں فرماتے، کہ اٹھ کر چلے جاؤ، لیکن اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتے، اس لئے اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ:

وَ لَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ، (الاحزاب: آیت نمبر ۵۳)

کہ بیٹھے بیٹھے باتوں میں نہ لگ جایا کرو، بلکہ اٹھ کر چلے جایا کرو، اب معلوم ہوا کہ جب ہم کسی کے یہاں دعوت کھانے جائیں، تو ہم اس طریقے پر عمل کریں کہ جب کھانے سے فارغ ہو جائیں، تو فارغ ہو کر بلاوجہ وہاں نہ بیٹھیں، بلکہ اٹھ کر چلے جائیں، تاکہ میزبان کا ذہن فارغ ہو، چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فائدہ بیان فرماتے ہیں: یہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کہ صحابہ کرامؓ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی وفادار ساتھی تھے، ان کو یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ، مگر یہ لحاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ذاتی معاملات میں تھا، اللہ تعالیٰ کے احکامِ تبلیغ میں یہ لحاظ نہیں فرماتے تھے، بلکہ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم ملتا، فوراً امت تک اس کو پہنچاتے تھے۔

خادمِ خاص کے ساتھ اخلاقی برتاؤ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے ہیں، جو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ

ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہیں، بعض کہتے ہیں کہ رضاعی خالہ تھیں، بعض کہتے ہیں کہ نسبی خالہ تھیں، بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میرا بیٹا انس بہت سمجھدار، اور ہوشیار لڑکا ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دوں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خدمت کے لئے قبول فرمالیا،

یہ فرماتے ہیں میں دس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا،... دس سال کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا، اس دس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا تھا؟ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی روشنی میں ذکر فرمایا ہے... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے مجھ کو "اُف" بھی نہ فرمایا، اللّٰہ اکبر! اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا؟ اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ اللّٰہ اکبر؟ ایک دو دن، دس، بیس دن، چالیس دن تو آدمی برداشت کرلیتا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال میں ایک مرتبہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ افسوس! تم نے یہ کام کیوں کیا؟ حالانکہ یہ بہت معمولی سی بات ہے، کبھی نہ کبھی تو آدمی کہہ دیتا ہے، کیونکہ اس قدر طویل مدت میں بہت سے مواقع ایسے آجاتے ہیں، جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے، اور یہاں غصہ تو دور کی بات، کبھی "اُف" بھی نہ کہا، یہ بڑے اونچے اخلاق کی بات ہے، جو انتہائی حلیم ہو، انتہائی بردبار ہو، وہی یہ کام کرسکتا ہے، اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے کہ صبر و تحمل کا پہاڑ تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ عظیم ہے۔

ملازموں سے برا سلوک نہ کریں

جو بڑے اعلیٰ اخلاق کی بات ہے، اس میں ہمارے لئے بھی اُسوہ ہے، اور ہمارے

لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ہمارے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے، تحمل سے کام لینا چاہئے، بردباری سے کام لینا چاہئے، خادموں سے، نوکروں سے، ملازموں سے گڑبڑ ہوتی رہتی ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے، درگزر کریں، نرمی سے سمجھادیں، اور اگر کوئی تکلیف پہنچائے، تو اس کو الگ کر دینا چاہئے، بعض لوگوں کی اللہ بچائے! سخت غصہ کرنے کی عادت ہوتی ہے، بار بار ڈانٹنے، اور بعض دفعہ تو مارنے پیٹنے کی نوبت بھی آجاتی ہے، اور لعن وطعن کی عادت ہوتی ہے، اور طرح طرح سے تکلیف دینے، اور پریشان کرنے کی عادت ہوتی ہے، یہ طریقہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے، چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کے خادم کو دس سال کے طویل عرصے تک منہ سے ''ہوں'' نہ فرمانا، یہ معمولی بات نہیں، کیا اتنے عرصے تک کوئی بات بھی مزاجِ لطیف کے خلاف نہ ہوئی ہوگی؟ یقیناً ہوئی ہوگی، لیکن اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے معاف فرماتے گئے، خادم کو محسوس تک نہیں ہونے دیا۔

غصے کی بجائے تبسّم فرمانے کی عجیب ادا

ایک اور عجیب وغریب واقعہ بیان فرماتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گواہی دے رہے ہیں، جو دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے،... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھے کسی کام سے بھیجا، میں نے کہا کہ میں تو نہیں جاتا، دل میں یہ تھا کہ جاؤں گا، جیسے بچے کرتے ہیں، اب میں کام کرنے کی غرض اور ارادے سے چلا، تو راستے میں بازار آیا، بازار میں دیکھا کہ چند لڑکے کھیل رہے ہیں، میں بھی کھیل دیکھنے کے لئے کھڑا ہوگیا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے تشریف لائے، اور میری گردن پکڑی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، سبحان اللہ! حالانکہ یہ

غصے کا موقع ہے، ایسے موقع پر غصہ آجاتا ہے کہ تم ابھی تک گئے نہیں؟ میں انتظار کر رہا ہوں، لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں کہ میں نے مڑ کر دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں میں نے کہا تھا، تم وہاں جارہے ہو، میں نے عرض کیا کہ ہاں! یارسول اللہ! میں جارہا ہوں، دیکھیں! یہ ایسا موقع تھا کہ اس موقع پر غصہ آسکتا تھا، لیکن یہ یہاں بھی بجائے غصہ فرمانے کے تبسم فرمارہے ہیں، اور مسکرارہے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اپنی ذات کے معاملے میں درگزر

ایک اور واقعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آٹھ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگیا تھا، اور دس سال تک میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس دوران اگر کبھی میرے ہاتھ سے کسی چیز کو نقصان پہنچ گیا، جیسے کوئی چیز ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی، یا ٹوٹ گئی، یا کھانا، یا اور کوئی چیز نیچے گر گئی، اور خراب ہوگئی، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کبھی کوئی ملامت کرتا کہ بھئی! تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے دھیان سے کام نہیں کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ جانے دو! اگر کوئی دوسری بات مقدر ہوتی، تو وہی ہوتی، یعنی جو نقصان ہوا ہے، جو تکلیف ہوئی ہے، یا جو بھی صورتِ حال پیش آگئی ہے، یہ مقدر تھی، بھئی! یہ تو ہونی تھی، اگر نقصان نہ ہونا مقدر ہوتا، تو نقصان نہ ہوتا، لیکن یہ مقدر تھا، جو ہوگیا، لہٰذا ان کو جانے دو، صلی اللہ علیہ وسلم۔

دنیا میں عذاب مانگنے کا عجیب واقعہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت فرماتے تھے، اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

کرامؓ میں کوئی بیمار ہو جاتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کرنے کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے، اور کسی کا انتقال ہو جاتا، تو جنازہ میں شریک ہوتے تھے، اور قبرستان تشریف لے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیادت فرمانے کا ایک واقعہ یاد آیا، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صحابی بیماری کی وجہ سے بہت ہی کمزور اور نڈھال ہو گئے ہیں، جیسے مرغی کا چوزہ نہایت کمزور اور پتلا دبلا ہوتا ہے، ان صحابی کی یہ حالت ہوگئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ بھئی! تم نے کوئی دعا مانگی تھی، جو تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے، غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی معلوم ہو گیا ہوگا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ جی حضور! میں نے ایک دعا مانگی تھی، اور وہ یہ کہ یا اللہ! اگر میرے لئے آخرت میں کوئی عذاب مقرر ہے، تو براہِ مہربانی وہ مجھے دنیا ہی میں دے دیجئے، آخرت میں نہ دیجئے، بس! اس وقت سے میں بیماریوں میں گھر گیا ہوں، اور یہ میری حالت ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! ارے بھئی! تم نے یہ دعا کیوں مانگ لی؟ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے عذاب کی سہار نہیں ہے، لیکن دنیا کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم تو ایسے کمزور ہیں کہ ہم کو نہ دنیا کی تکلیف برداشت، نہ آخرت کا عذاب برداشت، تم نے یہ دعا کیوں نہیں کر لی،

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ. (البقرۃ: آیت نمبر ۲۰۱)

ترجمہ

کہ یا اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچانا۔

یہ دعا کیوں نہیں کر لی؟ مطلب یہ تھا کہ دنیا کی بھی عافیت مانگو، آخرت کی بھی عافیت

مانگو، دنیا کی بھی خیر مانگو، آخرت کی بھی خیر مانگو، آخرت کا عذاب دنیا میں مت مانگو، کہ دنیا کا عذاب بھی، دنیا کی تکلیف بھی ہم برداشت کرنے کے لائق نہیں ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی، تو اللہ پاک نے ان کو صحت عطا فرمائی،

بخار کی دعا

ایسے ہی ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیمار ہوگئے، اور حضرت ابو ہریرہؓ وہ صحابی ہیں، جو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، یعنی ان کا کوئی کاروبار نہیں تھا، ان کا کوئی پیشہ نہیں تھا، دوکان نہیں تھی، زراعت نہیں تھی، بس! یہ تو لِلّٰہ، فی اللہ، صفہ میں رہتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں سیکھتے، اور یاد کرتے تھے، جیسے مدرسوں میں طالب علم رہتے ہیں، ایسے ہی بعض صحابہ کرامؓ صفہ میں رہتے تھے، صفہ ایک چبوترہ کا نام تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی کے اندر آج بھی الحمدللہ موجود ہے، وہ پہلے مسجد نبوی سے باہر تھا، اور اصحابِ صفہ اس میں رہتے تھے، اصحابِ صفہ طالب علم تھے، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم استاذ، اور معلّم تھے، اُن اصحابِ صفہ کے سردار حضرت ابو ہریرہؓ تھے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تھے، تو حضرت ابو ہریرہؓ مسجد میں موجود ہوتے تھے، آپؓ کا کہیں آنا جانا نہیں تھا، بس! ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، اس لئے سب سے زیادہ حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول اور مروی ہیں، ایک مرتبہ یہ بیمار ہوگئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہؓ کہاں چلے گئے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور! وہ بیمار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، جب پہنچے، تو دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا رنگ بالکل پیلا پڑ گیا ہے، جیسا کہ بیماری میں ہوجاتا ہے، اور بخار چڑھا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ابو ہریرہ! کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور!

میرا یہ حال ہے کہ اب بخار میں مبتلا ہوں، اور بخار اترنے کا نام نہیں لیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ کیا تم نے کوئی دعا کی تھی؟ کہا: حضور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار کی فضیلت بیان فرمائی تھی کہ جب کسی کو بخار چڑھتا ہے، تو گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے موسمِ خزاں میں درخت کے پتے جھڑتے ہیں، میں نے کہا کہ بخار بڑی اچھی چیز ہے، اسی سے آدمی گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے، اسی لئے میں نے دعا مانگ لی چنانچہ بخار آ گیا، اور میری یہ حالت ہوگئی ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارے بھولے بھالے ابو ہریرہ! میں نے بخار کی فضیلت بیان فرمائی تھی، یہ نہیں کہا تھا کہ دعا بھی کرنا، اور دعا مانگ کر بخار چڑھانا، یہ میں نے نہیں کہا تھا، ہاں یہ کہا تھا کہ اگر کسی کو بخار چڑھ جائے، تو یہ سمجھے کہ صفائی ہو رہی ہے، اور طہارت ہو رہی ہے، گناہوں سے پاکی ہو رہی ہے، صبر کر لینا، اور یہ سمجھ لینا، ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہوگا، لیکن میں نے یہ کب کہا تھا کہ دعا کر کے بخار چڑھانا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! انہوں نے ناسمجھی میں بخار مانگ لیا، اب بخار آ گیا، اور اس نے ان کو بالکل کمزور کر ڈالا ہے، لہٰذا آپ ان کو صحت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آپؓ کو صحت حاصل ہوئی، بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت بھی فرمایا کرتے تھے، جنازہ میں شرکت بھی فرمایا کرتے تھے۔ جو آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے۔

دیہاتی کی بدسلوکی کو کیسے برداشت فرمایا؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر نجران کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر تھی، راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بدّو ملا، بدّو دیہاتی کو کہتے ہیں، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو پکڑ کر بڑی زور سے اپنی

طرف کھینچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھنچ کر اس کے سینے کے قریب پہنچ گئے، اس نے کہا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے، اس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف توجہ فرمائی، اور خادم کو حکم دیا کہ بیت المال میں سے اس کو بھی دیا جائے،

دیکھو! یہ کتنے غصے کا موقع ہے، ایسے موقع پر آدمی کو سخت غصہ آتا ہے، کیونکہ کھینچنا کتنی گستاخی کی بات ہے؟ اس میں آدمی کو کتنی تکلیف ہوتی ہے، بے عزتی بھی ہوتی ہے، اور بات سراسر غصے کی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ایسی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے معاملے میں کبھی کسی پر غصہ نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غصہ نہیں فرمایا، بلکہ مسکرا کر خادم سے فرمایا کہ اس کو بیت المال میں سے مال دو، دیکھیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتقام لینے پر ہر طرح کی قدرت تھی، اس کے باوجود اس کی بدویانہ حرکت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقام نہیں لیا، بلکہ الٹا اس پر احسان فرمایا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مہرِ نبوت کو چومنے کا واقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا ایک اور واقعہ یاد آیا، صحابہ کرامؓ میں ایک صحابی ایسے تھے، جو ہنسی مذاق کرتے تھے، مزاحیہ طبیعت کے تھے، جہاں بیٹھتے تھے، کوئی نہ کوئی ہنسی کی بات کرتے تھے، اور دوسروں کو ہنساتے تھے، ایسی ہی کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ کرامؓ کو ہنسا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں پر تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کے پہلو میں چبھا دی، اب یہ مذاق اور مزاح کے طور پر تھا، انہوں نے کہا کہ حضور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لکڑی چبھائی ہے، اب میں اس کا بدلہ لوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے لو، کہا کہ حضور! جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لکڑی چبھائی، اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

تو کُرتا پہنے ہوئے ہیں، لہٰذا بدلہ برابر ہونا چاہیے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنا کُرتا اٹھا دیتا ہوں، اور اپنی کمر پر سے ہٹا دیتا ہوں، تم بدلہ لے لینا، چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کُرتہ مبارک پیچھے سے اوپر کرلیا، اور فرمایا: لو بھئی! تم بدلہ لے لو، جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک کھلی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی، جو کبوتر کے انڈے کے برابر تھی، اس کی جگہ کچھ گوشت ابھرا ہوا تھا، وہ مہرِ نبوت تھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہونے کی علامت تھی، اور اسی سے اہلِ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہونے کو پہچانتے تھے، تو یہ صحابیؓ، جو مزاحیہ طبیعت کے تھے، جیسے ہی انہوں نے مہرِ نبوت دیکھی، تو انہوں نے اپنا پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سے چپکا دیا، اور اپنے منہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوت کو بوسہ دینے لگے، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ کیسا؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے بوسہ لینے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک کی زیارت کرنے کا ایک بہانہ مل گیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مدینہ منورہ کی شان میں چند اشعار

میرے چچا مولانا عزیز الرحیم دانش رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کی شان میں کچھ اشعار کہے ہیں، جو اس وقت یاد آرہے ہیں، اس لئے مدینہ منورہ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی وجہ سے ہے، وہ فرماتے ہیں ۔

سمٹتے آرہے ہیں درد والے کہ
یہ دل کے سہاروں کی زمین ہے
تجلی گاہِ انوارِ رسالت، اور
اس کے ماہ پاروں کی زمین ہے

جو دن کے تھے مجاہد، شب کے راہب،
ان ہی شب زندہ داروں کی زمین ہے
یہیں ٹھہرو، کہاں جاؤ گے دانش؟
یہ رحمت کے نظاروں کی زمین ہے

یعنی یہ اشعار صحابہ کرامؓ کی شان میں ہیں جو دن میں جہاد کرتے تھے، رات کو مصلے پر سوار رہتے تھے، دن گھوڑے کی پیٹھ پر گزرتا تھا، رات مصلی کے اوپر گزرتی تھی۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

مدینے جاؤں، پھر آؤں، مدینے پھر جاؤں
الٰہی! عمر اسی میں تمام ہوجائے

اور ایک شاعر کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

غمِ مصطفٰی جس کے سینے میں ہے
جہاں بھی رہے، وہ مدینے میں ہے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

غمِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد ہے: سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے قلبی لگاؤ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں پر دل و جان سے قربان۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے اشعار ہیں کہ ؎

دل تڑپتا ہے میرا سینے میں
ہائے! پہنچوں گا کب مدینے میں
یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے
جس کا دل نہ ہو مدینے میں

والد صاحبؒ سے سنے ہوئے اشعار

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک خط میں مدینہ منورہ کی شان میں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار لکھے تھے، وہ یہ ہیں:

یہی تمنا ہے، یہی آرزو ہے
یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے
مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں
وہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
سلامٌ علیک نبیِ مکرم، سلامٌ علیک نبیِ معظم
خدا کی قسم! تیرے روضہ پہ آکر
یہ ہر دم سنانے کو جی چاہتا ہے
سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں
پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
جبیں تیرے قدموں میں اک روز رکھ کر
گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

بہر حال! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت ہونی چاہئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور آپ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

سیرتِ طیبہ اور ہماری زندگی (۳)

(۱۰)

شرحِ روحِ ہشتم

بیان نمبر (۶۱)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۲۸ جون ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یَھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ وأشھد أن لّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و أصحابہٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّا بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(الأحزاب: آیت نمبر ۲۱)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حیاتُ المسلمین کی آٹھویں روح کا بیان ہورہا ہے، جس میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا ذکر فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائلِ حمیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اچھی عادتیں اور باتیں ہمیں اختیار کرنے کا حکم ہے، اور جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے، اس وقت تک کامیابی ہونا مشکل

ہے، قرآن شریف میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران: آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ

اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو، تو تم میری تابعداری اختیار کرو، اور میری پیروی کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

لہٰذا اسی نیت سے اور اسی غرض سے ہمیں یہاں آنا چاہئے، اور اسی نیت سے سننا چاہئے، اور پھر حضور کی جو خصلتیں اور عادتیں پڑھیں اور سنیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

کشادہ دلی اور سخاوت کی عادتِ مبارکہ

آج کے بیان میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مبارک عادتوں کا ذکر آیا ہے، جن میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و سخاوت کی عادت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی فراخ دل، بہت ہی کشادہ، اور بڑی سخاوت فرمانے والے تھے، اس صفت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نمایاں تھے، اور عجیب عجیب جود و سخا کے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، جن میں سے ایک روایت وہ ہے، جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد نہیں فرمایا، یعنی جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگتا، اور وہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے دیا کرتے تھے، عام طور پر منع نہیں فرماتے تھے، اور انکار نہیں فرماتے تھے، اور اگر اس وقت نہ ہوتی، تو معذرت فرما کر دوسرے وقت کے لئے دینے کا

وعدہ فرماتے کہ بھئی! جب فلاں چیز آئے گی، تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کو دے دیں گے، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراخ دلی اور کشادہ دلی معلوم ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بخل اور کنجوسی نہیں تھی، بخل اور کنجوسی بہت بری خصلت ہے، بہت بری عادت ہے، اور بہت بڑا عیب ہے، جبکہ فراخ دلی، کشادہ دلی، سخاوت بہت عمدہ عادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمدہ خصلت سے نہ صرف آراستہ تھے، بلکہ اس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، بخل اور کنجوسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور تھے۔

دو پہاڑوں کے درمیان ساری بکریاں لے جاؤ

ہمارے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے اندر سے بخل اور کنجوسی کو دور کریں، فراخ دلی، کشادہ دلی اور سخاوت کو اپنائیں، چنانچہ حضرت تھانویؒ ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں، جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بکریاں مانگیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھیں، اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں، اور چر رہی تھیں، یعنی اتنی ساری بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان جو وادی ہوتی ہے، اس میں وہ ساری بکریاں گھوم پھر رہی تھیں، کھا پی رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری بکریاں اس کو عطا فرما دیں، اتنی ساری بکریاں دینا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ گنی چنی بکریاں نہ دے دیا پورے کا پورا ریوڑ، اور اتنی ساری بکریاں عطا فرما دیں کہ جو دو پہاڑوں کے درمیان کھا پی رہی تھیں، کتنی بڑی سخاوت اور کس قدر فراخ دلی کی بات ہے! چنانچہ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ اے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، بخدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب عطا کرتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے کا بھی اندیشہ نہیں فرماتے، ذرا سا مانگو، اتنا سارا عطا فرماتے ہیں کہ فقر و فاقہ کا بھی اندیشہ نہیں فرماتے، آپ اتنا عطا فرمانے والے ہیں۔

اہل بیت کی سخاوت کا عجیب حال

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سخاوت کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور صحابہ کرامؓ کے اندر بھی پایا جاتا تھا، اور کیوں نہ ہو؟ وہ بھی سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، چنانچہ حکایاتِ صحابہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، اور یہ شخص ایسا تھا کہ جس نے کسی وقت کسی موقع پر ان کے ساتھ، اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کوئی احسان کیا تھا، یا کوئی سلوک کیا تھا، جب اس سے ملاقات ہوئی، تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو ہزار بکریاں اس کو ہدیے میں دے دیں، اس قدیم احسان کی وجہ سے جو کسی وقت اس نے کیا تھا، اور جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، تو ایک ہزار بکریاں انہوں نے ہدیہ میں دے دیں، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، تو انہوں نے بھی ایک ہزار بکریاں دے دیں، اس طرح ان تینوں حضرات نے چار ہزار بکریاں ایک احسان کے بدلے میں ان کو عطا فرمائیں، یہ وہی سخاوت اور بخشش ہے، جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا بھی یہی حال تھا۔

غزوۂ حنین کے بعد کا واقعہ

ایک اور روایت میں ہے، جو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے تشریف لا رہے تھے، غزوۂ حنین اسلام کا مشہور غزوہ ہے، جو مکہ مکرمہ فتح ہو جانے کے بعد ہوا ہے، اور حنین ایک وادی کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، چونکہ یہ غزوہ یہاں ہوا تھا، اس لئے اس کو غزوۂ حنین کہتے ہیں، اس غزوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر تشریف لا رہے تھے، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، راستے

میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر اصرار کے ساتھ مانگ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لپٹ گیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ببول کے درخت کے ساتھ اٹکا دیا، یعنی اس قدر چمٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ رہا تھا کہ حضور! مجھے بھی دیجئے، مجھے بھی دیجئے، یہاں تک کہ ببول کا درخت، جو کانٹے دار درخت ہوتا ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹکا دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر بھی چھین لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ میری چادر تو دے دو، پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے، تو میں سب لوگوں میں تقسیم کر دیتا، یعنی یہاں حنین میں جتنے بھی ببول کے درخت ہیں، ان کی تعداد کے برابر اگر میرے پاس اونٹ ہوتے، تو میں تم کو دے دیتا، پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے، نہ جھوٹا، نہ چھوٹے دل والا، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں سب مال تقسیم فرما چکے تھے، اور سب کچھ تقسیم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ باقی نہیں بچا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اگر میرے پاس اور کچھ ہوتا، تو میں وہ بھی تم کو دے دیتا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مال کہاں کہاں خرچ کرنا چاہئے؟

ان تینوں احادیث سے ثابت ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی فراخ دل، اور بہت بڑے سخی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت سے بہت کام لیتے تھے، اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں، جہاں جہاں مال خرچ کرنا فرض و واجب ہو تو فراخدلی کے ساتھ، خندہ پیشانی کے ساتھ، اور ذمہ داری کے ساتھ وہاں اپنا مال، اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتے رہنا چاہئے، بعض مقامات ایسے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے مال خرچ کرنے کا، جیسے زکوٰۃ، زکوٰۃ دینا فرض ہے، مزید استطاعت ہو، تو حج کرنا فرض ہے، قربانی واجب ہے، فطرہ واجب ہے، اگر مال کی منت مان لی، تو وہاں پر مال خرچ کرنا واجب ہے، بیوی بچوں کا نان ونفقہ واجب ہے، اسی طرح بہن بھائیوں میں جو ضرورت

مند ہوں، اور محتاج ہوں، اور کمانے کے قابل نہ ہوں، ان کا بھی حسبِ استطاعت نان ونفقہ اور ان پر مال خرچ کرنا واجب ہے، یہاں آدمی کو ذمہ داری کے ساتھ اور کشادہ دلی کے ساتھ، فراخدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہنا چاہئے، اور وہاں تنگی نہیں کرنی چاہئے، وہ لوگ جن کا خرچہ ہمارے اوپر واجب ہے، وہاں کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہئے، اور جہاں خرچ کرنا فرض وواجب نہیں ہے، مستحب ہے، اور باعثِ اجروثواب ہے، جیسے دوست احباب کو ہدیہ دے دینا، اپنے اساتذہ کرام کی خدمت کرنا، بزرگوں کو ہدیہ دینا، عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، غرباء، فقراء اور مساکین کی مدد کے لئے مال دینا، جود و سخاوت کا اصل میدان یہ ہے، لیکن یہاں بھی اپنے لئے بقدرِ ضرورت بچا کر اپنی حیثیت کے مطابق اتنا خرچ کرنا چاہئے کہ دے کر خود کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو، خود کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو، یا خود کل دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لئے محتاج نہ ہو، اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر باقی اس طرح سے خرچ کرنا، اور جو بھی کارہائے خیر ہیں، جہاں مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، وہاں مال خرچ کرتے رہنا چاہئے، ان صورتوں میں خرچ کرنا فرض وواجب تو نہیں ہے، لیکن باعث اجروثواب یقیناً ہے، خاص طور سے جب کسی مسلمان کو دیکھیں کہ وہ بیچارہ ضرورت مند ہے، وہ پریشان حال ہے، یا اس کو تکلیف ہے، تو اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا بہت اس کو دیتے رہنا چاہئے، کم از کم اس کو تسلی دے دینی چاہئے، اور اس کو ایسے کلمات کہہ دینے چاہئیں، جس سے اس بیچارے کی تکلیف میں کمی واقع ہو، اور اس کا دل مضبوط ہو جائے۔

سردی میں ٹھنڈے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈال دیے

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسروں کی دلجوئی اور ہمدردی کی صفت کا بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی بھی بڑی پائی جاتی تھی، چنانچہ اس کا ایک واقعہ ذکر فرماتے ہیں، حضرت

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے، تو مدینے والوں کے غلام اپنے اپنے برتن لے کر حاضر ہوتے، جو پانی سے بھرے ہوتے، جو برتن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برکت کے لئے اس میں اپنا دستِ مبارک ڈال دیتے تھے، بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی، پھر بھی اپنے دستِ مبارک اس میں ڈال دیتے۔

اندازہ کیجئے! سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کے برتن میں بار بار اپنا ہاتھ ڈالنا انتہائی تکلیف کی بات ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی دلجوئی کے خاطر اس تکلیف کو برداشت فرماتے تھے، جبکہ مدینہ منورہ کی سردی بھی بہت سخت ہوتی ہے، ایسی سخت سردی میں فجر کی نماز میں ٹھنڈے پانی کے اندر ہاتھ ڈالنا بڑی تکلیف کی بات ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی کے لئے، اور ان کی دلداری کے لئے اس تکلیف کو گوارا فرمالیا کرتے تھے، اور ان کے لائے ہوئے برتنوں کے اندر دست مبارک ڈال دیا کرتے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

فضول گوئی سے اجتناب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش کلامی کرنے والے تھے، نہ لعن وطعن اور گالی گلوچ کرنے والے تھے، اگر کوئی عتاب کی بات ہوتی، تو یوں فرماتے کہ فلاں شخص کو کیا ہوگیا ہے؟ اس کی پیشانی کو خاک لگ جائے، اور خاک لگنا یہ دعا ہے، جس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ فلاں شخص کو کیا ہوا؟ اس کی پیشانی کو خاک لگ جائے، یہ بددعا نہیں ہے، بلکہ یہ دعا ہے، بالخصوص سجدہ میں اگر آدمی کی پیشانی پر مٹی لگے، تو وہ نمازی ہونے کی دعا ہے، اور نماز کی خاصیت بری باتوں سے روکنا ہے، تو تیری پیشانی خاک آلود ہو، یعنی یہ اس شخص کی اصلاح کی دعا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ بے شرمی کی باتیں فرماتے تھے، نہ بے حیائی کی

باتیں فرماتے تھے، بے شرمی اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے تھے، اور کسی کو لعن وطعن بھی نہیں کرتے تھے، گالی گلوچ نہیں کرتے تھے۔

بے حیائی کی باتوں سے بچیں

یہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مبارک عادات تھیں، ہمیں بھی اپنا جائزہ لینا چاہئے، ہمیں بھی بے شرمی کی باتوں سے، بے حیائی کی باتوں سے، گناہ کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے، گناہوں سے بھی بچنا چاہئے، اور گناہوں کی باتیں بلاضرورت کسی کے سامنے ذکر کرنے سے جیسے کہ مذاق میں لوگ بیان کرتے ہیں، یا اللہ بچائے! فخریہ بیان کرتے ہیں کہ آج میں نے یہ کیا، آج میں نے وہ کیا، یا میں نے فلاں فلم دیکھی، میں نے فلاں گانا سنا، یا فلاں گانا گایا، اور میں نے فلاں ڈرامہ دیکھا، اور عام طور پر جو ڈرامے ہوتے ہیں، وہ ناجائز اور خلافِ شرع ہوتے ہیں، جیسے ان کا دیکھنا، اور ان گناہوں کا کرنا گناہ ہے، اسی طرح ان کو کر کے لوگوں کے سامنے بیان کرنا بھی گناہ ہے، یا ایسے ہی اپنے یاروں اور دوستوں کے پاس بیٹھ کر میاں بیوی کے خصوصی تعلق کی باتیں بیان کرنا، اور لوگوں کے سامنے بیٹھ کر ان کا ذکر کرنا، اور فخر کرنا، یہ سب بے حیائی کی باتیں بیان کرنے میں آتی ہیں ان سے بچنا چاہئے۔ البتہ اصلاح کی غرض سے اپنے شیخ کو بتا سکتے ہیں، لیکن عام لوگوں کے سامنے ان کا ذکر کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے،

ایسے ہی اپنے گھر میں بیوی بچوں کے سامنے ایسی باتیں کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، چاہے بچے نابالغ ہوں، کیونکہ بے شک وہ نابالغ اور نا سمجھ ہیں، لیکن بری بات کا اثر برا ہوتا ہے، جیسے اچھی بات کا اثر اچھا ہوتا ہے، اور آپ ان کے سامنے بری بری باتیں کریں گے، تو وہی ان کے ذہن میں نقش ہو جائیں گی، اور نقش ہو جانے کے بعد پھر جب وہ بڑے ہوں گے، تو وہ باتیں رنگ لائیں گی، اور اللہ بچائے! ان کو برائی کے راستے پر ڈال دیں گی، اس وقت اگر آپ ان کو بچانا بھی چاہو گے، تو وہ بچ نہیں سکیں گے، نہ آپ کامیاب

ہوں گے، نہ بچے کامیاب ہوں گے، الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادیں، تو بچپن میں بعض لوگ پروانہیں کرتے، یعنی چھوٹے بچے ہیں، ان کے سامنے ہم تم ایسی ویسی باتیں کر بھی لیں گے، تو کیا ہوا؟، وہ سمجھدار نہیں ہیں، تو سمجھدار تو نہیں ہیں، لیکن اللہ پاک نے ان کے اندر بھی جذب کرنے کی صلاحیت رکھی ہے، جیسے ماں باپ رویہ اختیار کریں گے، جیسا طرزِ عمل اختیار کریں گے، بچہ ویسا ہی اثر لے کر پھر بعد میں اس طرح عمل کریں گے۔

لعن وطعن اور ملامت کی برائی

ایسے ہی لعن وطعن کرنے کی بیماری عام ہے، اللہ بچائے!، بہت کم لوگ اس سے بچنے والے ہیں، ورنہ کسی پر طنز کرنا کسی کو طعنہ دینا، کسی کو برا بھلا کہنا، کسی کے اوپر اشارے کرنا، جس کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل وخوار کرنا، پریشان کرنا، کسی کی برائی بیان کرنا، عام طور پر یہ گناہ بہت پایا جاتا ہے، خاص طور سے عورتوں میں لعن وطعن کرنے کی، ملامت کرنے کی طنز کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے، پھر طعن کرنے والوں کو بعض مرتبہ پتہ بھی نہیں چلتا، کیونکہ وہ اس گناہ کے ایسے عادی ہوجاتے ہیں کہ بے خوف وخطر طنز کرتے رہتے ہیں، ملامت کرتے رہتے ہیں، خاص طور سے اگر کوئی مالدار ہوجائے، تو وہ غریبوں کو لعن وطعن کرنے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرتا، حالانکہ مالدار ہو یا نہ ہو، کسی بھی مسلمان مرد وعورت کو، اور کسی بھی انسان کو لعن وطعن کرنا، اور ملامت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جس سے بچنے کی ضرورت ہے، قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، ہمارے پیارے نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عادت مبارکہ بھی ایسی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اوپر لعن وطعن نہیں کرتے تھے، ملامت اور طنز نہیں کرتے تھے۔

گالم گلوچ کا گناہ

ایسے ہی گالی گلوچ بھی نہیں کرتے تھے، گالی دینا تو آپ سب جانتے ہیں کہ بلاشبہ

گناہ ہے، اور سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، اور قرآن شریف میں اللہ پاک نے منع فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے، اس لئے گالی سے بہت زیادہ پرہیز کرنا چاہئے، بعض لوگوں کو اس کی بھی بڑی عادت ہوتی ہے، خاص طور سے مردوں کے اندر گالی دینے کی عادت ہوتی ہے، اور بعض لوگ تو بڑی گندی گندی اور فحش گالیاں دینے کے عادی ہوتے ہیں، اور وہ ایسی گالیاں اپنے گھر والوں کو بھی دیتے ہیں، اپنی بیوی، بچوں کو بھی دیتے ہیں، اپنے چھوٹوں کو بھی دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگ جانوروں کو بھی گالی دیتے ہیں، اور پروا نہیں کرتے، کبھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گالی دینے کی عادت نہیں تھی، گالی دینا گناہ کبیرہ ہے، ناجائز ہے، قرآن و حدیث اس کی ممانعت سے بھرے ہوئے ہیں، اور سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پرہیز فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو گالی نہیں دیتے تھے، لہٰذا ہمیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے، اور گالی دینے سے، برا بھلا کہنے سے، غیبت کرنے سے، بہت احتیاط کرنی چاہئے، اگر کوئی بات عتاب کی ہوتی تھی، تو فرماتے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا؟ اس کی پیشانی کو خاک لگے، اگر کوئی غصے کی بات ہوتی، تو غصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گالی نہیں دیتے تھے، نہ طعن کرتے تھے، نہ ملامت کرتے تھے، اس طرح فرماتے تھے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا؟ اس کی ناک خاک آلود ہو، مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے اندر اگر کوئی عیب ہو، یا کسی سے کوئی غلطی ہو جائے، تو اس کو بھی نرمی سے سمجھا دینا چاہئے، اور بتا دینا چاہئے، اس کو بھی لعن وطعن اور ملامت نہیں کرنی چاہئے۔

شرم وحیاء کا پیکر

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا عجیب وغریب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر عادت بہت مبارک اور پیاری تھی، ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

عادت شرم وحیاء بھی تھی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے اندر شرم وحیا بھی بہت پائی جاتی تھی، چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ شرم وحیا والے تھے، جب کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے، تو شرم کی وجہ سے زبان سے نہیں فرماتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم، مگر ہم لوگ اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر دیکھتے تھے، یعنی اتنی شرم کسی پردہ دار کنواری لڑکی میں نہیں تھی، جتنی شرم وحیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پائی جاتی تھی، اور اسی لحاظ اور شرم کی وجہ سے جب کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نامناسب اور ناپسندیدہ دیکھتے، تو زبان سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ بھئی! تم یہ کام مت کرو، اور اس سے پرہیز کرو، مگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر اس ناپسندیدہ بات کا اثر محسوس کر لیتے تھے، یا چہرے پر انقباض اور ناگواری کی کیفیت ظاہر ہو جاتی تھی، حالانکہ ایسے موقع پر آدمی کے لئے خاموش رہنا مشکل ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے تھے، اور اس کو برداشت کرتے تھے۔

دوسروں سے لحاظ اور مروت کا معاملہ کرنا

ایک واقعہ پیچھے گزر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمے کی دعوت فرمائی، اور اس وقت پردے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دعوت کا انتظام تھا، اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دیوار کی طرف رخ کیے ہوئے تشریف فرما تھیں، اور بعض لوگ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد وہیں بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو گئے، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، تو میں گھر میں آرام کروں، لیکن شرم وحیا کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اٹھ کر چلے جاؤ، مجھے آرام کرنا ہے، یا کچھ کام کرنا ہے، زبان سے نہیں فرمایا، حالانکہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے عاشقِ زار تھے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے فرما دیتے، تو ان کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوتا، لیکن اس کے باوجود شرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ بھئی! تم چلے جاؤ، آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کا حکم نازل فرمایا، اور اللہ پاک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تم کو صاف صاف کہتے ہوئے شرماتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے، لہٰذا آئندہ جب کبھی ایسا موقع ہوا کرے، تو کھانا کھا کر چلے جایا کرو، بیٹھے رہا نہ کرو، اور باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو،

وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ؗ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ (الأحزاب: آیت نمبر ۵۳)

اندازہ کرو، سارے کے سارے اپنے ہی ماننے والے ہیں، لیکن ان کو یہ نہیں فرماتے کہ چلے جاؤ، کس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں حیا و شرم تھی۔

گھر میں کام کاج کا معمول

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مبارک عادت یہ تھی کہ گھر والوں کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، گھر میں دو قسم کے کام ہوتے ہیں، کچھ کام وہ ہوتے ہیں، جو آدمی کے اپنے لئے ہوتے ہیں، مثلاً کپڑے بدلنا، اپنی چیزوں کو سنبھال کر رکھنا، سونا جاگنا، یہ کام ایسے ہوتے ہیں کہ ہر آدمی کے اپنے کرنے کے ہوتے ہیں، یہ کام عورتیں اپنے طور پر اپنے لئے انجام دیتی ہیں، مرد اپنے طور پر اپنے لئے انجام دیتے ہیں، یعنی کچھ کام آدمی کے اپنے ہوتے ہیں، جن میں عام طور پر گھر والوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اور گھر کے کچھ کام وہ ہوتے ہیں، جو عام طور پر خواتین کے کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے برتن دھونا، کپڑے دھونا، کھانا پکانا، گھر کی صفائی کرنا، سامان کو قاعدے، سلیقے سے رکھنا، ان کی حفاظت کرنا وغیرہ، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت یہ تھی کہ اپنے کام تو خود انجام دیتے ہی تھے، اس کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے کاموں میں بھی تعاون فرماتے تھے،

مثلاً جوتا، چپل ٹوٹ گئی، یا اس کا تسمہ ٹوٹ گیا، تو وہ خود لگالیا، کہیں سینے کی ضرورت پیش آئی، تو خود ہی سی لیا، کیونکہ اس زمانے میں اس کا رواج نہیں تھا کہ سارے کام باہر ہی سے کروائے جائیں، یہ ایسے کام تھے، جو گھر میں کرلیا کرتے تھے کہ جوتے میں گرہ لگالی، کپڑا پھٹ گیا، تو اس کو سی لیا، کہیں پیوند لگانے کی ضرورت پڑی، تو پیوند لگالیا۔

گھر میں سادگی اور تواضع کا حال

اور جو کام عام طور پر گھر والے کرتے تھے، جیسے بکری کا دودھ دوہنا، عام طور پر دیہات میں آپ نے دیکھا ہوگا عورتیں یہ کام کرلیتی ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا دودھ بھی نکال لیا کرتے تھے، (صلی اللہ علیہ وسلم)، حالانکہ آپ دونوں جہانوں کے سردار ہیں، لیکن گھر میں امتیاز کے ساتھ نہیں رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر سادگی کے ساتھ گھر کے ایک عام فرد کی طرح رہتے تھے، اپنے کام بھی خود کرتے تھے، دوسروں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں کے اندر جوں وغیرہ بھی تلاش کرلیا کرتے تھے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر، اور کپڑوں پر جوں نہیں ہوتی تھی، لیکن کہیں نہ کہیں سے آسکتی تھی، اس طرح سے گھر والوں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے، اپنے کام بھی از خود کرلیا کرتے تھے، سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک عادت تھی، ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے، گھر میں ایسے ہی بے نشاں ہوکر رہنا چاہئے، جو کام اپنے ہیں، ان کو بھی کریں، جو کام گھر والوں کے ہیں، اور آپ وہ کام سہولت سے، آسانی سے کرسکتے ہیں، تو سنت کی نیت سے آپ بھی ان کے ساتھ ان کا ہاتھ بٹادیا کریں۔

حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا امور انجام دیتے تھے؟، انہوں نے فرمایا کہ آپ گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے، جس کی مثالیں اگلی حدیث میں

آرہی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی میں خود گرہ لگا لیتے تھے، اپنے کپڑے خود ہی لیتے تھے، اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے، جس طرح تم عام آدمی اپنے گھروں میں کام کر لیتے ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان تھے، بلکہ اعلیٰ درجے کے انسان تھے، تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل، لیکن گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہیں رہتے تھے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں گھر کے کام کاج کی اور گھر والوں کے ہاتھ بٹانے کی، ورنہ عام رواج یہ ہے کہ یہ کام گھر والے خود ہی انجام دیتے ہیں۔

خواتین کا شوہروں پر احسان

عام طور پر جو نیک خواتین ہوتی ہیں، اور خدمت گزار خواتین ہوتی ہیں، وہ اپنے گھر کے سارے کام خود کرتی ہیں، چاہے خود کریں یا ماسیوں کے ذریعے کرائیں، اپنے شوہر کے مخصوص کام بھی عام طور پر وہ خود ہی کرتی ہیں، اپنے شوہر سے محبت کی وجہ سے اس کے کپڑوں پر استری کرنا، یہاں تک کہ بعض خواتین اپنے شوہر کے جوتوں پر پالش بھی کر دیتی ہیں، یہ ان کی بڑی خدمت ہے، شوہر کو ان کا احسان ماننا چاہیے، لیکن بعض شوہر ان کے ان کاموں کے نہ کرنے پر خفا ہوتے ہیں، اور ناراض ہوتے ہیں، یہ بڑی زیادتی کی بات ہے، جو کام عام طور پر خواتین کے کرنے کے سمجھے جاتے ہیں، ان میں سے بعض کام عورتوں کے لئے ضروری نہیں ہیں اگر وہ کر دیں، تو ان کا احسان ہے اور اگر وہ نہ کریں، تو ان کے ذمے لازم نہیں، جیسا کہ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی کرنا، جھاڑو پوچا کرنا، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی پرورش کرنا وغیرہ، یہ عام طور پر عورتوں کے ذمے قضاءً ضروری نہیں ہے، کریں، تو ان کا احسان ہے، نہ کریں، تو شوہر کے ذمے ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے، خود کرے، یا کسی کا انتظام کرے، اور اس سے کرائے بعض لوگ ان باتوں پر بہت خفا ہوتے

ہیں، بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ ان باتوں کی وجہ سے طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اور طرح طرح سے لعن وطعن اور ملامت وغیرہ کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں، ان سب باتوں سے بچنا چاہیے، اور ان باتوں پر خفا اور ناراض ہونے سے بچنا چاہیے۔

احسان وسلوک سے زندگی گزاریں

گھر کا معاملہ دراصل دونوں طرف سے احسان وسلوک کے ساتھ چلنے والا ہوتا ہے، عورتوں پر بھی بہت سے کام ضروری نہیں ہیں، لیکن وہ کرتی ہیں، مردوں پر بھی بعض کام ضروری نہیں، لیکن وہ کرتے ہیں اس طرح سے یہ کام چلتا ہے، شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، اور بیوی کو چاہیے کہ وہ بھی احسان وسلوک کا معاملہ کرے، اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے، اس سے گھر میں ایک خوشگوار ماحول قائم ہوتا ہے، جس میں شوہر کو بھی سکون ملتا ہے، بیوی کو بھی سکون ملتا ہے، بچوں کو بھی آرام ملتا ہے، اور گھر گاڑی کی طرح خوش اسلوبی کے ساتھ چلتا ہے، اور منزل پر پہنچ کر کامیابی کا باعث بنتا ہے، اور جہاں لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، لعن وطعن ہوتی ہے، ملامتیں ہوتی ہیں، بے شرمی اور بے حیائی کی باتیں کی جاتی ہیں، وہاں گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے، راحت ختم ہو جاتی ہے، شوہر بیوی پر زیادتی کرتا ہے، تو گھر کے اندر بے سکونی اور بے قراری پیدا ہو جاتی ہے، بیوی شوہر پر زیادتی کرتی ہے اور ظلم کرتی ہے، اور اس کے ساتھ بدتمیزی اور بدتہذیبی سے پیش آتی ہے، تو گھر کا سکون غارت ہو جاتا ہے، اور ختم ہو جاتا ہے، ہمارے لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور نمونہ قابلِ عمل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرزِ عمل ہے، وہ ہمیں اختیار کرنا چاہیے، اپنے گھر میں اپنے آپ کو ممتاز کر کے نہ رکھیں کہ میں شوہر ہوں، میں باپ ہوں، میں جو چاہے کروں، یہ غلط بات ہے بلکہ ہر ایک کو اپنے گھر والوں کے ساتھ تعاون اور ہمدردی سے چلنا چاہئے۔

اپنی ذات سے متعلق دستور

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا، کسی بیوی کو، نہ کسی خادم کو، ہاں! اللہ کے راستے میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے، اور مارنے سے مراد وہ مارنا ہے، جو غصے کے جوش میں آدمی کی پٹائی کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے میں ناحق کسی کو مارا نہیں، کسی کو تکلیف نہیں دی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی گئی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایذاء پہنچانے والے سے انتقام نہیں لیا، ہاں! البتہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے انتقام لیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوتا، وہ جاری فرماتے تھے۔

خلاصہ اور فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا، یعنی کسی نے ستایا، کسی نے تکلیف دی، کسی نے پریشان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا، صبر سے اور تحمل سے کام لیتے تھے۔

اصلاح کے لئے ڈانٹ ڈپٹ

ہاں! البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا، مثلاً اس سے زنا کا صدور ہوا، تو اس پر حدِ زنا جاری فرماتے تھے، یا چوری ثابت ہوتی، تو پھر چوری کی حد جاری فرماتے، اور ہاتھ کاٹنے کا حکم فرماتے، اس قسم کی شرعی سزاؤں کا نفاذ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری تھی، اس کو انتقام نہیں کہا جائے گا، انتقام تو وہ ہے کہ ذاتی طور پر کسی نے ستایا، کسی نے پریشان کیا، کسی نے تکلیف دی، اس پر غصہ آیا

اور پھر غصے کے نتیجہ میں اس کو مارا پیٹا، یہ ہے انتقام، ایسا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ صبر وتحمل کی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تحمل، صبر اور بردباری بھی بہت زیادہ پائی جاتی تھی، ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اس پر عمل کرنا چاہیے، البتہ اصلاح کے لئے، تربیت کے لئے اگر کوئی کسی کو تنبیہ کرے، تو وہ اس میں داخل نہیں ہے، کیونکہ وہ انتقام نہیں اور وہ اپنے غصے کا بدلہ لینا نہیں ہے، بلکہ اس کی اصلاح اور اس کی درستگی مقصود ہے، جیسے بعض مرتبہ استاد شاگرد کو تنبیہ کرتا ہے، شیخ اپنے مرید کو تنبیہ کرتا ہے، ماں باپ اپنی اولاد کو تنبیہ کرتے ہیں، تو وہ بھی انتقام میں داخل نہیں ہے، اور وہ حسبِ ضرورت، حسبِ موقع جائز اور درست ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلہ درس حیات المسلمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں سے برتاؤ

(۱۱)

شرح روح ہشتم

بیان نمبر (۶۲)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمِنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لَہٗ وأشھد أن لّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونَبِیّنَا ومولانَا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و أصحَابِہٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّا بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط (آل عمران: آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

(الاحزاب: آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ

ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

"حیاتُ المسلمین"، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس میں حضرتؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے اعمال بیان فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی میں ذلت، عزت میں تبدیل ہوسکتی ہے، پریشانی ختم ہوکر عافیت نصیب ہوسکتی ہے، بے قراری دور ہوکر سکون نصیب ہوسکتا ہے، اور دنیا ہی میں جنت کا مزہ آسکتا ہے، اور ان اعمال پر عمل کرنا ہم سب کے اختیار میں ہے، ان میں سے کوئی عمل بھی غیر اختیاری نہیں ہے، اور کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا مشکل ہو، یا وہ قدرت سے باہر ہو۔

حیاتُ المسلمین کی روح نمبر آٹھ میں حضرت تھانویؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا ذکر فرمایا ہے، اور قرآن و حدیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ مبارکہ، خصائل حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے، جس کی کچھ تفصیل گذشتہ بیانات میں گزر چکی ہے، آج بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اسی موضوع پر بات ہوگی۔

سیرتِ طیبہ پر عمل کرنا نہایت آسان ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بولنا چالنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ملنا جلنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا جانا، یہ ساری باتیں اس قدر آسان ہیں کہ ہم جب چاہیں، ان کو اپنے عمل میں لاسکتے ہیں، بس! اللہ کرے کہ یہ ہمارے عمل میں آجائیں، اسی کی ہمارے اندر کمی ہے، اور **الحمدللہ!** ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یا خود عمل کیا ہے، یا عمل کرنے کی تلقین فرمائی ہے، وہ بالکل برحق اور بجا ہے، اور ہم سب کا ایمان ہے کہ ان پر عمل کرنے میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے، اور اس کتاب کو پڑھنے

کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ ہم سب پڑھ کر، اور سن کران باتوں کو اپنے عمل میں لانے کی کوشش کریں، اور عمل میں لانے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، جن کو پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، تازہ کرنے کے لئے دوبارہ عرض کر دیتا ہوں۔

سیرتِ طیبہ کا مطالعہ عمل کی نیت سے کریں

پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں موجود سیرت طیبہ کا مضمون پڑھنے اور سننے پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ عمل کرنے کی نیت سے کریں اور اس کے لئے بہت سی کتابیں ہیں، جن کا میں آپ حضرات کے سامنے اس سے پہلے بھی تذکرہ کر چکا ہوں۔

علیکم بسنتی

ان میں سے ایک کتاب ہے ''علیکم بسنتی'' یہ سنتوں کی چھوٹی سی کتاب ہے، جس کو سنتوں کا نورانی قاعدہ کہنا چاہئے، اس میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوبیس گھنٹے کی سنتیں مذکور ہیں، نہایت ہی مختصر اور عمل کے لئے انتہائی مفید اور آسان ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ہیں، ہم اپنے سارے کام روزانہ کرتے ہیں، لیکن اپنی مرضی سے کرتے ہیں، جس کا کوئی فائدہ نہیں، وہی کام اگر ہم سنت کے مطابق کریں، تو سنت پر عمل کرنے کا ثواب، عبادت کا ثواب، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنانے کا ثواب مل جائے گا، جتنا کسی شخص میں سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔

نشر الطیب

اس کے بعد حضرت تھانویؒ کی لکھی ہوئی کتاب ''نشر الطیب'' ہے، اس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اہم اہم واقعات بیان فرمائے ہیں، یہ اردو میں ہے، اور اس کے پڑھنے

سے بھی آدمی کے دل میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور سنتوں پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا علم ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت دل میں بڑھ جاتی ہے یہ کتاب بڑے عجیب والہانہ انداز میں لکھی گئی ہے، اور بڑی بابرکت کتاب ہے۔

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

اس کے بعد تیسری کتاب ہے: ''سیرتِ مصطفیٰ ﷺ'' یہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے، بڑی ہی ایمان افروز کتاب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور عمل کرنے کی نیت سے کرنا چاہئے، اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی ہونی چاہئے کہ یا اللہ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ مبارکہ، خصائلِ حمیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، روزانہ تھوڑا تھوڑا مطالعہ، پھر عمل کرنے کی کوشش، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ دعا، یہ ایسا نسخہ ہے کہ اس کو کرنے کے بعد اِن شاء اللّٰہ تعالیٰ کوئی محروم نہیں رہے گا، اور اس طرح اِن شاء اللّٰہ تعالیٰ ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔

متبعِ سنت اللہ والے سے تعلق قائم کریں

دوسرا کام یہ کریں کہ کسی نہ کسی متبع سنت، متبع شریعت اللہ والے سے اپنا تعلق قائم کریں، اور ان کی خدمت وصحبت میں آئیں، ان سے ملیں، اور اس نیت سے ملیں، تاکہ میں بھی شریعت کا پابند ہو جاؤں، اور سنتوں پر عمل پیرا ہو جاؤں، کوئی بھی اہم کام ہو ان کے مشورے کے بغیر نہ کریں، بس! یہ دو باتیں ہیں، جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت طیبہ إن شاء اللہ تعالیٰ آدمی کی زندگی میں آنا شروع ہو جائے گی، اور جس دن یہ سنتیں ہماری زندگی کا حصہ بنیں گی، ہماری زندگی کا وہ دن بڑا ہی مبارک دن ہوگا، اور إن شاء اللہ تعالیٰ کامیابی کا دروازہ ہوگا۔

آپ ﷺ کے مصافحہ فرمانے کا طریقہ

آج کے درس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند عاداتِ مبارکہ کا بیان آرہا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے: ''مصافحہ میں تواضع'' اس کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی ہے:

> ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے، تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے، جب تک کہ دوسرا خود ہی ہاتھ نہ چھوڑ دے، اور اپنا چہرہ اس وقت تک نہ پھیرتے، جب تک دوسرا اپنا چہرہ خود ہی نہ پھیر لیتا۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے ملتے تو سلام کرتے تھے، اور اگر کوئی دوسرا سلام کرتا، تو آپ علیہ السلام اس کا جواب دیتے تھے، اور سلام کے بعد اگر مصافحے کا موقع ہوتا، تو مصافحہ بھی فرماتے، اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرماتے تھے، اور مصافحہ کرنے کے بعد جب تک دوسرا شخص آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ الگ نہ کرتا، اس وقت تک آپ علیہ السلام خود اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے، اور جب تک وہ اپنا چہرہ آپ علیہ السلام سے نہ پھیر لیتا، آپ علیہ السلام بھی اپنا چہرہ اس سے نہیں پھیرتے تھے، یہ معمولی بات نہیں ہے یہ آپ علیہ السلام کی کمالِ شفقت کی بات ہے، کمالِ محبت کی بات ہے، کمالِ تواضع کی بات ہے۔

آپ ﷺ کے تشریف فرما ہونے کا انداز

آگے فرمایا کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے زانو پھیلا

کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا، بلکہ سب کے برابر بیٹھتے تھے، اور ایک مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کسی کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ پاؤں سکیڑ کر بیٹھتے تھے، حالانکہ صحابہ کرامؓ آپ علیہ السلام کے عاشقِ زار اور آپ علیہ السلام کی اولاد کی طرح تھے، آدمی اپنے متعلقین، گھر والوں اور اولاد کے سامنے اگر پاؤں پھیلا بھی لے، تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی شرم وحیاء کا ذکر

آپ علیہ السلام کے اندر بہت زیادہ شرم اور حیاء پائی جاتی تھی، یہاں تک کہ پردہ نشین کنواری لڑکی میں اتنی حیاء وشرم نہیں ہوتی تھی، جتنی آپ علیہ السلام میں تھی، اس حیاء وشرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو صاف صاف کوئی بات بھی نہیں کہتے تھے، بلکہ عمومی انداز اختیار فرماتے تھے، اور اگر صحابہ کرامؓ آپ علیہ السلام کے گھر میں آکر بیٹھ گئے، اور باتوں میں مشغول ہوگئے، تو بھی آپ علیہ السلام ان کو یوں نہیں فرماتے تھے کہ بھئی! اب تم اپنے گھر چلے جاؤ، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے حیاء فرماتے ہیں، اور تم سے صاف صاف کہنے میں حیاء محسوس کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تم سے حق بات کہنے میں حیاء نہیں فرماتے، اور پھر فرمایا کہ آئندہ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہ بیٹھ جایا کرو، کھانے سے فارغ ہوکر اٹھ جایا کرو، کیونکہ تمہارے وہاں پر مسلسل بیٹھے رہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے، اسی حیاء اور شرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے سامنے پاؤں بھی نہیں پھیلاتے تھے، معلوم ہوا کہ حیاء وشرم بہت خوبی کی بات ہے، اور یہ بہت بڑی صفت ہے، جو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم موجود تھی، ہمیں بھی اس شرم وحیاء کی صفت کو اختیار کرنا چاہیے۔

شرم وحیاء کی صفت

شرم وحیاء انسان میں ایک ایسی صفت کا نام ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے، بری باتیں کرنے سے بچاتا ہے، بری عادتوں کے ارتکاب سے خود کو روکتا ہے، حیا کی وجہ سے انسان کی طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ کسی کے ساتھ بدتمیزی کرے، بدتہذیبی کرے، بداخلاقی کا مظاہرہ کرے، بے شرمی اور بے حیائی کا ارتکاب کرے، یا بے شرمی اور بے حیائی کے مناظر کو دیکھے، کسی کو ستائے یا پریشان کرے، کسی کو تکلیف پہنچائے، کسی کو ایذاء دے، حیاء ان سب باتوں سے آدمی کو روکتی ہے، حیاء ہمارے ایمان کا اہم شعبہ ہے، اس لئے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہمارے اندر حیاء ہے یا نہیں؟ نہ ہو، تو فکر کرنی چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک عادت وخصلت ہمارے اندر نہیں ہے، اور اگر یہ صفت آجائے، تو بڑے کمال کی چیز ہے، آدمی کی آدھی سے زیادہ اصلاح اسی سے ہوجاتی ہے، اور اس کا ظاہر و باطن سنور جاتا ہے، کیونکہ شرم وحیاء کی وجہ سے انسان گناہوں کے قریب نہیں جاسکتا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا، بلکہ اگر غیر اختیاری طور پر بھی اس سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے گی، تو اس سے بلا تکلف معذرت کرلے گا، معافی مانگے گا، اور اپنا معاملہ صاف کرلے گا۔

آگے حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ''شمائل ترمذی'' میں .... (یہ ایک کتاب کا نام ہے، جو دورۂ حدیث میں طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے، اس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار اور خصائل وشمائل کا ذکر ہے)... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور تواضع کے بارے میں دو لمبی حدیثیں مذکور ہیں، ان احادیث کے بعض جملے یہاں نقل کیے جاتے ہیں، چنانچہ ان احادیث کا عنوان ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر کے معمولات

یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح رہتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ

علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تھے، تو کیا کرتے تھے؟ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک اہم پہلو ہے، اور ہمارے سامنے اس کا بیان اس لئے ناگزیر ہے کہ ہم بھی روزانہ اپنے گھر جاتے ہیں، اور گھر والوں کے ساتھ رہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات کا علم ہونے کے بعد ہمیں بھی ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ دعا بھی مانگنی چاہئے۔

گھر کے اوقات تین حصوں میں تقسیم فرمانا

چنانچہ حضرت حسینؓ اپنے والد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں تشریف لے جاتے، تو مکان میں رہنے کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ...اس سے ایک نظم معلوم ہوتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اندر نظم وضبط تھا، گھر میں آدمی عام طور پر آزادانہ ماحول میں رہتا ہے، لیکن وہاں کے اوقات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، ہمیں بھی اپنی طبیعتوں کے اندر نظم وضبط قائم کرنا چاہئے، گھر سے باہر کی زندگی بھی منظّم ہونی چاہئے، اور گھر کے اندر کی زندگی بھی منظّم ہونی چاہئے، ...ایک حصہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے لئے، سبحان اللہ! یعنی مثلاً اگر رات ہے، تو اس کے تین حصے فرما لیتے تھے، ایک حصہ اپنے نفس کا حق ادا کرنے کے لئے، کیونکہ اس کو نیند کی ضرورت ہے، اگر آدمی نہیں سوئے گا، تو بیمار پڑ جائے گا، اور بیمار پڑ جانے سے وہ صحت کی نعمت سے محروم ہو جائے گا، نفس کا حق یہ ہے کہ اس کو نیند کا موقع دیا جائے۔

گھر والوں کے حقوق

ایک حصہ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے نکالتے تھے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے: و ان لزوجک علیک حقا، تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، سارا دن گھر سے

باہر رہے، اب گھر آئے، تو گھر والے کا بھی حق ہے کہ تم ان سے ملو، ان کی خیریت پوچھو، ان کی ضروریات دریافت کرو، ان کی دلجوئی کرو، انہیں کوئی تکلیف ہو، تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرو، ان کو کوئی غم وفکر لاحق ہے، تو ان کو تسلی وتشفی دو، اگر کسی چیز میں ان کی اعانت ونصرت کی ضرورت ہے، اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ، اور ان کو راحت وسکون پہنچاؤ، اولاد ہے، تو اولاد کے بھی حقوق ہیں، بچوں کی دیکھ بھال، ان کی صحت کا خیال، ان کی تعلیم کا خیال، ان کی تربیت کا خیال رکھو، تربیت کرنا نہیں آتی، تو تربیت کی کتابیں پڑھو، یا پھر علماء، صلحاء سے مل کر ان سے پوچھ پوچھ کر اولاد کی تربیت کرو، یہ نہیں کہ بس! اولاد پیدا کر کے چھوڑ دی، اب ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے، بچے پڑھ رہے ہیں، یا نہیں پڑھ رہے ہیں، ان کے اخلاق سنور رہے ہیں، یا نہیں؟ اس کی کوئی پروا نہیں، یہ اولاد کی حق تلفی ہے، حدیث میں آتا ہے:

"ألا كلكم راع، و كلكم مسئول عن رعيته"

تم میں سے ہر شخص نگران ہے، اور جس پر اس کو نگران بنایا گیا ہے، ان کے بارے میں اس سے دریافت کیا جائے گا۔

یعنی تم نے کہاں تک اپنا فرض ادا کیا؟، اور کہاں تک اپنے ماتحتوں کا حق ادا کیا، بہر حال گھر میں جو وقت گزرتا ہے، اس کا ایک حصہ بیوی بچوں کا حق ہے، بعض مرتبہ گھر میں بہن بھائی بھی ہوتے ہیں، ان کا بھی حق ہے، ان کا حق بھی ادا کرو، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرو، یہ ان سب کے حقوق ہیں، ان کو پورے کرنے کی کوشش کرو، اور اگر ان کا علم نہیں ہے، تو ان کو جاننے کی کوشش کرو۔

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے

اس کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا حصہ اللہ کی عبادت کے لئے خاص فرماتے تھے، گویا ایک حصہ اپنی جان کے لئے، ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے اور ایک

حصہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے لئے مختص فرماتے تھے، احادیث طیبہ میں آپ علیہ السلام نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، کہ جیسے قبرستان میں کوئی عبادت نہیں کی جاتی، اسی طرح گھروں میں بھی نفلی عبادتیں نہ کر کے ان کو قبرستان کی طرح نہ بناؤ، بعض لوگ باہر مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، لیکن گھر جا کر اللہ کا نام لینا بھی یاد نہیں آتا، حالانکہ گھروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اس کی طاعت سے، اس کی عبادت سے آباد کرنا چاہئے، مثلاً گھر کے اندر تلاوت ہونی چاہئے، نوافل بھی اپنے اپنے موقع پر پڑھنی چاہئیں، تسبیحات بھی پڑھنی چاہئیں، اپنے گھر والوں کو بھی دین کی باتیں بتانی چاہئیں، ان کو اچھی اچھی باتیں سنانی چاہئیں، علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ وغیرہ سے جو کام کام کی باتیں معلوم ہوں، وہ جا کر اپنے گھر والوں اور اپنی اولاد کو بتانی چاہئیں۔

حضور ﷺ کا اپنے ایک حصے کو تین حصوں میں تقسیم فرمانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے جو ایک حصہ مختص فرماتے، اس کے بھی تین حصے فرماتے تھے، ایک حصہ اپنے خاص صحابہ کرامؓ کے لئے مقرر تھا، جس میں آپ علیہ السلام ان کو دین کی خاص خاص باتیں بتاتے تھے، پھر ان کے ذریعے دیگر صحابہؓ اور عام مسلمانوں تک یہ باتیں پہنچتی تھیں، چنانچہ احادیث طیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ایک صحابی فرماتے ہیں کہ جب ہجرت کر کے وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اتنی کثرت سے آپ علیہ السلام کی خدمت میں آتے جاتے تھے کہ ہم نے سمجھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کوئی فرد ہیں، اور بعض صحابہ کرامؓ کو بغیر اجازت لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، جبکہ آپ علیہ السلام گھر کے مردانہ حصہ میں ہوتے، حاضر ہونے کی اجازت تھی، چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام باتیں کر رہے ہوں، یا راز کی باتیں کر رہے ہوں، ان کو سننے کی اجازت تھی، تو گھر کے تین اوقات میں سے ایک حصہ جو آپ علیہ السلام کے لئے تھا، اس کے تین حصوں میں سے ایک حصہ اپنے خاص خاص صحابہ کرامؓ کے لئے

مختص فرمایا ہوا تھا، تاکہ وہ آپ علیہ السلام کے پاس آکر آپ سے استفادہ کریں، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دوسرے مسلمانوں تک پہنچائیں، اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فضلاءِ صحابہ، یعنی جو علم وعمل میں دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے، ان کو ترجیح دیتے تھے، اور اس وقت کو ان کی ضرورت کے بقدر ان پر تقسیم فرماتے، کسی کو ایک ضرورت ہوتی، تو اس کو اتنا وقت دیتے، کسی کو دو یا تین ضرورتیں ہوتیں، تو اس کو اتنا وقت دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کرامؓ کو ایسے کاموں میں مشغول رکھتے کہ جن میں ان کا اور عام مسلمانوں کا فائدہ ہو، جیسے مسائلِ شرعیہ معلوم کرنا، مناسب حالات کی اطلاع کرنا وغیرہ، اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طالب بن کر آتے تھے، اور علمی فائدے کے ساتھ ساتھ جو کچھ آپ علیہ السلام کے گھر میں کھانے پینے کو ہوتا تھا، حضور انہیں کھلا پلا کر بھیجتے تھے، یہ رنگ تھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

مثالی نظم وضبط کا نمونہ

اب دیکھئے! آپ علیہ السلام کے گھر کے اس نظم سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا تھا، اور آپ علیہ السلام کی زندگی میں بے نظمی یا بدنظمی نہیں تھی، نظم وضبط کے ساتھ آپ علیہ السلام اپنی زندگی گزارتے تھے، معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی زندگی بے مہار نہیں گزارنی چاہیے، کہ نہ کھانے کا کوئی وقت ہے، نہ پینے کا کوئی وقت ہے، نہ سونے کا کوئی وقت ہے، نہ ملنے کا کوئی وقت ہے، انسان کو اپنی گھر کی زندگی بھی، گھر سے باہر کی زندگی بھی باقاعدہ نظامُ الاوقات بنا کر اس کے مطابق گزارنی چاہیے، یہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو ہے، جس کی کوئی جھلک آج ہمیں اپنی زندگی میں نظر نہیں آتی، الا ماشاء اللہ، حضرت تھانویؒ کے یہاں دن کا وقت ہو یا رات کا، صبح کا وقت ہو یا شام کا ایک نظام الاوقات تھا، کہ اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتے تھے، اور یہی حال ہمارے حضرت

مفتی صاحبؒ (مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) کا بھی دیکھا، کہ اپنے اوقات بڑے نظم وضبط کے ساتھ گزارتے تھے، ہمارے سارے اکابر کا تقریباً یہی رنگ تھا، اور ہم ان کے نام لیوا ہیں، اور انہی کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں،

نظم بنانے کا طریقہ

لٰہذا آج سیرتِ طیبہ کا یہ سبق لے کر اٹھیں کہ گھر سے باہر کی زندگی بھی نظم کے ساتھ ہو، گھر کے اندر کی زندگی بھی نظم کے ساتھ ہو، ہر آدمی کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں، ہر آدمی کی مصروفیات الگ الگ ہوتی ہیں، ہر آدمی اپنے اپنے حالات اور مصروفیات کے مطابق اپنی زندگی کا نظم بنالے، درمیان میں کوئی ایمرجنسی ہوجائے، کوئی اہم کام پیش آجائے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس قسم کے حالات تو سب ہی کو پیش آتے رہتے ہیں، اس لئے ان کی وجہ سے نظام میں کچھ خلل آجائے، تو آدمی ان کی پروانہ کرے،

لیکن جیسے ہی وہ ایمرجنسی یا ہنگامی صورتحال ختم ہوئے، پھر واپس اپنے نظم پر آجائیں، اس میں بڑی عافیت ہے، اس میں بڑی راحت ہے، ابھی ہمیں چونکہ اس کی عادت نہیں ہے، اس لئے ہمیں اس کی راحت کا نہیں پتہ، جیسے نابالغ کو کچھ پتہ نہیں کہ نکاح کرنے میں کیا راحت ہے، اور کیا لذت ہے، جتنا بھی سمجھالو، اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا، ہمارا حال ایسا ہی ہے کہ ہمیں نظام الاوقات کی راحت کا علم نہیں ہے، لیکن جب ہماری زندگی میں نظم آئے گا، تب پتہ چلے گا کہ اصل زندگی اسی کا نام ہے، حضرت تھانویؒ اسی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

جنت وہ ہے، جہاں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی سے کوئی غرض نہ ہو، سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہوں، اور اپنے اپنے نظام الاوقات کے مطابق اپنی اپنی زندگی گزار رہے

ہوں، وہ زندگی سہانی ہوگی، پُرراحت ہوگی، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ (آمین)

حضور ﷺ کی عمومی مجلس کا ذکر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات کے بیان کے بعد اب آپ علیہ السلام کی عمومی مجلس کے حالات کے بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ عام کیسی ہوتی تھی؟ اس کی ایک بات تو پہلے بھی ذکر کر دی گئی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلسِ عام میں بیٹھتے تھے، تو کسی کے سامنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے، مزید تفصیل ذیل کی حدیث میں آ رہی ہے:

حضور ﷺ کی ذات اعلیٰ اخلاق کا بے مثال نمونہ ہے

پھر حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد سے گھر سے باہر تشریف لانے کے بارے میں پوچھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لاتے تھے، تو آپ علیہ السلام کا طرزِ عمل اور طور طریقہ کیا ہوتا تھا؟ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی، اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے تھے، کبھی کبھار اتنا ہنس بھی لیا کرتے تھے کہ جس سے آپ علیہ السلام کی دندان مبارک اور داڑھ مبارک نظر آجاتی تھیں، لیکن یہ بہت کم دیکھا گیا، زیادہ تر آپ علیہ السلام تبسم فرماتے تھے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بالکل بت کی طرح رہتے ہیں، چہرہ بالکل خشک، جس میں دور دور تک کسی مسکراہٹ اور تبسم کا نام و نشان نہیں ہوتا تھا، عام طور پر متکبر قسم کے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے، لیکن سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک پھول کی طرح کھلتا تھا، عادت اور مزاج کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں بڑی نرمی پائی جاتی تھی، جس کی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ عاجزی کے ساتھ ملتا ہے، توجہ

کے ساتھ ملتا ہے، محبت کے ساتھ ملتا ہے، یہ سب ایسی عادات ہیں، جو ہم سب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کی ان باتوں کو سنیں، اور ان کو اختیار کریں، برخلاف اس کے کہ آدمی کی طبیعت میں ہر وقت غصہ رہے، اور بات بات میں اس کو غصہ آئے، جب بھی اس کے ساتھ بات کرو، تو تُو تڑاک سے بات کرے، گھر میں ہوتا ہے، تو خونخوار بن کر رہتا ہے، کبھی بیوی کو ملامت کر رہا ہے، کبھی بچوں کو مار رہا ہے، کبھی ملازم کو ڈانٹ رہا ہے، گھر میں کیا آتا ہے، شیر، چیتا بن کر آتا ہے، اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے، تو ہلاکو، اور لڑاکو بن کر نکلتا ہے، جس سے بات کی، اسی کو لتاڑ دیا، ڈانٹ دیا، اور ہر وقت آنکھیں لال، اور لڑنے مرنے کو تیار، بات بات میں آپے سے باہر ہو جائے، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا غصہ فرمانا

ہاں! جہاں شریعت کی طرف سے غصہ کرنے کا موقع ہو، وہاں پر غصہ کرنا چاہئے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان پیچھے گزر چکی ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی ذات کے لئے کسی سے لڑے، نہ کسی سے بدلہ لیا، ہاں! جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تھا، تو آپ علیہ السلام کو غصہ بھی آتا تھا، اور ایسا غصہ آتا تھا کہ دیکھنے والے کانپ جاتے تھے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکامات مطابق سزائیں جاری فرماتے تھے، ہاتھ کاٹنے اور رجم کرنے کا حکم دیتے تھے، کوڑے مارنے کا حکم دیتے تھے، لیکن یہ غصہ اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہوتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے غصہ بالکل درست ہے، یہ ہونا بھی چاہئے، یہ غصہ نہ ہو، تو پھر کافروں سے لڑائی اور جہاد کیسے ہوگا؟

ہاں! اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں ہونا چاہئے، جہاں تک ہو سکے، صبر و تحمل کی عادت

ہونی چاہئے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاج کے اعتبار سے بہت نرم تھے، آپ علیہ السلام کی موجودگی میں لوگ آپس میں جھگڑتے نہیں تھے، اور جہاں آپ علیہ السلام اتنے نرم دل تھے، وہاں آپ علیہ السلام کا رعب بھی تھا، آپ علیہ السلام کا ادب بھی تھا، صحابہ کرامؓ آپ علیہ السلام کا بڑا احترام کرتے تھے، اور اس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے سامنے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے، جو آپ علیہ السلام کے روبرو کوئی بات کرتا، اس کے فارغ ہونے تک خاموش رہتے، پوری توجہ سے اس کی بات سنتے، حالانکہ آپ علیہ السلام کی صبح سے شام تک کی زندگی نہایت ہی مصروفیت کے ساتھ گزرتی تھی، اس کے باوجود بات کرنے والے کی پوری بات نہایت توجہ سے سنتے، درمیان میں اس کی بات کاٹتے نہیں تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال تحمل

کوئی اجنبی آدمی اگر گفتگو یا سوال میں کوئی جاہلانہ طریقہ اختیار کرتا، یا بدتمیزی کرتا، تو آپ علیہ السلام اس پر تحمل فرماتے تھے، اگر کوئی مسافر یا دیہاتی، بدو آپ علیہ السلام کے پاس آتا، اور چونکہ مسافروں اور دیہاتیوں کو آپ علیہ السلام کے مقامِ عالی کا اتنا احساس نہیں تھا، چنانچہ وہ اپنے سادے پن یا ناواقفیت کی وجہ سے، آپ علیہ السلام سے الٹے سیدھے سوالات بھی کرتے تھے، جو کہ آپ علیہ السلام کے حاضر باش صحابہ کرامؓ کے لئے گراں بار ہوتے تھے، اور وہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکلیف دہ خیال کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام ان کی نامناسب باتوں کو برداشت فرماتے تھے، اور ان کو ڈانٹتے نہیں تھے، عام صحابہ کرامؓ، جو ہر وقت آپ علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے، ان کو چونکہ آپ علیہ السلام کے مقامِ عالی کا اندازہ تھا، اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے ڈرتے تھے، اور اس بات کے انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی مسافر یا دیہاتی آجائے، اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے، اور آپ علیہ السلام اس کو جواب دیں، تو اس کی وجہ سے ہمیں بھی دین کی کچھ باتیں معلوم ہو جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کا ذکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات کو درمیان سے کاٹتے نہیں تھے، البتہ اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا، تو اس کو منع فرمادیتے تھے، یا مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے، اور اگر کوئی حد سے زیادہ لمبی بات کرتا، جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے، کہ اصل بات تو بتاتے نہیں، پہلے ایک بہت لمبی چوڑی تمہید قائم کریں گے، اور الف سے یاء تک ساری کہانی سنائیں گے، پھر اپنا مدعیٰ پیش کریں گے، یہ صورتحال مصروف اور مشغول آدمی کے لئے بڑی تکلیف دِہ ہوتی ہے، اگر کوئی ایسی بات کرتا، تو آپ علیہ السلام اس کو منع فرمادیا کرتے تھے، اس لئے کہ صبر وتحمل اور اخلاق کی ایک حد ہوتی ہے، کسی حد تک کسی کی نامناسب اور غیر ضروری باتیں برداشت کی جاسکتی ہیں،

لیکن اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگے، تو پھر مناسب نہیں ہے، پھر اس کو منع ہی کرنا بہتر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ایسی حرکت کرنے پر مزید بات کرنے سے منع بھی فرمادیا کرتے تھے، اور بعض مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے تھے، اور اٹھ کر تشریف لیجانے سے اس کو یہ سبق مل جاتا تھا کہ غیر ضروری بات نہیں کرنی چاہئے، کہ جس سے دوسرے کا وقت ضائع ہو، اور اس کا کچھ حاصل نہ ہو، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام مجلس کا رنگ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالفین کے ساتھ برتاؤ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ جو طرزِ عمل تھا، اس کی کچھ جھلک آپ حضرات کے سامنے آچکی ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟، اب آگے اس کا بیان ہو رہا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا گیا کہ حضور! مشرکین کے خلاف بد دعا کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں لعنت کیلئے بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں، بلکہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، (سبحان اللہ)،

اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ

اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا، مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

مشرکین، جو آپ علیہ السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے تھے، طرح طرح سے ستاتے اور پریشان کرتے تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر ان کے حق میں بد دعاء نہیں فرماتے تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ دشمنوں کے حق میں بھی دعاء خیر کرنے کی تھی، البتہ کبھی کبھی اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کوئی درخواست فرماتے تھے، اور یہ اس لئے ہوتا تھا کہ دشمنوں کے شر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہو جائے، تو اس لئے کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا بھی فرماتے تھے، زیادہ تر آپ علیہ السلام ہدایت کی دعا ہی فرماتے تھے۔

اہلِ طائف کا سلوک اور حضور ﷺ کا برتاؤ

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب سے زیادہ کافروں کی طرف سے جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے، وہ اس وقت پہنچی، جب آپ علیہ السلام ہدایت کا پیغام لیکر طائف والوں کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک سے بچنے کی تاکید

فرمائی، تو جس طرح کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو رد کیا، اہلِ طائف نے بھی رد کر دیا، اور نہ صرف رد کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدتمیزی کی اور تکالیف دیں، اور بچوں کو آپ علیہ السلام کے پیچھے لگا دیا، جو آپ علیہ السلام کو پتھر مارتے جاتے، اور آپ علیہ السلام آگے چلتے جاتے تھے، یہاں تک آپ علیہ السلام کا جسم مبارک لہولہان ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نعلین مبارک خون سے بھر گئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی،

اللہ پاک نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کا ایک فرشتہ بھیجا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، اور عرض کیا کہ حضور! اگر آپ حکم فرمائیں، تو میں طائف کے ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں؟ جن کے درمیان یہ طائف والے چکی کے دانوں کی طرح پس کر ختم ہو جائیں گے، اس وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ ہاں بھئی! ایسا کر دو تو ذرا سی دیر میں اہلِ طائف کا قیمہ بن جاتا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا نہیں کی، بلکہ دعا کی کہ یا اللہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں، میری بات کو سمجھ نہیں رہے، اور ہوسکتا ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالی مسلمان پیدا فرما دیں، اسی طرح مکہ مکرمہ فتح ہو جانے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر حملہ کیا، اور اسے فتح کیا، تو کافی دن تک محاصرہ کرنے کے باوجود طائف فتح نہیں ہوا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ ختم کر کے اور یہ دعا کر کے واپس تشریف لے آئے کہ یا اللہ! ان کو ہدایت دے دیجئے، اور ان کو میری تابعداری کی توفیق عطا فرما، (او کما قال)۔

اس وقت بھی آپ نے ان کے لئے بددعا نہیں فرمائی اس طرح شروع میں بھی بددعا نہیں فرمائی، اور آخر میں بھی بددعا نہیں فرمائی، حالانکہ وہ دشمن تھے، لڑائی میں پسپا ہو کر، جان بچا کر طائف بھاگے تھے، اور وہاں جا کر قلعہ بند ہو گئے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان سے جہاد کی کوشش تو فرمائی، لیکن بد دعا نہیں فرمائی، بلکہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! بنو ثقیف کو ہدایت عطا فرما، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا یہ اثر ہے کہ آج طائف چودہ سو سال سے مسلمانوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی کہ آپ عموماً دشمنوں کے لئے بھی بد دعا نہیں فرماتے تھے۔

دیکھئے! اس وقت اگر ہاتھ سے بدلہ لینا مشکل تھا، لیکن زبان سے بدلہ لینا آسان تھا، خصوصاً جب آپ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام نے یقین دلایا کہ اجازت دیتے ہی سب ہلاک اور تہس نہس کر دیے جائیں گے، مگر آپ علیہ السلام نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا، آپ علیہ السلام کا یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا، جو آپ علیہ السلام کے مدِّ مقابل تھے، ان میں سے بعض مخالفین آپ علیہ السلام کی رعایا تھے، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باضابطہ بھی قدرت حاصل تھی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، اور قدرت حاصل ہوتے ہوئے بھی انتقام نہیں لیتے تھے۔

ایک یہودی کے قرض طلب کرنے کا واقعہ

ایک یہودی کا واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی رعیت میں مدینہ منورہ میں آباد ایک یہودی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کچھ قرض تھا، مدینہ منورہ کے یہودی آپ علیہ السلام کی رعایا تھے، ایک دفعہ اس نے اپنے قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تنگ کیا کہ ظہر سے لیکر اگلے دن صبح تک مسجد سے گھر نہیں جانے دیا، اندازہ کیجئے! اس نے آپ علیہ السلام کو کتنی تکلیف پہنچائی، لوگوں نے اسے دھمکایا کہ بھئی! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر تو جانے دو، آپ علیہ السلام کو کیوں اتنا ستا رہے ہو، اور تکلیف دے رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی معاہد اور ذمی (مسلمانوں کے ملک میں غیر مسلم رعایا) پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے، یعنی میرے ماتحت جو کافر ہیں، اللہ پاک نے ان پر ظلم کرنے سے مجھے منع فرمایا

ہے، اسی واقعے میں ہے کہ اگلے دن صبح کے وقت سورج کے کچھ بلندی پر پہنچنے کے بعد اس یہودی نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا، اور کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انک رسول الله

اور اسلام قبول کر کے اس نے یہ بیان کیا کہ نبی آخر الزماں کی جو صفات تورات میں مذکور ہیں، وہ یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے بیٹے ہیں، آپ علیہ السلام کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوگی، اور ہجرت کا مقام مدینہ منورہ ہوگا، اور ان کی سلطنت ملکِ شام میں ہوگی، جو بعد میں ہوئی، آپ علیہ السلام سخت خو نہیں ہیں، یعنی ان کی عادت سخت نہیں ہے، یعنی مزاج میں سختی نہیں ہے، نہ بازاروں میں شوروشغب کرنے والے ہیں، بے حیائی کے کاموں اور باتوں سے دور رہنے والے ہیں، یہ صفات آپ علیہ السلام کے اندر موجود ہیں یا نہیں؟ میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا، اس لئے میں نے ظہر سے لیکر صبح تک آپ علیہ السلام کو تنگ کیا، اور مسجد میں روکے رکھا، تاکہ یہ دیکھوں کہ آپ علیہ السلام ان صفات پر پورے اترتے ہیں یا نہیں؟ بندہ نے اس کو دیکھ لیا، بلاشبہ نبی آخر الزماں کی جو صفات اور علامتیں تورات کے اندر لکھی ہیں، وہ آپ علیہ السلام کے اندر موجود ہیں، اس لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

آخر میں حضرتؒ مشورہ دے رہے ہیں، اور مشورہ وہی ہے، جو میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں، اور کسی نہ کسی اللہ والے سے اپنا تعلق جوڑیں، حضرتؒ فرماتے ہیں:

> ”سیرتِ طیبہ کے متعلق اس باب میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھ لیا کریں، یا کسی سے سن لیا کریں، تو بہت جلد عادات اور اخلاق کے درست ہونے کی امید ہے، تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے۔“

سیرتِ طیبہ کا مبارک اثر

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ طیبہ اور خصائلِ حمیدہ اور شمائلِ مبارکہ ایسی ہیں کہ ان میں اللہ پاک نے غیر معمولی اثر رکھا ہے، اگر تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھیں گے، تو اس کا اثر ہوگا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے إن شاء اللّٰہ تعالیٰ وہ عادات وخصائل اپنے اندر پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی، کیونکہ ہمارا ایمان ہمیں یہی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہمارے لئے آخری نمونہ ہیں، اب قیامت تک ایسا نمونہ دوسرا نہیں آئے گا، آپ علیہ السلام قرآن شریف کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں، اور ہمارے ایمان کا ہر دم ہم سے تقاضا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اپنائیں، آپ کی عادات واطوار کو اختیار کریں، جب پڑھیں گے، تب ہمارے اندر یہ جذبہ بیدار ہوگا،

پڑھنے کے ساتھ ساتھ جب کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں گے، تو اس میں اور بھی زیادہ اثر ہے، اور اللہ والے بھی یہی کہتے ہیں، بالخصوص ہمارے سلسلے میں یہی تلقین اور تعلیم کی جاتی ہے کہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرو، سنتوں پر عمل کرنے سے ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، اس کو کہتے ہیں: جذب ہونا، اور آدمی اسی وقت کامیاب ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہم پہنچنا چاہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں، اور ہم سے محبت فرمانے لگیں، اپنا قربِ خاص عطا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا روزانہ مطالعہ کریں، اور کسی نہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہیں، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائیں، آمین۔

رجب اور شعبان سے متعلق دعائیں

آخر میں رجب اور شعبان سے متعلق جو دعائیں ہیں، وہ بھی عرض کردوں، جب

رجب کا چاند نظر آتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرما، اور ہمیں رمضان شریف تک پہنچا دیجئے۔

یعنی یا اللہ! ہمیں خیر و عافیت کے ساتھ ماہ رمضان نصیب فرما، یہ دعا آج ہی سے کرنا شروع کردیں، یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مانگنا ثابت ہے، لہٰذا یہ دعا مانگیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو رمضان شریف کے بابرکت مہینے کی برکات سے مالا مال فرمائیں، اور ہمیں ان کی نعمتوں، برکتوں سے محروم نہ فرمائیں۔

دوسری دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے آخر میں مانگتے تھے، اور نہ صرف مانگتے تھے، بلکہ صحابہ کرام کو اس طرح وہ دعا سکھاتے تھے، جیسے قرآن شریف کی کوئی آیت ان کو سکھاتے اور بتاتے تھے، اور وہ ہے:

اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ، وَ سَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلاً

اے اللہ! مجھے رمضان شریف کے لئے سلامت رکھیے، اور رمضان کو میرے لئے سلامت رکھیے، اور رمضان شریف کو میرے لئے مقبول بنا کر سلامت رکھیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دعا کی بھی توفیق عطا فرمائیں، آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

حقوق العباد کی اہمیت

(۱۳)

شرحِ روحِ نہم

بیان نمبر (۶۴)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۱۲ جولائی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدهٗ ونستعینهٗ ونستغفرهٗ ونؤمِنُ به ونتوکّل علیه ونعوذ باللّٰهِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّهدهِ اللّٰهُ فلا مضلَّ لهٗ وَمَن یُضللهُ فلا هَادِیَ لَهٗ وأشهد أن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدهٗ لاشریک لهٗ وأشهد أنّ سیّدنا ونَبیّنَا ومولانَا محمداً عبدهٗ و رسولهٗ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ و أصحَابهٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ (سورۃ الزمر: آیت ۳۰)

ترجمہ

(اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے، اور موت انہیں بھی آنی ہے، پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے پاس اپنا مقدمہ پیش کروگے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الأمت، مجدد الملّت حضرت مولانا تھانویؒ نے ''حیاۃ المسلمین'' کی روح نمبر ۹ میں مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کی اہمیت اور تاکید فرمائی ہے، اور اس کو قرآن

وحدیث سے ثابت کیا ہے، لہٰذا یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم حکم ہے، اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سلسلے میں سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہمیں ان کا صحیح صحیح علم ہو، جب تک صحیح علم نہیں ہوگا، ان حقوق کی صحیح ادائیگی ہونا مشکل ہے، صحیح علم ہو جانے کے بعد ان کا ادا کرنا آسان ہے، اور ضروری بھی ہے، اور اس روح نمبر ۹ میں حضرتؒ نے مسلمانوں کے بہت سے حقوق بیان فرمائے ہیں، جو آہستہ آہستہ إن شاء اللہ تعالیٰ ہم سب کے علم میں آتے رہیں گے، اور ہم سب عمل کرنے کی نیت سے ان حقوق کو سنیں، سمجھیں، اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ حضرت تھانویؒ ساری زندگی حقوق العباد کی اہمیت بیان کرتے رہے، اور اس کی تاکید کرتے رہے،

دو چیزوں پر حضرتؒ نے بہت زیادہ زور دیا ہے، ایک معاشرت صحیح کرنا اور دوسرے معاملات کا درست کرنا، یعنی جو شخص بھی اپنی اصلاح چاہتا ہے، اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق چاہتا ہے، اور دین پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا چاہتا ہے، جس کے نتیجے میں إن شاء اللہ تعالیٰ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوگی، اور حیات طیبہ عطا ہوگی، آخرت میں فلاح یاب ہوگا، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معاشرت بالکل شریعت کے مطابق صحیح اور درست ہو، اور اس کے سارے معاملات بالکل درست، صحیح اور شریعت کے مطابق ہوں، معاشرت کہتے ہیں: رہن سہن کو یعنی گھر میں رہنے کو، دوستوں کے ساتھ رہنے کو، پڑوسیوں کے ساتھ رہنے کو، دوسرے انسانوں کے ساتھ کہ جن کے ساتھ آدمی اٹھتا بیٹھتا، رہتا سہتا ہے، ان کے ساتھ معاملات صحیح کرنے کو، روحِ معاشرت یہ ہے کہ اس کی طرف سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، دوسروں کو راحت ملے، اور راحت نہ ملے، تو کم از کم تکلیف نہ ہو، اس کے لئے حضرت تھانویؒ نے باقاعدہ ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام "آداب المعاشرت" ہے۔

معاملات کا درست رکھنا فرض ہے

اور اسی طرح انسان صبح سے شام تک مختلف معاملات انجام دیتا ہے، کبھی خریدتا ہے، کبھی بیچتا ہے، کبھی ملازمت اور نوکری کرتا ہے، کبھی کرایہ کا لین و دین کرتا ہے، کبھی ادھار لیتا اور دیتا ہے، کبھی امانت رکھواتا ہے، کبھی امانت رکھتا ہے، انہیں معاملات کہتے ہیں، جب تک یہ درست نہیں ہوں گے، کسی کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق نصیب نہیں ہوگا، چاہے کتنا ہی بڑا عبادت گزار اور تہجد گزار ہو، اور کتنا ہی بڑا حاجی نمازی ہو، جس طرح عبادات اپنی جگہ ضروری ہیں، اسی طرح معاشرت اور معاملات کا درست ہونا بھی اپنی جگہ فرض اور ضروری ہے، اس کے لئے حضرتؒ نے "بہشتی زیور" میں معاشرت کو پوری تفصیل سے بیان فرمایا، اور معاملات کے بھی مختلف حصے اس میں تحریر فرمائے، نکاح کے بیان سے لیکر آگے تک کافی حصے صرف معاملات سے متعلق ہیں، اور معاملات کے بارے میں الگ سے بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کا نام ہے: "صفائی معاملات"، اس میں اہم اور بنیادی معاملات کے شرعی احکام بیان فرمائے ہیں، اور ان کی پاسداری کی تاکید فرمائی ہے۔

حقوق سے متعلق جامع کتاب

اسی طرح حضرت تھانویؒ نے حقوق العباد کے سلسلے میں بھی مختلف کتابیں اور کتابچے تحریر فرمائے، اور ان کا خلاصہ ہمارے حضرتؒ کے مجاز اور خلیفہ صوفی محمد اقبال قریشی صاحب دامت برکاتہم نے جمع فرمایا ہے، اس کا نام بھی انہوں نے "حقوق العباد" رکھا ہے، اس میں انہوں نے حضرت تھانویؒ کے خاص خاص رسالے جمع کیے ہیں، جیسے "حقوق الوالدین"، کہ جب ہمیں والدین کے حقوق معلوم ہوں گے، تو ادا کریں گے، جب والدین کے حقوق معلوم نہیں ہوں گے، تو ان کو ادا کیسے کریں گے؟ حضرتؒ نے اس میں والدین کے حقوق بڑی تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں، بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو بعض مرتبہ ان حقوق کی خبر نہیں ہوتی، جس کے نتیجے میں وہ ماں باپ کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی

کر جاتے ہیں، اوران کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں، اوراپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ''حقوق الزوجین'' ایک رسالہ ہے، اس میں حضرتؒ نے میاں بیوی کے حقوق بیان فرمائے ہیں، شادی کرنے کا لوگوں کو بہت شوق ہوتا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ شوہر کے حقوق کیا ہیں؟ بیوی کے حقوق کیا ہیں؟ اورحقوق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ شوہر، بیوی پر ظلم کرتا ہے، اور بعض مرتبہ بیوی، شوہر پر ظلم کرتی ہے، اور بعض مرتبہ دونوں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، اور ظلم کرنا ناجائز ہے، اور یہ حقوق العباد کی پامالی ہے۔

اور حضرتؒ نے یہ حقوق وضاحت سے لکھے ہیں کہ فلاں کام میں بیوی کا کیا حق ہے؟ فلاں کام میں شوہر کا حق ہے یا نہیں؟ اردو زبان میں میاں بیوی کے حقوق پر بہت سی کتابیں لکھی ہوئی ہیں، لیکن جیسی جامعیت حضرتؒ کے رسالے میں ہے، ویسی اور کہیں نہیں ہے، اس لئے اس کے مطالعے کی ضرورت ہے۔

حضرتؒ نے ''حقوق الحیوانات'' کے نام سے بھی ایک رسالہ لکھا ہے، یعنی جانوروں کے حقوق، اب جانوروں کے حقوق عام طور پر کون جانتا ہے؟ الا ماشاء اللّٰہ۔

حقوق العباد کی یہ کتاب ماشاء اللّٰہ بہت جامع ہے، اوراس کا مطالعہ ضرور ہونا چاہئے، پہلا کام یہی ہے کہ ہمیں حقوق کا علم حاصل ہو، اور ہم اپنا جائزہ لیں کہ صبح سے شام تک کن کن لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے، ماں باپ کا اولاد سے واسطہ پڑتا ہے، اولاد کا ماں باپ سے واسطہ پڑتا ہے، شوہر کا بیوی سے اور بیوی کا شوہر سے واسطہ پڑتا ہے، اس کے بعد بہن بھائیوں سے، پھر رشتہ داروں سے، پھر پڑوسیوں سے، پھر جہاں آدمی نوکری کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، ان سے، اور پھر جہاں آدمی کاروبار کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، وہاں لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، راستے میں آتے جاتے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان سب کے حقوق ہیں، اب حقوق معلوم ہوں، تو ادا ہوں گے، حقوق ہی معلوم نہ ہوں، تو کیسے ادا کرے گا؟ اس لئے ان حقوق کو جانئیں، اور جان کر ادا کرنے کا اہتمام کریں، اس کی

تاکید حضرتؒ یہاں فرمارہے ہیں، حقوق العباد کی روح یہی ہے کہ آدمی اپنی زندگی اس طریقے سے گزارے کہ اس سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، ہمارے حضرتؒ کا شعر یاد آگیا ؎

عمر بھر اس اہتمام میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پر بار نہ ہو

ساری عمر اس فکر میں گزرگئی کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

دوسرا فرض یہ ہے کہ جب حقوق معلوم ہوجائیں، تو آدمی ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرے، اور جہاں کوئی غلطی ہوجائے، کوتاہی ہوجائے، حق تلفی ہوجائے، معافی تلافی کرلے، بس! اسی طرح زندگی گزارتا رہے، کوشش کرے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کوشش کرے کہ میری طرف سے کسی کو تکلیف نہ ہو، اگر ہوجائے، تو جیسے اور گناہ ہیں، یہ بھی ایک گناہ ہے، اگر اس گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا کافی ہے، اور اگر اس میں کسی بندے کی حق تلفی ہے، تو توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس بندے سے اس حق کی معافی وتلافی بھی ہے، بہرحال! بندوں کے حقوق میں کوتاہی کی بھی آخرت میں جواب دہی ہے، جس نے کسی بندے کے ساتھ زیادتی کی ہوگی، کسی کی حق تلفی کی ہوگی، کسی کے اوپر ظلم کیا ہوگا، تو اگر دنیا میں معافی تلافی نہ کی تو کل اس کا بدلہ دینا پڑے گا، اس آیت میں اللہ پاک نے یہی فرمایا ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ (سورۃ الزمر: آیت ۳۰)

ترجمہ

(اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے، اور موت انہیں بھی آنی ہے، پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے پاس اپنا مقدمہ پیش کروگے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عملی فیصلہ فرمائیں گے، اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن دو فریقوں کا ذکر ہے، اس سے مومن اور کافر، اور مسلمانوں میں ظالم ومظلوم دونوں مراد ہیں، یعنی اگر کسی شخص نے دوسرے پر ظلم کیا ہوگا، تو اس کے ظلم کے بقدر اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا بدلہ دلوائیں گے، ظالم اور مظلوم چاہے مسلمان ہو، یا کافر، اس بات کی احادیثِ طیبہ میں بڑی تاکید آئی ہے، جیسا کہ آگے بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ احادیث آنے والی ہیں، ایک دو احادیث میں پہلے عرض کردوں۔

حقوق کی ادائیگی یا معافی کا اہتمام

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر کسی پر کسی کا کوئی حق ہے، تو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں ادا کرکے، یا معافی مانگ کر کے حلال ہوجائے۔"

قیامت کے دن دراہم ودینار تو ہوں گے نہیں، کیونکہ یہ دنیا کے سکے ہیں، آخرت کے سکے نہیں ہیں، آخرت کا سکہ نیکیاں ہیں، آخرت میں جتنے بھی حقوق کی ادائیگی ہوگی، وہ نیکیوں سے ہوگی، چنانچہ جس نے کسی پر دنیا میں ظلم کیا ہوگا، تو آخرت میں ظلم کے بقدر نیکیاں مظلوم کو دلوادی جائیں گی جبکہ ظالم کے پاس نیکیاں ہوئیں، اور اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں، تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے، یہ ہے آخرت کا معاملہ، دنیا میں کسی کو ناحق مارا ہوگا، کسی کی چیز چرائی ہوگی، یا بغیر اجازت کے استعمال کرلی ہوگی، یا کسی طرح اس کو ستایا ہوگا، یا کسی طریقے سے پریشان کیا ہوگا، ایسا مذاق کیا ہوگا، جس میں اس کی توہین اور تذلیل ہوگئی، یا اس کو تکلیف پہنچ گئی، یا خدانخواستہ کسی پر جھوٹا الزام لگادیا، کسی پر تہمت لگادی، یا کسی کو خوامخواہ ماردیا، یا کسی سے کچھ ادھار لے کر واپس ہی نہیں کیا، دیکھو! یہ ہیں حقوق العباد کی کوتاہیاں، یہ سب ناجائز ہیں، اور اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ بندوں کے ساتھ زیادتی بھی ہے، ان کا حساب آخرت میں نیکیوں سے ہوگا، جس نے ایسا کیا ہوگا، اس کی نیکیاں، نمازیں، روزے، زکوۃ، حج، تسبیحات، تلاوت اور دیگر نیکیاں جس جس کی حق تلفی کی ہوگی، اس کے حق کے بقدر اس کو دے دی جائیں گی، اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی، تو مظلوم کے حق کے برابر مظلوم کے گناہ ظالم کے سر پر ڈال دیے جائیں گے، دیکھیں! یہ کتنی سنگین بات ہے!۔

قیامت میں حقوق العباد کا سب سے پہلا مقدمہ

حدیث میں آتا ہے کہ:

> قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے پہلا مقدمہ میاں بیوی کا پیش ہوگا۔

میاں بیوی کا مقدمہ اس لئے پیش ہوگا کہ عام طور پر میاں بیوی کی ایک دوسرے کے ساتھ طویل رفاقت ہوتی ہے، اور ان کا آپس کا تعلق بھی ایسی بے تکلفی کا ہے کہ ایسا تعلق کسی اور کا نہیں ہوتا، اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن عورت کی زبان نہیں بولے گی، بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء بولیں گے کہ یہ کس کس طرح اپنے شوہر کی حق تلفی کرتی تھی، اس کو تنگ کرتی تھی، اس کو تکلیف پہنچاتی تھی، اور اسی طرح شوہر کی زبان بھی بند کر دی جائے گی، اس کے اعضاء بولیں گے کہ یہ کس کس طرح سے اپنی بیوی کو ستاتا تھا، اس کو پریشان کرتا تھا، اس کو مارتا تھا، طعنے دیتا تھا، برا بھلا کہتا تھا، یا اس سے غلط اور ناجائز مطالبے کرتا تھا کہ اپنے والدین کے پاس سے اتنے پیسے لیکر آؤ، گاڑی لیکر آؤ، فلاں چیز لیکر آؤ، اور وہ بے چاری مجبوراً مہیا کرنے کی کوشش کرتی کہ کسی طرح گھر بنا رہے، اور بیوی سے شوہر کو، اور شوہر سے بیوی کو حق دلوایا جائے گا، تو پہلا مقدمہ میاں بیوی کا ہوگا، اس لئے میاں بیوی کو بہت زیادہ فکر کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے، ایک دوسرے کے ساتھ اچھے سلوک سے رہیں، حسنِ معاشرت اختیار کریں، ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی نہ

کریں، ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں، غلطی ہو جائے، تو معافی وتلافی کرتے رہیں۔

مالک اور ملازم کا مقدمہ

حدیث میں ہے کہ اس کے بعد آدمی اور اس کے نوکر چاکر کا مقدمہ پیش ہوگا، سیٹھ اور مالک کس کس طرح سے اپنے نوکروں، اپنے ملازموں پر ظلم کرتا تھا، زیادتی کرتا تھا، ان کی حق تلفی کرتا تھا، کام لیتا تھا، پیسے نہیں دیتا تھا، یا پورے پیسے نہیں دیتا تھا، ایسے ملازمین جو اپنے مالکوں کے پاس کام کرتے تھے، کام نہیں کرتے تھے، اور پیسے پورے لیتے تھے، یا اس کا مال چوری کرتے تھے، جیسا کہ آج کل مالک کا مال چوری کرنا بہت عام ہے، فیکٹریوں میں، کارخانوں میں جگہ جگہ ملازمین چوری کرنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے، بلکہ اکثر مسلمانوں میں اللہ بچائے! چوری کا ایک عام رواج ہوگیا ہے، بجلی کی چوری عام ہے، کنڈا لگا کر اپنا گھر چمکا رہے ہیں، گیس کی چوری، پانی کی چوری، بس کے ٹکٹ میں چوری، ریلوے کے ٹکٹوں میں چوری۔

قومی املاک کی چوری نہایت خطرناک ہے

ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک ہوتی ہے ایک آدمی کی چوری، دنیا میں اگر اس کا بدلہ نہ دیا، تو قیامت کے دن صرف اس ایک آدمی ہی کو اس کا بدلہ دینا پڑے گا، لیکن قومی چیزوں اور قومی املاک میں چوری نہایت ہی خطرناک چیز ہے، ساری قوم ایک طرف کھڑی ہوگی، اور وہ اکیلا ایک طرف کھڑا ہوگا، اب اس کی نیکیاں ان سب میں بٹ جائیں گی، اور اس کی نیکیاں اتنی زیادہ ہوں گی نہیں، کہاں سے دے گا، لوگ سمجھتے ہیں کہ بجلی کی چوری کرنے میں کیا حرج ہے؟ بس اور ٹرین میں چڑھ گئے، اور ٹکٹ نہیں لیا، سمجھتے ہیں کہ اس میں کیا ہوا؟ کل پتہ چلے گا کہ اس میں کیا ہے؟ یہ قوم کی چوری ہے، بعض ملازمین اپنے مالکوں کی چوریاں کرتے ہیں، اور اس کو معمولی سمجھتے ہیں، بلکہ اب ہمارے معاملات کی خرابی کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ عام مسلمان، جو آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے،

ایک دوسرے کی حق تلفی نہیں کرتے تھے،

لیکن آج کل جہاں کہیں کوئی حادثہ ہو جائے، سانحہ ہو جائے، مثلاً بس الٹ گئی، ایکسیڈنٹ ہو گیا، اب وہاں ایک دو آدمی مر گئے، کچھ زخمی ہو گئے، تو وہاں بھی لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے، کوئی کسی کی جیب سے قلم نکال رہا ہے، کوئی پیسے نکال رہا ہے، کوئی موبائل نکال رہا ہے، وہ بیچارہ زخمی ہے، وہ ہائے! ہائے! کر رہا ہے کہ کسی طرح کوئی اسے ہسپتال پہنچا دے، یا اس کے گھر پہنچا دے، دوسرے اس کو لوٹ رہے ہیں، جہاں ذرا سا مارکیٹ میں کوئی حادثہ یا سانحہ ہوا، تو وہی بازار والے ایک دوسرے کی دوکان کو لوٹنا شروع کر دیتے ہیں، اور سامان لوٹ لوٹ کر اپنے گھروں میں لے جانا شروع کر دیتے ہیں، یہ سب حقوق العباد کی کوتاہیاں ہیں، لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دینداری اس کا نام ہے کہ بس! نماز پڑھ لو، روزہ رکھ لو، اللہ اللہ، خیر سلا، اسی کو دینداری سمجھے ہوئے ہیں، معاشرت و معاملات کیسے خراب، اور کیسے گندے ہیں، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

تقسیمِ میراث میں کوتاہی

ہمارے یہاں مرنے والے کی میراث کی تقسیم کا کوئی رواج نہیں ہے، شاذ و نادر کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہوتا ہے، جس کے وارثین اپنے ماں، باپ کے مرنے کے بعد اس کی میراث تقسیم کرتے ہوں، ورنہ عام طور پر اگر باپ مر گیا، تو باقی بیٹے میراث پر قابض ہو جاتے ہیں، بیٹیوں کو میراث نہیں دی جاتی، حالانکہ باپ کی میراث میں جس طرح بیٹوں کا حق ہے، ماں کا بھی حق ہے، بہنوں کا بھی حق ہے، اور یہ بھی اسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز و روزہ فرض ہے، اور دوسروں کے حصے ہڑپ کرنا غصب ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، اور حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے کہ:

من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة،

جو کسی وارث کی میراث ختم کرے گا، اللہ تعالیٰ جنت میں سے اس کا

حصہ ختم کر دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے اگر کسی نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی لے لی، تو قیامت کے دن ساتویں زمین سے وہ مٹی اس کو نکالنی پڑے گی، اور پھر وہ مٹی نکال کر اس کے گلے کا ہار بنا دی جائے گی، جس کو لیکر وہ قیامت کے میدان میں چلے گا، یہ کتنا بڑا عذاب اور کتنی بڑی ذلت ہے!

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ میاں بیوی کا، اور پھر اس کے بعد مالک اور ملازم کا مقدمہ پیش ہوگا۔

آدمی کے عمومی معاملات کا مقدمہ

پھر اس کے بعد آدمی کے عام لوگوں کے ساتھ جو تعلقات تھے، اس کا مقدمہ پیش ہوگا، بیچنے والے دوکاندار، تاجر اور سوداگر نے اگر دھوکا دیا، گاہک اصلی چیز لینے آیا تھا، اس نے نقلی دے دی، یا کم تول دی، یا ملاوٹ کر دی، تو اس کا حساب کیا جائے گا۔

یہ گناہ بھی ہماری مارکیٹوں میں عام ہے، لوگ اس کی بھی پروا نہیں کرتے، پیسے پورے لے لئے، چیز اس کو کم دی، ڈنڈی مارنے کا بعض لوگوں کو ایسا کمال ہے کہ الامان والحفیظ، اور ایسے ہی بعض مرتبہ گاہک بھی دوکاندار اور تاجر کو دھوکا دیتا ہے، مثلاً اس نے جعلی نوٹ چلا دیا، چاندرات میں جا کر جعلی نوٹ چلا دیا، کیونکہ رش ہوتا ہے، بھیڑ ہوتی ہے، اندھیرا ہوتا ہے، روشنی زیادہ نہیں ہوتی، اور ہر ایک کی دوکان پر نوٹ چیک کرنے کی مشین نہیں ہوتی، یا بعض مرتبہ پیسے دیئے نہیں، اور دوکاندار کو کہتا ہے باقی پیسے دے دو، دوکاندار کو یاد نہیں آتا، وہ کہتا ہے کہ میں نے ابھی آپ کو پانچ سو کا نوٹ دیا، سو روپے کا سودا لیا، چار سو روپے واپس دے دو، حالانکہ ایک نوٹ بھی اس نے نہیں دیا، سودا بھی لے لیا، اور مزید چار سو روپے بھی لے لیے، اور سمجھ رہا ہے کہ میں نے آج بڑا کمال کر دیا، اور سمجھ رہا ہے کہ میں نے بڑی عقلمندی کی، لیکن اس سے زیادہ بیوقوف کون ہو سکتا ہے؟

دیکھئے! میاں بیوی کا مقدمہ بھی پیش ہو رہا ہے، مالک اور ملازمین کا معاملہ بھی پیش ہو رہا ہے، اور اسی طرح سے عام دوکانداروں اور خریداروں کا معاملہ بھی پیش ہو رہا ہے، ان تمام صورتوں میں شریعت کے مطابق معاملہ کرنا ضروری ہے، اگر کسی نے کوتاہی کرلی ہو، تو دنیا ہی میں معافی وتلافی کرلے، ورنہ آخرت میں جوابدہی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں تین رجسٹر

مشکوۃ شریف کی ایک روایت یاد آگئی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تین رجسٹر ہیں، ایک رجسٹر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی پروانہیں ہے، اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہے، اور ایک رجسٹر ایسا ہے کہ اس میں جو کچھ ہے، اس کا حساب اللہ تعالیٰ کرکے رہیں گے، اور تیسرا رجسٹر ایسا ہے کہ اس میں جو کچھ ہے، اس کو ہرگز معاف نہیں کریں گے۔

پہلا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی پروانہیں ہوگی، اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں بندوں کی کوتاہیاں ہوں گی، جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی، روزہ نہیں رکھا، حج فرض تھا، ادا نہیں کیا، قسم کھالی، کفارہ نہیں دیا، منت مانی تھی، پوری نہیں کی، تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پامالیاں اس میں درج ہوں گی، اس میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پروانہیں ہے، چاہیں گے، تو بدلہ لیں گے، چاہیں گے، معاف فرمادیں گے۔

اور دوسرا رجسٹر جس کا پورا پورا حساب دلوائیں گے، وہ بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں ہیں، ان کی مثالیں ابھی آپ کے سامنے بیان ہوئیں، اس میں اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہ ہے کہ مظلوم کو اس کا حق ظالم سے ضرور دلوائیں گے۔

تیسرے رجسٹر میں بندوں کا کفر وشرک لکھا ہوا ہوگا، اللہ بچائے! اگر کسی بندے نے کفر کیا ہوگا، شرک کیا ہوگا، تو اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز معاف نہیں کریں گے۔

دولتِ ایمان

تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ بندوں کی بندوں پر ظلم وزیادتیاں، اوران کی حق تلفیاں کی ہوں گی، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب وغریب رحمت بھی ظاہر ہوگی، وہ رحمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نیکیاں تو ایک بندے کی دوسرے کو دلوادیں گے، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی، تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈلوادیں گے، لیکن ظالم کا ایمان مظلوم کو نہیں دیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، تاکہ یہ ظالم اپنے کیے کی سزا پاکر کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکل کر جنت میں جا سکے، اوراس کی ایک وجہ بھی بیان فرمائی ہے، وہ بھی عجیب ہے، فرمایا کہ یہ گناہ اور بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں یہ سب محدود ہیں، اور نیکیاں بھی محدود ہیں، گناہ بھی محدود ہیں، ایمان لامحدود ہے، لہٰذا محدود کا بدلہ محدود سے ہوگا، محدود کا بدلہ لامحدود سے نہیں ہوگا۔

بہر حال! حقوق العباد کی بڑی اہمیت ہے، ہمیں چاہئے کہ آج ہی سے اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اوراب تک جس جس انسان کے ساتھ ہم زیادتی کر چکے ہیں، اور ظلم کر چکے ہیں، اس کی حق تلفی کر چکے ہیں، اس کو ستا چکے ہیں، پریشان کر چکے ہیں، ان سب سے مل کر، چاہے براہِ راست مل کر، چاہے ٹیلیفون کے ذریعے، خط کے ذریعے اس سے رابطہ کر کے اپنا کہا سنا معاف کروالیں، اس میں آدمی کی کوئی ذلت نہیں، کوئی رسوائی نہیں، کوئی بے عزتی نہیں ہے، بلکہ اس میں دنیا وآخرت کی عزت ہے، اور آئندہ ہم سب اس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری طرف سے کسی کی حق تلفی نہ ہو، اس کے لئے علم بھی حاصل کریں، اور ساتھ ساتھ کوشش بھی کریں کہ ہماری طرف سے کسی کی کوئی حق تلفی نہ ہو، اور اگر پوری احتیاط کے باوجود کوئی حق تلفی ہو جائے، تو فوراً معافی تلافی کر کے اپنا معاملہ صاف کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

سلسلۂ درسِ حیاۃ المسلمین

معاملات کی درستگی

(۱۴)

شرحِ روحِ نہم

بیان نمبر (۶۵)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۱۹ جولائی ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نماز عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ ومَن یُضللہٗ فلا ھادِیَ لہٗ وأشھد أن لّا إلٰہَ إلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنَّ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وبارک وسلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ''حیات المسلمین'' کی اس روح نمبر ۹ میں مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کی اہمیت اور تاکید فرمائی ہے، اور اس پر عمل کرنے سے بھی عمل کرنے والے کو دنیا میں سکون ملتا ہے، آرام ملتا ہے، راحت ملتی ہے، عزت ملتی ہے، اور آخرت میں بھی بڑی عافیت اور بڑی راحت اور اجر وثواب ملتا ہے، اور عمل نہ کرنے سے دنیا کی زندگی بھی وبال بن جاتی ہے، عذاب بن جاتی ہے، بے سکونی اور بے قراری میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے، آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، نا اتفاقی ہو جاتی ہے، اور ایک دوسرے کی حق تلفی کرنے کی وجہ سے، اور ایک دوسرے کو ستانے کی وجہ سے، اور ان حقوق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں بھی بڑا عذاب اور وبال ہے، ابھی ابھی میرے ذہن میں دو واقعے آئے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ بیان کر دیے جائیں، ان کا تعلق بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہونے والے عذاب سے ہے،

ایک واقعہ کسی بہت بڑے عالم، متقی، پرہیزگار اور اللہ والے کا ہے، جو ایک صاحب نے مجھے سنایا تھا، اور یہ واقعہ غالباً ہندوستان کا ہے۔

ایک عالم کا واقعہ

ایک بہت بڑے عالم تھے، ان کے ہزاروں شاگرد تھے، ان کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری، دین کی اشاعت میں گزری، اور تھے بھی بڑے ہی نیک آدمی، یعنی عالم باعمل تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا، تو ان کے کسی شاگرد نے، یا دوست نے ان کو خواب میں دیکھا، اور سخت عذاب میں مبتلا پایا، اس شاگرد نے اپنے استاد سے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ کی ساری زندگی اشاعتِ دین میں گزری، تعلیم وتعلم میں گزری، نیک کاموں میں گزری، کیا کچھ بھی قبول نہیں ہوا؟ کہ آپ کو یہ سخت تکلیف ہورہی ہے، اور ان کو تکلیف یہ ہورہی تھی کہ وہ ننگے جسم ایک کھلے میدان میں سخت دھوپ میں گرمی کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے بے چین اور بے قرار ہوکر دائیں سے بائیں، اور بائیں سے دائیں چکر کاٹ رہے تھے، ان استاد صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جن کاموں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تھی، وہ قبول ہوئے۔

لی ہوئی سوئی واپس نہ کرنے پر عذاب

لیکن یہ تکلیف، جس میں، میں مبتلا ہوں، اور تم دیکھ بھی رہے ہو، یہ ایک سوئی کی وجہ سے ہورہی ہے، جو میں اپنے پڑوسی سے مانگ کر لایا تھا، لیکن میں اس کو واپس نہیں کرسکا، اس کی وجہ سے یہ عذاب ہورہا ہے، اور وہ سوئی اب بھی میرے گھر میں الماری کے اندر موجود ہے، تم جب اٹھو، تو ہمارے گھر جانا، اور گھر والوں سے کہنا کہ گھر کے فلاں کونے میں الماری کے ایک خانے میں نلکی ہے اس میں ایک سوئی لگی ہوئی ہے، وہ دے دو، اور پھر وہ سوئی لیکر میرے پڑوس میں جو صاحب رہتے ہیں، ان کو پہنچادو، اور میری طرف سے معافی

مانگو، کہ خدا کے لئے معاف کردیں، میں سوئی نہیں پہنچا سکا، جس کی وجہ سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، تم اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے معاف کردو!

یہ شاگرد کہتے ہیں جب میری آنکھ کھلی، تو سارا خواب آئینے کی طرح میرے سامنے آگیا، اور میں بڑا حیران ہوا کہ استادِ محترم کو اتنی سی سوئی پر اتنا عذاب ہو رہا ہے، اور اتنی تکلیف ہو رہی ہے، میں جلدی سے اٹھا، اور ان کے گھر گیا، اور میں نے جا کر ان سے کہا کہ کیا فلاں الماری کے فلاں کونے میں کوئی سوئی رکھی ہے؟ انہوں نے تصدیق کی کہ ہاں! رکھی ہے، میں نے کہا کیا یہ سوئی حضرت نے پڑوس سے منگوائی تھی؟ کہا کہ ہاں! منگوائی تھی، پھر اس نے گھر والوں کو اپنا خواب سنایا، گھر والے بھی سن کر رونے لگے، اور انہوں نے اس شاگرد کو سوئی دی کہ جلدی ان کی ہدایت کے مطابق یہ سوئی واپس کرو، چنانچہ یہ شاگرد ان کے پڑوسی کے پاس گئے، اور کہا کہ حضرت آپ سے یہ سوئی لے گئے تھے؟ اس نے بھی تصدیق کی کہ ہاں! منگوائی تھی، اس نے پوچھا کیا وہ واپس آگئی؟ اس نے کہا کہ نہیں! ابھی واپس نہیں آئی، پھر انہوں نے کہا کہ بھئی! یہ آپ کی سوئی ہے، اور تم اللہ کے لئے ان کو معاف کردو، اس سوئی کے نہ پہنچانے کی وجہ سے ان کو بڑا عذاب ہو رہا ہے، وہ بھی یہ سن کر رونے لگا کہ یہ تو کوئی بڑی چیز نہیں تھی، نہ بھی دی تھی، تو کیا ہوا؟ بہر حال! اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ان کو معاف کرتا ہوں، اس طرح انہوں نے حضرت کی بات پر پوری طرح عمل کیا، پھر رات کو جب یہ سوئے، تو انہوں نے دوبارہ خواب دیکھا، اور دوبارہ استادِ محترم کو دیکھا کہ اب وہ ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ ہو چکے ہیں، ان کا عذاب دور ہو چکا ہے، اور وہ ایک ہرے بھرے باغ میں خوبصورت مسہری پر آرام فرما ہیں، چاروں طرف خدام ان کی خدمت کے لئے تیار ہیں، جیسے ہی انہوں نے مجھے دیکھا، بڑی خوشی کا اظہار کیا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے، تم نے میری بات پر ٹھیک عمل کیا، جس وقت تم نے سوئی میرے پڑوسی کو پہنچائی اور اس نے مجھے معاف کیا، اسی وقت وہ تکلیف، جو کل تم

نے دیکھی تھی، وہ دور ہوگئی۔

سوئی معاف کرنے والے کا بدلہ

اس خواب دیکھنے والے شاگرد کو اس باغ کے پیچھے ایک محل بھی نظر آرہا تھا، جو بہت ہی خوشنما بہت ہی خوبصورت اور بہت ہی آباد معلوم ہورہا تھا، شاگرد نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے، انہوں نے کہا کہ الحمدللہ یہ میرا محل ہے، اس نے کہا کہ میں دیکھ لوں، انہوں نے کہا کہ ہاں! دیکھ لو، وہ کہتے ہیں کہ میں باغ دیکھتے دیکھتے محل کی طرف گیا، اور محل دیکھتے دیکھتے پیچھے کو نکلا، تو ایک اور باغ نظر آیا، جو اس سے بھی زیادہ اچھا تھا، اور اس باغ کے ساتھ ایک اور محل تھا، جو پہلے والے محل سے بھی بڑا اور خوبصورت تھا، میں اس کو دیکھ کو واپس آیا، اور عرض کیا کہ استادِ محترم! آپ کے باغ اور محل کے پیچھے کس کا باغ اور محل ہے؟ فرمایا کہ یہ اس شخص کا ہے، جس نے مجھے سوئی معاف کی تھی، سوئی معاف کرنے کے بدلے میں اس کو ملا ہے، **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**، یہ تو اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہیں، جتنا چاہیں، عطا فرمادیں۔

دیکھئے! اس میں ہمارے لئے کتنا بڑا سبق ہے؟ کہ انہوں نے ایک سوئی عارضی طور پر منگوائی تھی، جو واپس نہیں کی، اس پر کتنا عذاب اور کتنی تکلیف ہوئی! باوجودیکہ وہ اتنے متقی پرہیزگار اور اللہ والے تھے، معلوم ہوا کہ نیکیوں کا صلہ اپنی جگہ برحق، گناہوں کا وبال اپنی جگہ برحق، اگر کسی بندے کی حق تلفی کی ہے، تو یا اس بندے کو حق ادا کرو، یا اس سے معاف کرواؤ، عام طور پر اس کے بغیر حق کی ادائیگی نہیں ہوتی، جب صاحبِ حق کا حق پہنچ گیا، اور اس نے معاف کردیا، پھر اس کے بعد باقی اعمالِ صالحہ کا صلہ سامنے آ گیا، ہمیں اس واقعے کو یاد رکھنا چاہئے، اور اس سے سبق بھی لینا چاہئے، اور عبرت بھی لینی چاہئے کہ ہم اپنی زندگی اس طرح گزارنے کا اہتمام کریں کہ ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اگر تکلیف پہنچ بھی جائے، تو معافی وتلافی کرلیں، شوہر سے بیوی پر زیادتی ہوجائے، تو شوہر معافی مانگ لے،

بیوی سے شوہر پر زیادتی ہوجائے، تو وہ معافی مانگ لے، بھائی بھائی کی آپس میں لڑائی ہوجائے، تو وہ معافی وتلافی کرلیں، بہن بھائی آپس میں لڑ پڑیں، یا ایک دوسرے کو کچھ کہہ سن لیں، اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچادیں، تو معافی وتلافی کرلیں، دوست احباب میں آپس میں لڑائی ہوجاتی ہے، جھگڑا ہوجاتا ہے، رنجش ہوجاتی ہے، اس کی معافی وتلافی کرلیں، لیکن اس کا اہتمام کرلیں، جس کے ساتھ ہماری طرف سے کوئی زیادتی ہوگئی، یا اس کو اس کا بدلہ دے دیں، ورنہ اس سے معاف کرالیں، اور اپنے حضرتؒ کا یہ شعر، جو میں نے گذشتہ منگل کو بھی سنایا تھا، بڑا یاد رکھنے والا شعر ہے ؎

عمر بھر اس اہتمام میں گذری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پر بار نہ ہو

یعنی میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو، اس فکر میں ساری عمر گزری، یہاں تک کہ حضرتؒ نے آخر عمر میں ایک دن فرمایا کہ بھئی! رمضان شریف میں مرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور اس کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں موت نصیب فرمادیں، مرنا تو ہے، رمضان شریف میں موت آجائے، تو کتنی اچھی بات ہے! اس کی بہت بڑی فضیلت ہے، رمضان شریف میں موت کی وجہ سے آدمی کا حساب وکتاب نہیں ہوتا، فرمایا کہ لیکن میں اس لئے نہیں چاہتا کہ رمضان شریف میں میرے سارے گھر والوں کو، پسماندگان کو، عزیز واقارب کو، دوست احباب کو آنے اور جنازے میں شرکت کرنے میں تکلیف ہوگی، اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آرزو پوری فرماتے ہیں، رمضان بھی گزر گیا، عید بھی گزر گئی، مدرسے میں داخلے وغیرہ کا نظم بھی شروع ہوگیا، بارہ یا تیرہ شوال کو حضرتؒ کا وصال ہوا۔

یہ سب باتیں ہمارے سیکھنے کی ہیں، آپ سب جانتے ہیں کہ ہم یہاں اپنی اصلاح کے لئے جمع ہوتے ہیں، آج کی دنیا میں ان باتوں کا کوئی خیال اور کوئی دھیان رکھنے والا

نظر نہیں آتا، بس! مطلب ہی مطلب ہے کہ کسی طرح ہمارا مطلب پورا ہو، ہماری غرض پوری ہو، چاہے کسی کا نقصان ہو، کسی کی بے عزتی ہو، کسی کی دل آزاری ہو، کسی کی دل شکنی ہو، کسی کو کوئی تکلیف ہو، اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

دو صحابیوں کا واقعہ

ایسے ہی ایک واقعہ دو صحابیوں کا ہے، ایک ہیں: حضرت سعد بن جثامہؓ اور دوسرے ہیں: حضرت عوف بن مالکؓ، ان دونوں کی آپس میں بڑی گہری دوستی تھی، خوب ملاقات رہتی تھی، ایک دن حضرت سعد بن جثامہؓ نے حضرت عوف بن مالکؓ سے کہا کہ بھئی! ہمارا تم سے ایک معاہدہ ہے، وہ یہ کہ ہم میں سے جس کا پہلے انتقال ہو، وہ دوسرے کے خواب میں ضرور آئے، اور اس کو اپنا حال ضرور بتائے، حضرت عوف بن مالکؓ نے کہا کہ بھائی! ایسا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ کیا یہ ہمارے اختیار میں ہے؟ آج ہم معاہدہ کرلیں، اور پھر کل اس کو پورا کرنا ہمارے اختیار میں نہ ہو، انہوں نے کہا کہ ہاں! کر سکتے ہیں، اب ان کا آپس میں معاہدہ ہو گیا کہ جو پہلے مرے گا، وہ دوسرے کو خواب میں آکر اپنا حال بتائے گا، اتفاق سے حضرت سعد بن جثامہؓ کا پہلے انتقال ہو گیا، وعدے کے مطابق وہ حضرت عوف بن مالکؓ کے خواب میں تشریف لے آئے، حضرت عوف بن مالکؓ نے پوچھا کہ بتاؤ! کیسی گزری؟ کیا حال ہوا؟ انہوں نے کہا کہ بھائی! بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے، اور بڑی مشکل سے بخشش اور نجات ہوئی ہے، اس پر حضرت عوف بن مالکؓ نے دیکھا کہ ان کی گردن میں تازہ تازہ زخم کے نشانات ہیں، اور جلے ہوئے زخم کے نشانات ہیں، جیسے کسی چیز سے کھال کو جلایا گیا ہو، حضرت عوف بن مالکؓ نے پوچھا کہ بھئی! یہ کیا ہے؟ یہ زخم کیسے ہیں؟ حضرت سعد بن جثامہؓ نے فرمایا کہ یہ ان دیناروں کے زخم ہیں، جو میں نے ایک یہودی سے اپنی ضرورت کے لئے قرض لیے تھے، لیکن میں وہ قرض واپس نہیں کر سکا تھا کہ میرا انتقال ہو گیا،

وہ دینار اب بھی میرے گھر میں میرے ترکش میں رکھے ہوئے ہیں، اور قرض واپس نہ کرنے کی وجہ سے وہ دینار آگ میں تپا کر مجھے لگائے گئے، ان کی وجہ سے یہ زخم ہے، اور پھر انہوں نے ان سے بھی عرض کیا کہ تم ہمارے گھر جانا، ترکش سے دینار لیکر اس فلاں یہودی کو، جو فلاں محلے میں رہتا ہے، اُس کو پہنچا دینا، تا کہ یہ میرا عذاب دور ہو جائے، اور میری تکلیف ختم ہو جائے، تو حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں سویرے اٹھا، اور ان کے گھر پر گیا، گھر میں وہ مجھے چچا کہہ کر پکارتے تھے، تو دیکھتے ہی انہوں نے کہا کہ چچا آپ تو ہمیں بھول گئے، ابا کے مرنے کے بعد سے لیکر اب تک آپ آئے نہیں، پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو حضرت سعد بن جثامہؓ کا سارا واقعہ سنایا، تو سب کے سب یہ سن کر زار و قطار رونے لگے، ایک بیٹا جلدی سے اٹھا کر اور ترکش لا کر میرے سامنے الٹا کیا، تو اس میں سے سات دینار نکل آئے، اور پھر میں نے وہ دینار لے کر اس یہودی کو پہنچائے، پھر اس کو بھی یہ واقعہ بیان کیا، تو اس نے کہا کہ حضرت سعد بن جثامہؓ بہت اچھے آدمی تھے، مجھے کیا معلوم تھا کہ اس وجہ سے ان کو عذاب ہوگا، یہ تو معمولی چیز ہے، لیکن خیر تم کہتے ہو، تو میں ان کو معاف کرتا ہوں، اس طرح جب انہوں نے ان کا قرض ادا کیا، تو پھر ان کا وہ عذاب اور تکلیف دور ہوئی۔

دیکھئے! کسی سے قرض لیکر اسے نہ دینا کتنے بڑے وبال کی چیز ہے؟ بندوں کی حق تلفی، ان کے حقوق میں کوتاہی معمولی گناہ نہیں ہے، اور نہ ہی اس کو معمولی سمجھنا چاہئے۔

حضرت علی بن مدینیؒ کا واقعہ

ایک اور قصہ یاد آیا، وہ حضرت علی بن مدینیؒ کا ہے، فرماتے ہیں کہ میں حافظ قرآن تھا، اور میرے بچپن ہی میں میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، میں اپنے والد صاحب کی قبر پر جایا کرتا تھا، اور ان کو یٰسین شریف اور کچھ دوسری سورتیں پڑھ کر ایصالِ ثواب پہنچایا کرتا تھا، اسی دوران رمضان شریف آ گیا، رمضان شریف میں میں ایسا کرتا تھا کہ فجر کی نماز

پڑھتے ہی قبرستان چلا جاتا تھا، تاکہ دن میں نہ آنا پڑے، اور رمضان شریف میں فجر کی نماز عام طور پر اندھیرے میں ہوتی ہے، تو اندھیرے اندھیرے میں اپنے والد صاحب کی قبر پر پہنچ جاتا، اور وہاں قرآن شریف پڑھتا، ایک دن اسی طرح میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ اچانک مجھے قریب سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی، اور ہائے ہائے کرنے کی آواز آئی، اور ایسی آواز آئی، جیسے کسی کو بہت ہی سخت تکلیف ہو رہی ہو، اور اس کو بہت ہی زیادہ اذیت ہو رہی ہو، میں سمجھا کہ میرا اپنا خیال اور وہم ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ آواز بلند ہونے لگی، تو میں نے تجسس کیا اور سوچا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ میں نے گردن گھما کر دیکھا، تو چاروں طرف قبریں ہی قبریں ہیں، میں نے کان لگائے کہ کس طرف سے یہ آواز آ رہی ہے، تو معلوم ہوا کہ ایک جانب کی قبر سے وہ آواز آ رہی تھی، جب میں نے زیادہ توجہ دی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کس قبر میں سے آ رہی ہے؟

اس وقت میرا خوف کے مارے برا حال ہو گیا، سب پڑھنا پڑھانا بھول گیا اور میری توجہ اس کی طرف ہو گئی، اتنے میں دن نکلنے لگا، اور جیسے جیسے دن نکلنے لگا، وہ آواز ہلکی پڑنے لگی، اور جیسے ہی روشنی پھیلنے لگی، اور لوگ آنے جانے لگے، وہ آواز بند ہو گئی، گزرنے والوں میں کسی سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اس بستی کے فلاں شخص کی قبر ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نام پتہ وغیرہ پوچھ کر اس کے گھر تک پہنچا، اور اس کے گھر والوں سے معلومات کیں، اور پھر کچھ باتیں ان کے گھر والوں نے بتائیں، کچھ ان کے محلے والوں نے بتائیں، سب نے یہی بتایا کہ بھئی! یہ بڑا نیک آدمی تھا، ہمیشہ صفِ اوّل میں تکبیرِ اولیٰ سے نماز پڑھا کرتا تھا، اور اس کا زیادہ وقت مسجد میں گزرتا تھا، ذکر و تلاوت میں، تسبیحات میں، دعا میں اور ایسے ہی دوسرے اچھے کاموں میں اس کا وقت گزرتا تھا، اور وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا، کسی کے معاملے میں نہیں پڑتا تھا، جب میں نے یہ سنا، تو مجھ پر یہ بات بہت شاق گزری، کہ اتنا نیک، متقی اور اللہ والا آدمی، ہمہ وقت مسجد میں رہنے والا، اس کے ساتھ یہ

عذاب ہورہا ہے، اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی، میں اس کے دوستوں کے پاس گیا، کیونکہ دوستوں کو دوستوں کا حال زیادہ معلوم ہوتا ہے، میں نے جا کران کو اپنا واقعہ سنایا، انہوں نے واقعہ سن کر کہا کہ محلے والوں نے اس کی نیکی کا جو حال بتایا، وہ بالکل صحیح ہے۔

سود پر رقم دینے پر وبال

لیکن اس کا ایک حال ایسا ہے، جو ہمیں معلوم ہے، ہوسکتا ہے اس کے گھر والوں اور محلے داروں کو اس کا یہ حال معلوم نہ ہو، یہ شخص پہلے بہت بڑا تاجر اور سوداگر تھا، لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں تھی، جب یہ بوڑھا ہوگیا، اور کاروبار کرنے سے عاجز ہوگیا، تو اللہ بچائے! اس کے نفس نے اس کو ایک پٹی پڑھائی، کہ اب خود کاروبار کرنہیں سکتا، اور کوئی دوسرا کاروبار کو سنبھالنے والا نہیں، اور غیروں کے کاروبار حوالے نہیں کرسکتا کہ اس میں سرمایہ ڈوبنے کا خطرہ ہے، تو ایسا کرو کہ یہ سارا کاروبار بیچ کر نقد رقم بنا کر سود پر دے دو، اس طرح ہر مہینے لگی بندھی رقم سود کی آتی رہے گی، بس! آرام سے کھاؤں گا، اور رات دن اللہ اللہ کروں گا، اس کے نفس نے اس کو یہ پٹی پڑھائی، چنانچہ اس نے اسی پر عمل کرلیا، سب کچھ بیچ کر اس نے کیش بنایا، اور کیش بنا کر کسی کو سود پر دے دیا، وہاں سے اس کو ماہانہ پیسے ملتے رہتے تھے، اور وہ اسی سے اپنا گزارا کرتا تھا، اور چونکہ فارغ تھا، کاروبار تھا نہیں، رات دن مسجد میں پڑا رہتا تھا، اور رات و دن ذکر واذکار اور تسبیحات میں مصروف رہتا تھا، میں سمجھ گیا کہ یہ سارا عذاب اور سارا وبال سود کھانے کی وجہ سے ہے، جیسے سود کھانا حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی نافرمانی ہے، حق العبد بھی ہے، کہ جس سے سود لیا ہے، اس سے لینا ناجائز ہے، لے لیا ہو، تو واپس کرنا واجب ہے، اس لئے حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہے، یہ بڑے ڈرنے کی بات ہے، اب دیکھئے اس ایک گناہ کی وجہ سے اس کو قبر میں کتنا عذاب ہورہا ہے، اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قبر کا عذاب دکھا بھی دیتے ہیں، اور سنوا دیتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ حقوق العباد کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے، اور اس بات

کی کوشش کی جائے کہ ہماری طرف سے کسی پر زیادتی نہ ہو، کسی پر ظلم نہ ہو، کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کا پیسہ ناحق ہماری طرف نہ آجائے۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط کا عالم

احتیاط کے بارے میں ایک بات یاد آئی کہ حضرت تھانویؒ کو میراث میں جو حصہ ملنے والا تھا، اس میں حضرتؒ کو کچھ شبہ تھا، یہ نہیں کہ قطعی طور پر وہ حرام و ناجائز تھا، اس شبہ کی وجہ سے حضرتؒ نے اپنا حصہ ہی چھوڑ دیا، جن کو خوفِ خدا ہوتا ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، ان کا یہ حال ہوتا ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ہم نے سود کے شبہ سے بچنے کے لئے دس حصوں میں سے اگر ایک حصہ میں بھی سود کا شبہ تھا، تو نو حصے حلال کے بھی چھوڑ دیے، اور آج کل اللہ بچائے! سود کھانے کا رواج عام ہے، انعامی بانڈز، سودی اسکیم ہے، اور لوگ لفظِ انعام سے دھوکا کھا کر یا اس کا سہارا لیکر بے خوف وخطر انعامی بانڈز خرید کر اس میں جو انعام نکلتا ہے، اس کو بے دھڑک استعمال کرتے ہیں، حالانکہ یہ سود کا استعمال ہے، اسی طرح سیونگ سرٹیفکیٹ پر نفع لینا عام ہے، حالانکہ یہ بھی سودی معاملہ ہے، اسی طرح جتنے بھی سودی بینک ہیں، ان میں سرمایہ لگا کر نفع حاصل کرنا، یہ بھی سود ہے، اور بازاروں اور مارکیٹوں میں بھی بکثرت ایسے ہوتا ہے کہ لوگ بطور قرض اپنی رقم تاجروں کو دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کچھ کم وبیش ہر ماہ ہمیں دے دیا کریں، انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ سود میں ایک خاص رقم مقرر کرنا ناجائز ہے، اور کم وبیش کرنا جائز ہے، حالانکہ قرض کے اندر نہ رقم متعین کرنا جائز ہے، نہ کمی بیشی کرنا جائز ہے، چنانچہ ایسے تاجروں نے ان کو کبھی دو ہزار دے دیے، کبھی ڈھائی ہزار دے دیے، کبھی تین ہزار دے دیے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب حلال ہے، لیکن یہ بھی سودی معاملہ ہے، بہر حال! حلال طریقے سے آدمی کمائے، اور کھائے، حرام ذریعے سے کھانے پینے سے آدمی کو بچنا چاہئے کہ یہ بھی حقوق العباد میں سے ہے، عنداللہ بھی آدمی گنہگار ہوتا ہے، اور بندوں کی حق تلفی کی وجہ سے بھی گنہگار ہوتا ہے۔

معاشرت اور معاملات

ان آیات میں اور آگے آنے والی احادیث میں حضرتؒ نے معاشرت کے آداب و احکام بیان فرمائے ہیں، کیونکہ معاشرت کا پورا میدان بندوں سے متعلق ہے، اس میں ایک آدمی کا دوسرے آدمی سے تعلق اور واسطہ پڑتا ہے، اس تعلق میں ایک دوسرے کے حقوق بھی پورے کرنے ضروری ہیں، اور ایک دوسرے کی حق تلفی، ایک دوسرے پر زیادتی، ایک دوسرے پر ظلم سراسر ناجائز ہے، اس لئے حضرتؒ نے زیادہ تر وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن کا تعلق معاشرت سے ہے۔

دوسرے، بندوں کے حقوق کا تعلق، معاملات سے ہے، معاملات صحیح ہوں، تو درست، اور اگر معاملات غلط ہوں، تو کسی نہ کسی کی حق تلفی ہوگی، اور حق تلفی ہوگی، تو وہ اللہ بچائے! قابلِ مؤاخذہ ہے، حضرت تھانویؒ نے ایک آیت کا ترجمہ تحریر فرمایا:

> ''اے ایمان والو! ایمان والے سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے''۔

یہ سورۂ حجرات کی ایک آیت کا ترجمہ ہے، سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا سب کا احترام ہونا چاہئے، ہر ایک کی عزت ہونی چاہئے، ہر ایک کا اکرام ہونا چاہئے، ہر ایک کے ساتھ ایسے انداز سے رہنا اور ملنا جلنا چاہئے کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو، نہ کسی پر زیادتی کی جائے، نہ کسی پر ظلم کیا جائے، نہ کسی کی حق تلفی کی جائے، اور جو ایک دوسرے کے حقوق ہیں، ان کو جانا جائے، اور جان کر ان کو ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اور جیسے دو سگے بھائیوں میں جھگڑا ہو جاتا ہے، ایسے ہی مسلمان بھائیوں میں بھی کبھی لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے، اگر کبھی لڑائی جھگڑا ہو جائے، تو ان کے درمیان صلح وصفائی کروادینی چاہئے، وہ صلح صفائی بھی شریعت کے مطابق ہونی چاہئے، تاکہ ان کی نااتفاقی دور ہو، اور ان کے درمیان

جو رنجش ہوگئی ہے، وہ ختم ہو جائے، اور ان کی قطع تعلقی دور ہو جائے، اور اس کے لئے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو،

خوفِ خدا

یعنی اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی احکام ہیں، چاہے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو، یا ان کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہو، ان سب کی ادائیگی میں خوفِ خدا درکار ہے، جتنا جس کے دل میں خوفِ خدا ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرے گا، اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرنے کا اہتمام کرے گا، بلکہ اگر کسی سے اس کی لڑائی بھی ہو جائے گی، تو خود ہی وہ معافی مانگنے پر راضی ہو جائے گا، کیونکہ خوفِ خدا اس کے دل میں ہے، یہ خوف خدا ایسی چیز ہے کہ اگر یہ کسی کے دل میں پیدا ہو جائے، تو سمجھو! اس کا کام بن گیا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے، اپنی رحمت سے ہم سب کے دل میں اپنا خوف اتنا پیدا فرمادے کہ وہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے درمیان، اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے، اور یہ دعا مانگی چاہئے:

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ مَعَاصِیْکَ وَ مِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ، وَ مِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا، اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَ أَبْصَارِنَا وَ قُوَّتِنَا مَا أَحْیَیْتَنَا، وَ اجْعَلْہُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَ اجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا، وَ انْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا، وَ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا، وَ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ ھَمِّنَا وَ لَا غَایَۃَ رَغْبَتِنَا وَ لَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَ لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا. (الدعاء للطبرانی، باب کفارۃ المجلس)

ترجمہ

یا اللہ! ہمیں اپنا اتنا خوف عطا فرما دیجئے، جو ہمارے اور ہماری آپ کی نافرمانی کرنے کے درمیان حائل ہو جائے، اور اپنی اس قدر اور فرمانبرداری کی توفیق دے دیجئے، جو ہمیں جنت تک پہنچادے، اور اتنا یقین عطا فرما دیجئے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے لئے ہلکی ہو جائیں۔

اے اللہ! ہم کو نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمایئے، اپنی سماعتوں سے، اپنی بصارتوں سے، اور اپنی قوت وطاقت سے، جب تک کہ آپ ہمیں زندہ رکھیں اور اس کی خیر کو ہمارے بعد باقی رکھنا اور ہمارا انتقام لینا اس سے جو ہم پر ظلم کرے اور مدد دینا ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے اور مت کر مصیبت ہماری ہمارے دین میں۔ اور نہ کر دنیا کو مقصود اعظم ہمارا۔ اور نہ ابتداء ہماری معلومات کی اور نہ انتہاء ہماری رغبت کی اور نہ مسلط کر ہم پر اُس کو جو ہم پر رحم نہ کرے۔

کیسی پیاری دعا ہے! یہ دعا گڑگڑا کر مانگنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ مانگنا چاہئے،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَ التُّقٰی وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰی، اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِی تَقْوٰاھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلَاھَا،

ترجمہ

یا اللہ! میں آپ سے ہدایت اور پرہیزگاری اور پارسائی اور پاکدامنی اور سیر چشمی مانگتا ہوں۔

یا اللہ! میرے نفس کو (اسکی) پرہیزگاری عطا فرمایئے اور اسے پاک کر دیجئے آپ ہی سب سے بہتر پاک کرنے والے ہیں آپ ہی اس (نفس)

کے مالک اور آقا ہیں۔

باقی باتیں ان شاء اللہ آئندہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

سلسلہ درسِ حیات المسلمین

صلح صفائی کی اہمیت و ضرورت

(۱۵)

شرحِ روحِ نہم

بیان نمبر (۶۶)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

تاریخ : ۲۶ جولائی ۲۰۱۱ء

دن : منگل

وقت : بعد نمازِ عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ ومَن یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لہٗ وأشھد أن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونَبِیَّنَا ومولانَا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ و أصحابِہ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (سورۃ الحجرات: ۱۰)

ترجمہ

حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

حکیم الأمت حضرت مولانا تھانویؒ نے ''حیاتُ المسلمین'' کی روح نمبر ۹ میں

مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور اس سلسلے میں شروع میں سورۂ حجرات کی تین آیتوں کا ترجمہ اردو میں تحریر فرمایا ہے، وہ میں پڑھ کر سناتا ہوں، پھر جو کچھ اس میں بیان ہوا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا خلاصہ تشریح کے ساتھ عرض کروں گا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ایمان والے سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

یہ قرآن مجید کی آیت ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' کا ترجمہ ہے، اس کے بعد قرآن مجید میں ہے: فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ، تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے، یہ اس ایک آیت کا ترجمہ ہے۔

دوسری آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ...الایة

ترجمہ

اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے، نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، (جس سے ایک دوسرے کی تحقیر ہو)، کیا عجب ہے کہ جن پر وہ ہنستے ہیں، وہ ان ہنسنے والوں سے (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو...الخ

یہ دوسری آیت کا ترجمہ ہے، اس کے بعد تیسری آیت کا ترجمہ ارشاد فرمایا، آیت یہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

ترجمہ

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور کسی کے عیب کا سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔"

معاشرت کا مطلب

یہ تینوں آیتیں سورۂ حجرات کی ہیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے معاشرت کے آداب بیان فرمائے ہیں، اور مسلمانوں کے حقوق ارشاد فرمائے ہیں، معاشرت کہتے ہیں: مسلمانوں کے آپس میں رہنے سہنے کو، انسان ایسا حیوان ہے کہ یہ جہاں بھی رہتا ہے، آپس میں مل جل کر رہتا ہے، یہ نہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے دور کہیں رہتا ہو، اور آپس میں ملنا جلنا، آنا جانا، بولنا چالنا پسند نہ کرتا ہو، جیسے بعض جانور ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلک رہتے ہیں، کسی کو دیکھنا، کسی کے پاس آنا جانا گوارا نہیں کرتے۔

لیکن انسان ایسا حیوان ہے کہ وہ ایک دوسرے سے انسیت رکھتا ہے، ایک دوسرے سے محبت رکھتا ہے، ایک دوسرے سے تعلق رکھتا ہے، ایک دوسرے سے مل جل کر رہتا ہے، اس کے بغیر اس کی زندگی نہیں گزر سکتی، اور یہ اپنے سارے کام اکیلا نہیں کر سکتا، سب مل کر ایک دوسرے کے کام کرتے ہیں، اور انجام دیتے ہیں، تو سب کے کام نکل آتے ہیں، اور سب کے کام ہو جاتے ہیں، اور جب یہ مل کر رہتا ہے، تو اس پر دوسروں کے حقوق ہیں، دوسرے کے اس پر حقوق ہیں، یوں دونوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں،

میاں بیوی ہیں، تو شوہر کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر حقوق ہیں، ماں باپ ہیں، تو اولاد کے ماں باپ پر اور ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، بہن بھائی ہیں، تو ان کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں، دوست احباب ہیں، تو ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں،

خاندان اور برادری والے ہیں، تو ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں، کوئی کسی کے پڑوس میں رہ رہا ہے، یا کسی مشترکہ خاندان میں رہ رہا ہے، تو وہاں ایک دوسرے کے حقوق ہیں، اور یہ سارے حقوق شریعت کے اندر بتائے گئے ہیں، بیان کیے گئے ہیں، اور یہ سارے بندوں کے حقوق ہیں، اور بندوں کے حقوق ادا کرنا نہایت ہی ضروری ہیں، اور ایک دوسرے کی حق تلفی اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی، ایک دوسرے پر ظلم ناجائز ہے، اور ہر مسلمان مرد وعورت کو اس طرح رہنا چاہئے کہ اس سے ایک دوسرے کو راحت ملے، اور راحت اس وقت ملے گی، جب ایک دوسرے کے حقوق ادا ہوں گے، اور کم از کم اتنا تو ضرور ہی اہتمام کیا جائے کہ اس کی وجہ سے دوسرے کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔

حقوق ادا کرنے سے محبت بڑھتی ہے

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے کچھ حقوق بیان فرمائے ہیں، جیسا کہ میں ان شاء اللہ ابھی عرض کرتا ہوں، ان حقوق کے ادا کرنے سے اور ایسے ہی دیگر حقوق ادا کرنے سے ایک دوسرے کو راحت ملتی ہے، سکون ملتا ہے، آرام ملتا ہے، ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی مدد ہوتی ہے، اور اللہ پاک اس دنیا ہی میں حیات طیبہ عطا فرمادیتے ہیں، اور یہ بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے، اور ہماری ساری مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں کا حل ہے، اور ان حقوق کو ادا نہ کرنے سے دلوں میں فرق آتا ہے، جس سے نااتفاقی ہوتی ہے، قطع تعلقی ہوتی ہے، بھائی، بھائی کا مخالف ہوجاتا ہے، بھائی بھائی سے بولنا ترک کردیتا ہے، ایک دوسرے کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا، گھروں میں جھگڑے اور لڑائیاں ہوجاتی ہیں، ایک دوسرے سے عداوت اور دشمنی ہوجاتی ہے، جس کے نتیجے میں زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، زندگی پریشانیوں کا مجموعہ بن جاتی ہے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکون نہیں رہتا، عزت نہیں رہتی، راحت نہیں رہتی، عافیت نہیں رہتی، تو معاشرت ہمارے دین کا اہم شعبہ ہے، اس لئے ان باتوں کو بہت ہی دھیان اور توجہ سے سن کر ان پر

عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمان بھائی بھائی ہیں

ان آیات میں اللہ پاک نے سب سے پہلے یہ فرمایا کہ سب مسلمان اور سارے مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی کا ہمدرد ہوتا ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی سے محبت کرتا ہے، اس کا احترام کرتا ہے، اس کا اکرام کرتا ہے، اس کا ادب کرتا ہے، اس کی خیر خواہی چاہتا ہے، اس کی ہمدردی چاہتا ہے، سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں، ان سب کا آپس میں ایسا تعلق ہونا چاہئے، اور حدیث شریف میں اس کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی گئی ہیں، ایک حدیث میں یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں، اور عمارت میں یہ ہوتا ہے کہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ اور ایک بلاک پر دوسرا بلاک رکھ کر دیواریں بنائی جاتی ہیں، اسی میں کمرے، باورچی خانہ، بیت الخلاء وغیرہ بنتے ہیں، ان سب اینٹوں کے مجموعے کو عمارت کہتے ہیں، اب اگر یہ بلاک اور اینٹیں ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ پر لگائی گئی ہیں، تو عمارت خوبصورت اور مضبوط ہوگی، اور اگر یہ ٹیڑھی، الٹی سیدھی، آگے پیچھے، نقشے سے ہٹ کر لگائی جائیں گی، یا کہیں لگائیں اور کہیں نہ لگائیں تو عمارت کمزور ہوگی، بدنما ہوگی، تکلیف دہ ہوگی، اور اس کے گرنے کا خطرہ ہوسکتا ہے،

لہٰذا سب مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد ہونا چاہئے، تب مسلمان، عمارت کی طرح مضبوط اور محفوظ ہوں گے، اور اگر ان میں آپس میں اختلاف ہوگا، اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے، ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، تو بے ڈھنگی عمارت کی طرح ہوں گے، جو خود کمزور ہوتی ہے، اور قابلِ رہائش نہیں ہوتی، اور کسی بھی وقت اس کے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے، ایسے ہی جب مسلمان ایک دوسرے کو حقیر اور ذلیل سمجھیں گے، کسی کو برا سمجھیں گے، کسی کو چھوٹا سمجھیں گے، کسی کو فقیر ہونے کی بناء پر ذلیل سمجھیں گے، کسی کو امیر

ہونے کی بناء پر عزت دیں گے، تو یہ کمزور عمارت کی طرح ہوں گے، جیسے کمزور عمارت کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی اہمیت نہیں، اس کی کوئی بڑی قیمت نہیں، ایسے ہی مسلمان بھی بے قیمت ہوں گے، اور کمزور ہوں گے، اور ان کی کوئی طاقت نہیں ہوگی، ان کی کوئی قوت نہیں ہوگی، جیسا کہ آج کل مسلمانوں کا یہی حال ہے کہ ہیں تو بہت بڑی تعداد میں، لیکن ان کا رعب اور ان کا دبدبہ اور ان کی ہیبت ختم ہوگئی ہے، وجہ اس کی یہی ہے کہ یہ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، ان میں آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے، نااتفاقی کے وبال میں گرفتار ہیں، جس کے نتیجے میں یہ ساری مصیبت اور آفت ہم پر آئی ہوئی ہے، کہ غیر مسلم ہم پر مسلط ہیں، اور ہم پر حاوی ہیں، لہٰذا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا احترام کرے، ادب کرے، اور آپس میں جہاں تک ہو سکے، اتفاق اور اتحاد سے رہنے کا اہتمام کرے، چھوٹی چھوٹی باتیں ہو جاتی ہیں، ان سے درگزر سے کام لے۔

مسلمان ایک جسم کا مانند ہیں

اور حدیث میں دوسری مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان سب ایسے ہیں کہ جیسے ایک جسم، ہم سب کا الگ الگ جسم ہے، اسی میں سر ہے، اسی میں آنکھیں ہیں، اسی میں کان ہیں، اسی میں منہ ہے، اسی میں سینہ ہے، اس میں کمر ہے، پیٹ ہے، پیٹھ ہے، اسی میں ہاتھ ہیں، پیر ہیں، اس ایک جسم کا یہ حال ہے کہ سر میں درد ہوگا، تو سارا جسم بے چین ہو جائے گا، گردے میں درد ہوگا، تو سارا جسم تڑپے گا، پیٹ میں درد ہوگا، تو سارا جسم بے قرار ہو جائے گا، جسم میں کہیں زخم ہو جائے، تو سارا جسم بے چین ہو جاتا ہے، تو جیسے ایک جسم میں ایک عضو میں تکلیف ہو، تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے، بس! یہی حال ہمارا ہونا چاہئے کہ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، لہٰذا اگر کسی شہر میں، کسی ملک میں مسلمانوں پر کوئی آفت آگئی ہے، کوئی مصیبت آگئی ہے، تو دوسرے خطے کے مسلمانوں کو بھی ان کی تکلیف کا احساس ہونا چاہئے، جیسے حال ہی میں بارشوں کے نتیجے میں اندرونِ سندھ سخت

تباہی ہوئی ہے، لاکھوں مسلمان اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے، اور اب تک بھی بہت سے مسلمانوں کے گھر پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اب بھی وہ بیچارے سڑک کے کنارے اپنے بچوں، اپنے جانوروں اور بچے کچے سامان کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، ہمارا حال یہ ہے کہ جب شروع میں ان کی خبریں سنیں، ان کے حالات سنے، تو دل دکھا، اس کے بعد سب بھول بھال گئے۔

بعض مسلمان الحمدللہ! اب بھی برابر ان کی مدد کرر رہے ہیں، اور ان کو راشن وغیرہ پہنچا رہے ہیں، جو پہنچا رہے ہیں، ان کے دل میں درد ہے، ان کو اپنے بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہے، اگر یہی احساس ہر مسلمان کو ہو جائے، اور ہم سب کو ہو جائے، تو پھر جناب! ان کی تکلیف ذرا سی دیر میں ختم ہو جائے، کیونکہ سب ہی مسلمان پھر ان کی امداد کی طرف متوجہ ہوں گے، ان کی مصیبت اور تکلیف ختم ہو جائے گی، ہمارے ایمان میں کمی ہے، ہمارے اعمال میں کمی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی تکلیف کا جیسا احساس ہونا چاہئے، ویسا نہیں ہے، تو ساری دنیا کے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، دنیا کے کسی بھی حصے میں مسلمانوں کو کوئی تکلیف آئے، کوئی پریشانی آئے، تو دوسرے حصے کے مسلمانوں کو ان کی تکلیف کا احساس ہونا چاہئے،

ایسے ہی اپنے شہر میں، اپنے محلے میں قرب وجوار میں کسی کو کوئی تکلیف ہے، کوئی بیماری ہے، کوئی پریشانی ہے، کوئی خدانخواستہ! کسی حادثے اور سانحے کا شکار ہے، تو اس کی اس تکلیف کا ہمیں بھی احساس ہونا چاہئے، لیکن آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ پڑوسی کو پڑوسی کی خبر نہیں ہے، ان کے گھر میں ڈاکہ پڑ گیا ہے، اور ساتھ والوں کو پرواہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا نہیں ہو رہا؟ یہ بے حسی ہے، یہ اپنے مسلمان بھائیوں کی تکلیف کا احساس نہ کرنا ہے، اس سے بھی منع کیا گیا ہے، بلکہ مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور بھائی بھائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہو، سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے،

ایسے ہی جب ایک مسلمان کو کوئی تکلیف ہو، جس قدر بھی ہم اس کی تکلیف کے دور کرنے میں حصہ لے سکیں، وہ ہمیں کرنا چاہئے، جان لگانے کی ضرورت ہو، جان لگائیں، مال لگانے کی ضرورت ہو، مال لگائیں، اور کچھ نہیں، تو تسلی تشفی کر دیں، اور اس کے لئے دعا کر دیں۔

ان دو مثالوں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں، یعنی ایک عمارت کی طرح ہیں، یا ایک جسم کی طرح ہیں۔

بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو

اس کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جب سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو، کبھی کبھی آپس میں مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے، لڑائی بھی ہو جاتی ہے، نااتفاقی بھی ہو جاتی ہے، قطع تعلقی بھی ہو جاتی ہے، تو اس قطع تعلقی کو، نااتفاقی کو اور آپس کے لڑائی جھگڑے کو گوارا نہیں کرنا چاہئے، کہ بھئی! لڑائی ہو رہی ہے، تو ہونے دو، ہمیں اس سے کیا واسطہ؟ جھگڑا ہوتا ہے، تو ہونے دو، ہمیں اس سے کیا غرض ہے؟ بلکہ ہمارے اختیار میں جس قدر ہے، اس اختیار کو استعمال کر کے ان میں صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہئے،

دو آدمیوں کے درمیان، یا دو سے زیادہ آدمیوں کے درمیان، یا دو خاندانوں کے درمیان یا دو جماعتوں کے درمیان اگر نااتفاقی ہوگئی ہے، لڑائی ہوگئی ہے، تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کو بڑھانے سے تو بالکل بچنا چاہئے، اور اس کو برقرار رکھنے سے بھی بچنا چاہئے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس وشیطان ہمارے دشمن ہیں، وہ برابر یہ کوشش کریں گے کہ لڑائی اور بڑھے، یہ جھگڑا اور بڑھے، نااتفاقی میں اور اضافہ ہو، اس میں اضافہ ہونے کا نقصان یہ ہوگا کہ بعض مرتبہ قتل وغارت گری کی نوبت آجاتی ہے، ہم اپنے قرب وجوار میں یہی بات دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت دوسری جماعت کے افراد کو چُن چُن کر قتل کر دیتی

ہے، لوٹ مار بھی ہوتی ہے، نہ جان محفوظ، نہ مال محفوظ، نہ عزت محفوظ، یہ اس لڑائی کے سنگین نتائج ہیں، اگر ان میں صلح کروادی جاتی، تو یہ نوبت نہ آتی۔

صلح انصاف کے ساتھ اور شریعت کے مطابق ہو

صلح ہر آدمی اپنی استطاعت کے مطابق کرواسکتا ہے، کیونکہ صلح کے معنی ہیں: دونوں کو سمجھانا، اور سمجھا کر ان کی آپس کی لڑائی کو ختم کردینا، بس! ایک بات صلح میں ضروری ہے کہ صلح بھی انصاف کے ساتھ ہو، شریعت کے مطابق ہو، اس میں کسی کی بے جا طرفداری نہ ہو، کسی کی ناحق حمایت نہ ہو، کہ یہ تو ہماری برادری کا ہے، ہماری قوم ہے، ہمارے خاندان کا ہے، یہ تو میرا سگا بھائی ہے، مجھے اس کی حمایت ہی کرنی ہے، اس طرح صلح نہیں ہوگی، بلکہ جس کا قصور ہو، اس کو کہو کہ تم اپنے قصور کو مانو، اور دوسرے سے اس کی تلافی کرو، عدل و انصاف صلح کے اندر بھی ضروری ہے، حدیث میں آتا ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے، سوائے اس کے حلال کو حرام کرے، یا حرام کو حلال کرے، یعنی جس صلح میں حلال کو حرام کردیا جائے گا، یا حرام کو حلال کردیا جائے گا، وہ ناجائز ہوگی، اس سے بچنا ضروری ہے،

بہر حال! صلح عام مسلمان بھی کرواسکتے ہیں، اور بعض خاندانوں میں اس کا باقاعدہ ایک نظام ہوتا ہے، اور اس میں آپس میں فریقین کو بلا کر سمجھایا جاتا ہے، اور ان کو سمجھا کر ان میں صلح صفائی کروائی جاتی ہے، لیکن بیشتر برادری اور خاندانوں میں اس کا طریقہ کار خلافِ شرع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ صلح صفائی نتیجہ خیز نہیں ہوتی، صلح صفائی کروانے کا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، تو اس کا شرع کے مطابق ہونا ضروری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ علماء سے، اہلِ فتویٰ سے ان کی پوری صورتحال بتا کر معلوم کرلو کہ کیا طریقہ ہے؟ اس کے بعد صلح صفائی کروادو۔

فیصلہ کرنا ہرایک کے بس کی بات نہیں

فیصلہ کرنا ہرایک آدمی کے بس کی بات نہیں ہے، دوفریقوں کے درمیان ثالث بن کر ان کے درمیان فیصلہ کرنے کی ہرآدمی میں اس کی صلاحیت نہیں، یہ تحکیم کہلاتی ہے، اورشریعت میں اس کے بھی احکام ہیں، آداب ہیں، اس میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کون مدعی ہے، کون مدعاعلیہ ہے؟ اوردعویٰ کس چیز کا ہے؟ پھرمدعی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کوگواہوں سے ثابت کرے، پھرگواہوں کی بھی کچھ شرطیں ہیں، اس میں بھی بڑی تفصیلات ہیں، اورگواہ نہ ہوں، توپھرمدعاعلیہ سے قسم لی جائے گی، قسم میں بھی بہت سے احکام ہیں، اس کے بعد فیصلہ ہوتا ہے، تو دوفریقوں کے درمیان فیصلہ کرنا، یہ ہرایک کے بس کی بات نہیں، اورصلح میں صرف سمجھانا ہوتا ہے، پیار سے محبت سے سمجھادو کہ بھئی! تمہاری یہ غلطی ہے، تم اپنی غلطی کودورکرو، آئندہ مت کرنا، آپس میں مل جل کررہو، محبت سے رہو، بہرحال اللہ پاک نے حکم دیا کہ اگرمسلمانوں میں باہم نااتفاقی ہوجائے، توان کے درمیان صلح کروادیا کرو، تاکہ جوآپس کی لڑائی ہوگئی ہے، جھگڑاہوگیاہے، نااتفاقی ہوگئی ہے، وہ ختم ہو۔

تقویٰ کی ضرورت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اتقوا اللہ، اوراللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یہ اس لئے فرمایا کہ بعض مرتبہ دوفریقین کے درمیان صلح کروانے والا، جوآیاہے، بعض اوقات اس کے اندرغرورپیداہوجاتاہے، اوراس میں تکبرپیداہوجاتاہے کہ واہ میں تواتنابڑاہوگیا، میں اتنااچھاہوگیا، اورمیری یہ عزت ہوگئی، اور مجھے یہ مقام مل گیا کہ میں ان کے درمیان صلح کروانے کے لئے بیٹھاہوں، یابعض مرتبہ وہ خلافِ شرع صلح کرواتاہے، جیساکہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حلال کوحرام، اورحرام کوحلال کردے، اس لئے صلح میں شریعت کے احکام کی

تابعداری ضروری ہے، ورنہ وہ صلح، صلح ہی نہیں ہے، وقتی طور پر دونوں کے سینے تو ملوا دیے، لیکن دل ملے ہی نہیں، اور دل جب ملیں گے، جب صحیح صلح ہوگی، فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جن کے درمیان تم صلح کروا رہے ہو، نہ ان کو حقیر سمجھو، نہ ذلیل سمجھو، نہ ان کو اپنے سے کمتر سمجھو، ان سے اپنے آپ کو بہتر مت سمجھو، اور صلح کرانے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو، صحیح صحیح صلح کرواؤ، شریعت کے مطابق صلح کرواؤ، عدل وانصاف سے کام لو، اس لئے فرمایا: واتقوا اللہ، کہ صلح کروانے میں احکامِ شرع کے پابند رہو۔

صلح کے بعض غلط طریقے

یہ نہیں کہ اپنی مرضی سے جو چاہو فیصلہ کردو، جیسے بعض خاندانوں اور بعض برادریوں میں ہوتا ہے کہ وہ صلح کروانے میں جرمانہ لگا دیتے ہیں کہ پانچ لاکھ روپے تمہیں دینے ہوں گے، یا دس لاکھ روپے تمہارے اوپر جرمانہ ہیں، یا مشہور ہے کہ وہ گائے لیکر جائیں گے، اور چودھری صاحب کے گھر جا کر ذبح کریں گے، جب تک بکرا یا دنبہ ذبح نہ ہوگا، وہ بات ہی نہیں کریں گے، اس کے بعد پھر وہ فیس بھی بڑی تگڑی لیتے ہیں کہ اتنے لاکھ روپے ہم لیں گے، تب تمہارے درمیان صلح کروائیں گے، یہ سب صلح کروانے کے ناجائز طریقے ہیں، اسی لئے فرمایا کہ ناجائز طریقہ اختیار نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، آپس میں صلح کروانے کا شریعت کا جو طریقہ ہے، انصاف سے کام لینے کا، مساوات سے کام لینے کا، اسے اختیار کرو، نہ بے جا کسی کی طرف داری کرو، نہ کسی کی طرف جھکو، نہ کسی کی طرف مائل ہو، ہمارا دشمن بھی اگر حق پر ہے، تب بھی اس کی حمایت کرو، غلط کام اگر ہمارے بھائی نے کیا ہے، تو اس کی مذمت کرو۔

پھر آخر میں فرمایا: **لعلکم ترحمون**، یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے صحیح صحیح صلح کرواؤ گے، اور اختلافات کو دور کرنے کا اہتمام کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے، اور جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو جائے، اس کا بیڑہ پار ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے

کرم سے ہی سارے کام ہوں گے، دنیا کے سارے کام بھی انہی کے فضل سے بنتے ہیں، اورآخرت کے سارے کام بھی انہی کے فضل سے بنیں گے، ان شاء اللہ، اس لئے فرمایا کہ شاید تم پر رحم کیا جائے، تو اس آیت میں فرمایا کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، اگر کبھی ان کے درمیان جھگڑا ہو جائے، تو ان کے درمیان صلح کرواؤ، اور شریعت کے مطابق صلح کرواؤ، اور شریعت کے مطابق کرو گے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نتیجے میں وہ اختلاف بھی دور ہو جائے گا، نا اتفاقی بھی دور ہو جائے گی، دل ایک دوسرے سے ہٹ گئے ہیں، وہ بھی جڑ جائیں گے، اور لڑائی جھگڑا ختم ہو جائے گا، جہاں لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، اور صلح کروانے والا کوئی نہیں ہوتا، تو وہاں لڑائیاں بڑھتے بڑھتے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے، ایک دوسرے کا مال چھیننے اور لوٹنے تک نوبت آ جاتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اور وبال ہے، اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، آپس میں اپنے دل صاف کر لو۔

صلح میں جلدی کریں

جن کے درمیان لڑائی ہوئی ہے، جھگڑا ہوا ہے، وہ کسی صلح کروانے والے کے انتظار میں نہ رہیں، بلکہ ان میں ہر ایک اس بات کا اہتمام کرے کہ میں اپنی غلطی ماننے کے لئے تیار ہوں، اور اپنی غلطی مان لو، اور اس سے کہہ دو کہ بھئی! مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے، میں اللہ تعالیٰ کے لئے آپ سے معافی مانگتا ہوں، دوسرا بھی اسی طرح عمل کرے، وہ بھی اپنی غلطی مانے، اور کہے کہ بھئی! مجھ سے غلطی ہوگئی، اور میں آپ سے بھی معافی مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگتا ہوں، اس سے بھی جھگڑا ختم ہو جائے گا، نا اتفاقی ختم ہو جائے گی، اور بے چینی اور بے قراری ختم ہو جائے گی، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کی آپس میں مصالحت نہیں ہوتی، تو پھر تیسرے مسلمان کو درمیان میں آنا چاہئے، اور وہ آکر ان کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کرے، قاعدہ یہی ہے کہ ہر آدمی اپنی غلطی ماننے کے لئے

تیار ہو، جب کوئی اپنی غلطی ماننے کے لئے تیار ہوگا، دوسرا اس کو اس کی غلطی بتائے گا، ذرا سی دیر میں اختلاف ختم ہو جائے گا، جھگڑا ختم ہو جائے گا، اور آپس میں صلح ہو جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے، اپنے کرم سے ہمیں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

سلسلہ درس حیات المسلمین

صلح وصفائی اور معاشرتی گناہ

(۱۶)

شرح روح نہم

بیان نمبر (۶۷)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۲۷ ستمبر ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نماز عصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمِنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ ومَن یُضللہٗ فلا ھَادِیَ لَہٗ وأشھد أن لّا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونبیّنا ومولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحَابِہٖ وبارک وسلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝۱۰ (الحجرات: آیت نمبر۱۰)

ترجمہ

حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ، تا کہ تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

میرے قابل احترام بزرگو!

دومسلمانوں کے درمیان اگرلڑائی ہوجائے ،تو اول تو ان دونوں کو چاہئے کہ وہ اپنی

اس لڑائی کو ختم کریں، اور نااتفاقی کو دور کریں، اور اگر کسی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکیں، تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کی لڑائی ختم کروادیں، اور ان میں صلح وصفائی کروادیں، کیونکہ دو مسلمان بھائیوں کا آپس میں لڑنا، جھگڑنا، اور نااتفاقی اختیار کرنا، جبکہ اس کی وجہ دین نہ ہو، بڑا گناہ ہے، اور اس کی وجہ سے قسم قسم کے دوسرے گناہ وجود میں آتے ہیں، جیسے ایک دوسرے سے قطع تعلق کردینا، ایک دوسرے سے حسد کرنا، ایک دوسرے سے نفرت کرنا، ایک دوسرے کی غیبت کرنا، طعن وتشنیع کرنا، اور بعض مرتبہ یہ لڑائی قطع تعلقی اور بہتان کا سبب بھی بن جاتی ہے، تو آپس کی لڑائی خود بھی گناہ ہے، اور دیگر بہت سے گناہوں کا ذریعہ ہے۔

اس لئے اللہ پاک یہ حکم دے رہے ہیں کہ اگر کہیں دو مسلمانوں میں، یا دو خاندانوں میں، دو قبیلوں میں لڑائی یا نااتفاقی ہوجائے، تو ان کے درمیان صلح کروادیا کرو، صلح کرانا آسان ہے، لیکن صلح کا شرع کے مطابق ہونا ضروری ہے، اس میں عدل وانصاف ضروری ہے، جس کی غلطی ہے، اس کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنی غلطی سے باز آئے، اور معافی مانگ لے، اور جس کی غلطی نہیں ہے، وہ بھی معاف کردے، اور اپنا دل صاف کرلے، آپس کی لڑائی، نااتفاقی، اختلاف، افتراق اور انتشار بڑے وبال کی چیز ہے، اس پر مسلمانوں کا برقرار رہنا کسی حال میں بھی درست نہیں۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صلح کروانے والے اپنے آپ کو ان سے بہتر نہ سمجھیں، اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے بڑے ہیں، ہم ان سے اچھے ہیں کہ ہم ان کے درمیان صلح کروارہے ہیں، یہ ہم سے کمتر ہیں، یہ ہم سے بدتر ہیں، اور یہ ہمارے قابو میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اپنے اندر بڑائی نہ آنے دو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس طرح یہ تمہارے ماتحت ہیں، اور تم ان میں صلح کروارہے ہو، اسی طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت بھی فرماسکتے ہیں، اس لئے

اپنے آپ کو کسی بھی لحاظ سے اعلیٰ، افضل اور بہتر نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ان کے درمیان مصالحت کروادو۔

آگے فرمایا: **لعلکم ترحمون**، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگئی، تو بیڑا پار ہے، کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جاتی ہے، وہ نجات پا جاتا ہے، وہ فلاح حاصل کر لیتا ہے، اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں، حکیم بھی ہیں

اللہ جلّ شانہ جس طرح حاکم ہیں، اسی طرح حکیم بھی ہیں، حاکم تو ایسے ہیں کہ ان کے برابر کوئی حاکم نہیں، کہ زمین و آسمان میں، بلکہ ہر جگہ ان کا حکم چلتا ہے، ان کے برابر کوئی بادشاہ نہیں، ان کے برابر کوئی بڑا نہیں، سب اللہ تعالیٰ کے آگے محکوم ہیں، سب اس کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، حکم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نہ صرف حاکم ہیں، بلکہ **احکم الحاکمین** ہیں،

اسی طرح اللہ جلّ شانہ کے برابر کوئی حکیم نہیں، کوئی حکمت والا نہیں، اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا جب وہ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں، تو یہ حکم بحیثیت حاکم کے دیتے ہیں، جس کی تعمیل مخلوق پر لازم ہے، ساتھ ہی اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی بیشمار حکمتیں بھی ہوتی ہیں، ان کا کوئی حکم چھوٹا ہو، یا بڑا، وقتی ہو، یا دائمی، حکمت سے خالی نہیں، اور اس پر ہم سب کو یقین اور ایمان رکھنا ضروری ہے، چنانچہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے بحیثیت حاکم ہونے کے یہ حکم دیا کہ اے ایمان والو! جب دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو جائے، تو تم ان کے درمیان مصالحت کروادیا کرو، جھگڑے کو گوارہ نہ کرو، جھگڑے کو برداشت نہ کرو، اس کو برقرار نہ رکھو کہ اس میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے، اس حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آگے آنے والی آیات میں جھگڑے کے اسباب سے بھی منع فرمایا، جن باتوں سے لڑائی اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ان باتوں سے بھی روک رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، ان کاموں میں سے

ایک یہ ہے، فرمایا:

''اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، (جس سے دوسرے کی تحقیر ہو)، کیا عجب ہے کہ جن پر وہ ہنستے ہیں، وہ ان ہنسنے والوں سے (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) بہتر ہوں''

مذاق تین گناہوں کا مجموعہ

مذاق کرنے سے، کسی پر ہنسنے سے اللہ پاک نے منع فرمایا، مردوں کو الگ منع فرمایا، اور عورتوں کو الگ منع فرمایا، عام طور پر قرآن شریف میں مردوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے، عورتیں اس میں ضمناً وتبعاً شامل ہوتی ہیں، لیکن اس حکم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو الگ سے حکم دیا ہے کہ وہ کسی کا مذاق نہ اڑائیں، وجہ یہ ہے کہ یہ چیز فساد کی جڑ ہے، اس سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، اور یہ جھگڑے کا بہت بڑا سبب ہے، جب کوئی کسی کا مذاق کرتا ہے، تو عام طور پر اس میں تین گناہ کی باتیں پائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ مذاق کرنے والا اپنے آپ کو دوسرے سے اچھا اور بہتر سمجھتا ہے، بڑا سمجھتا ہے، اور دوسرے یہ کہ جس کا وہ مذاق اڑا رہا ہے، اس کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے، اپنے کو اچھا سمجھنا یہ الگ گناہ ہے، دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھنا، یہ الگ گناہ ہے، کیونکہ ہنسی مذاق میں دوسرے کی توہین ہوتی ہے، آدمی دوسرے کو ذلیل کرتا ہے، دوسرے کی تحقیر کرتا ہے، اس لئے دوسرے پر ہنس رہا ہے، اس کا مذاق کر رہا ہے،

تیسرا گناہ اس میں دوسرے کو تکلیف پہنچانا ہے، جب آدمی کسی پر ہنستا ہے، تو سامنے والے کو تکلیف ہوتی ہے، اب چاہے وہ اس کے سامنے اپنی تکلیف کا اظہار نہ کرے، کہ شاید اگر تکلیف کا اظہار کروں، تو وہ اور زیادہ مذاق اڑائے، اس وقت وہ خاموش ہو جائے، کچھ نہ بولے، وہ بھی ہنسی میں بات کو ٹال دے، لیکن دل کے اندر تکلیف محسوس کرتا ہے، یہ تینوں بڑے گناہ ہیں، اپنے کو دوسرے سے افضل اور اچھا سمجھنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ تکبر

ہے، کسی مسلمان کو حقیر وذلیل سمجھنا بھی ناجائز ہے، کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا بھی ناجائز ہے، اس لئے کسی کا مذاق اڑانا، ناجائز ہے، اسی سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، کیونکہ جب آپ کسی کا مذاق اڑائیں گے، تو وہ آپ کا مذاق اڑائے گا، اور اس طرح جھگڑا پیدا ہوگا، ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہوگی، جو قطع تعلقی کا باعث بن جائے گی، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے، کہ کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے۔

مزاح جائز ہے

مذاق کے مقابلے میں ایک ہوتا ہے: مزاح، وہ جائز ہے، اور ثابت بھی ہے، مذاق ناجائز ہے، جبکہ مزاح جائز ہے اور ثابت ہے، چنانچہ ایک بڑی بی سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کیا کہ حضور! دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، اب یہ بڑھیا رونے لگی کہ میرا کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی، کوئی بوڑھا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گا، جتنے بوڑھے بوڑھیاں ہیں، سب جوانِ رعنا ہو کر جنت میں جائیں گے، بچے، بوڑھے سب جوان ہو کر جنت میں داخل ہوں گے، اور ہمیشہ جوان ہی رہیں گے، بڑھاپا دنیا میں ہے، جنت میں نہیں ہے، دیکھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح بھی فرمایا، اور بات بھی سچ فرمائی، اور اس میں کسی کی تحقیر بھی نہیں ہے، نہ اپنے کو بڑا سمجھنا ہے، محض خوش طبعی ہے، اور جب یہ تین گناہ نہ ہوں، تو خوش طبعی جائز اور مباح ہے۔

اونٹنی کا بچہ دینا

ایسے ہی ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور! میرے پاس سواری نہیں ہے، مجھے سواری کے لئے اونٹ عطا فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک صاحب سے فرمایا کہ بھئی! اس کو اونٹنی کا بچہ دے دو، اس نے عرض کیا کہ حضور! میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں گا، مجھے تو سواری چاہئے، میں بچے پر کیا سواری کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ بھی تو اونٹی کا بچہ ہی ہوتا ہے، دیکھئے! مزاح بھی فرمایا، سچ بھی ہے، کسی کی توہین وتذلیل بھی نہیں ہے، کسی کی ایذاء رسانی بھی نہیں۔

اصل حقیقت قیامت کے دن معلوم ہوگی

اللہ پاک نے مذاق کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ جن پر تم ہنس رہے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو، اوراس کا انجام تم سے اچھا ہو، کیونکہ اس دنیا میں آدمی جب کسی پر ہنستا ہے، تو عام طور پر اپنے سامنے والے کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے، حقیر وذلیل سمجھ کر یا اپنے سے کمتر سمجھ کر اس پر ہنستا ہے، اس لئے دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع فرمادیا، کون مقبول ہے، اور کون نامقبول؟ اس کا پتہ قیامت کے دن چلے گا، قیامت کے دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**خافضة رافعة**'' وہ پست کرنے والی ہے، بلند کرنے والی ہے، کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو دنیا میں بہت ہی حقیر، ذلیل، معمولی، بالکل نکما، ناکارہ، اور بہت ہی خطا کار وسیاہ کار سمجھا جاتا تھا، وہ بڑے بڑے درجات پر فائز ہوں گے، اور دنیا میں جن کو حاجی نمازی سمجھا جاتا تھا، اور ان کو بڑا اللہ والا سمجھا جاتا تھا، اور وہ دنیاوی اعتبار سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، لیکن قیامت کے دن ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا، **العیاذ باللہ**! جو آج دنیا میں کسی پر ہنس رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ ہنسنے والا برباد ہوجائے، اور جس پر ہنسا جارہا ہے، وہ کامیاب ہوجائے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے، ''**إنما الأعمال بالخواتیم**'' اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے، خاتمہ اچھا ہوگیا، تو سب کچھ اچھا، خاتمہ برائی اور کفر پر ہوگیا، تو سب کچھ برباد، **العیاذ باللہ**! جس پر ہنسا جارہا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی نیکی ایسی ہو، جو اس کے سارے گناہوں پر بھاری ہو، اور جو ہنس رہا ہے، اپنے کو اچھا سمجھ رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کے گناہوں میں کوئی ایسا گناہ ہو، جو

اس کی ساری نیکیوں پر بھاری ہو، جس کی وجہ سے ہنسنے والا پکڑا جائے، اور جس پر ہنسا جارہا ہے، وہ بخشا جائے۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ تم سے تو میرا کتا ہی اچھا ہے، (العیاذ باللہ!) اللہ والوں کی نظر میں ہر وقت آخرت ہوتی ہے، انہوں نے فوراً کہا کہ بھئی! میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں اچھا، یا کتا اچھا، اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوگیا، تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے کتے سے اچھا ہوں، اور اگر خدا نہ کرے! میرا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا، تو پھر مجھ سے تمہارا کتا ہی اچھا، اس لئے کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا، اور میں جہنم میں جاؤں گا، (العیاذ باللہ!) لہٰذا ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا، جن کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے، ان کی زبان نہیں کھلتی، وہ کسی کا بے جا مذاق نہیں کرسکتے، کسی پر نہیں ہنس سکتے، یہ ہنسی مذاق اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ پاک نے ''واتقوا اللہ'' فرمایا۔

طعنہ زنی کرنا

اس کے بعد دوسری بات اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی کہ:

''اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو۔''

جس طرح ہنسی مذاق لڑائی کا سبب ہے، طعن وتشنیع بھی لڑائی کا سبب ہے، بعض مردوں میں اس کی عادت ہوتی ہے، اور عورتوں میں بہت زیادہ اس کی عادت ہوتی ہے، بعض مرتبہ ساس اپنی بہو پر طعن وتشنیع کرتی رہتی ہے، اور بعض مرتبہ بہو، اپنے ساس، سسر پر طعن وتشنیع کرتی رہتی ہے، بعض گھروں میں طعنہ زنی کی عادت ہوتی ہے، اس طرح دوست احباب میں بھی طعنہ زنی کی جاتی ہے، مثلاً کسی کو تیلی کہہ دیا، کسی کو چمار کہہ دیا، کسی کو بدھو کہہ دیا، کسی کو پاگل کہہ دیا، یہ سب طعن وتشنیع ہے، طعنہ زنی کرنا اور باتیں مارنا ایسی عادت ہے جس

سے دوسرے کا دل دکھتا ہے، اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب کسی کو تکلیف ہوگی، وہ بھی جواب میں طعنہ دے گا، یا وہ بھی برا بھلا کہے گا، تو اس کا نتیجہ لڑائی کی شکل میں نکلے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے منع فرمایا۔

برے لقب سے پکارنا

اس کے بعد تیسری چیز بیان فرمائی:

''اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔''

لقب اچھا بھی ہوتا ہے، اور برا بھی ہوتا ہے، برے لقب سے پکارنے کی مثال یہ ہے کہ خدانخواستہ! کوئی نابینا ہے، تو کوئی اسے اندھا کہہ کر پکارے، لنگڑا ہے، تو اس کو لنگڑا کہہ کر پکارے، الغرض! کوئی ایسا لفظ اس کے لئے استعمال کرے، جس سے اس کی برائی ٹپکتی ہو، اس کا عیب ظاہر ہوتا ہو، ایسے لقب سے پکارنا منع ہے، کیونکہ برے القاب سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے، البتہ اچھے القاب سے پکارنا نہ صرف جائز، بلکہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، جیسے حضرت ابوبکرؓ کا لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''صدیق'' فرمایا، حضرت عمرؓ کا لقب ''فاروق'' ہے، حضرت عثمانؓ کا لقب ''غنی'' ہے، حضرت عبیدہ بن الجراح کا لقب ''أمين هذه الأمة'' ہے، حضرت حمزہؓ کا لقب ''أسد لله و أسد رسوله'' ہے، اس طرح سے اچھے القاب سے کسی کو پکارنا جائز ہے، کیونکہ اس میں اس کا اعزاز ہے، اکرام ہے، اس کا ادب ہے، اس سے دوسرے کی عزت ہوتی ہے، اور برے لقب سے کسی کو پکارنا ناجائز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان معاشرتی گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہماری معاشرت پُر راحت اور پُر عافیت ہوسکے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سلسلۂ درسِ حیات المسلمین

چھ معاشرتی گناہ (۱)

(۱۷)

شرحِ روحِ نظم

بیان نمبر (۶۸)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

مقام	:	جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
تاریخ	:	۴ اکتوبر ۲۰۱۱ء
دن	:	منگل
وقت	:	بعد نماز عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمنُ بہ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ من شرورِ أنفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا مَن یّھدہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ وَمَن یُضللہُ فلا ھَادِیَ لَہٗ وأشھد أن لّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وأشھد أنّ سیّدنا ونَبِیّنا ومولانَا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و أصحَابِہٖ و بارک و سلَّمَ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

أمّابعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَ لَانِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ۚ وَ لَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ لَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

(حجرات: آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ

اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسروں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ (جن کا مذاق اُڑا رہے ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق

اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں، تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اس کے دین پر عمل کرنے میں ہے، چاہے وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہو، یا اس کے بندوں کے حقوق سے متعلق ہو، جو شخص دین پر ٹھیک ٹھیک عمل کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پا کر نجات پا جائے گا، اور جو عمل نہیں کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں کر سکے گا، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو تو دین سمجھتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، لیکن بندوں کے حقوق ادا کرنے کو دین نہیں سمجھتے، یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہماری مرضی ہے، ہم ادا کریں، یا ادا نہ کریں، اس لئے بہت سے لوگ بندوں کے حقوق ادا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے، جیسے ماں باپ کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق وغیرہ۔

حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت

اور بعض اعتبار سے حقوق العباد کی ادائیگی زیادہ اہم اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے مقابلے میں، اور اس کی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے، بندوں کے حقوق کا میدان، اور ان کا زیادہ تر تعلق معاشرت اور معاملات سے ہے، چنانچہ اس روح میں حضرتؒ نے جو آیات و احادیث بیان فرمائی ہیں، ان کا تعلق بھی زیادہ تر معاشرت سے ہے، اور معاملات سے ہے، اور ان حقوق کے ادا کرنے سے ہماری معاشرت بھی صحیح ہوگی، معاملات بھی إن شاء اللہ تعالیٰ درست ہوں گے،

یایوں سمجھ لیں کہ جس قدر ہماری معاشرت شریعت کے مطابق ہوگی، اور جس قدر ہمارے معاملات شریعت کے مطابق ہوں گے، اتنا ہی زیادہ ہم بندوں کے حقوق احسن طریقے سے ادا کرنے والے ہوں گے، اور اس سے ہماری زندگی نہایت خوشگوار، پر راحت اور پر عافیت ہوگی، تعلقات بہت اچھے ہوں گے، ایک دوسرے سے محبت ہوگی، ایک دوسرے کا احترام ہوگا، چھوٹوں پر شفقت ہوگی، بڑوں کا اکرام ہوگا، جس قدر ہمارے معاملات درست ہوں گے، ہمارے دل صاف ہوں گے، کسی سے بدگمانی نہیں ہوگی، کسی سے بدزبانی نہیں ہوگی، کسی کی غیبت نہیں ہوگی، الزام تراشی نہیں ہوگی، سکون اور چین نصیب ہوگا، اس سے آپ اندازہ کریں کہ بندوں کے حقوق ادا کرنا، اپنی معاشرت و معاملات کو درست کرنا کس قدر ضروری ہے! ان کی ادائیگی کے ساتھ دنیا کی زندگی إن شاء اللہ تعالیٰ جنت کی زندگی کا نمونہ بن جائے گی، جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

جنت ایسی جگہ جہاں کوئی تکلیف نہیں، کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں۔

ہر آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے، آرام واطمینان سے اپنی زندگی گزار رہا ہے، کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، کوئی پریشانی اور کوئی غم نہیں ہوگا، ہر ایک اپنی نعمتوں میں مست اور مگن ہوگا، معاشرت اور معاملات صحیح ہوں، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ہو، تو إن شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں جنت کی زندگی کا مزہ نصیب ہوگا،

حقوق کی ادائیگی نہ ہونے کے نتائج

جبکہ فی الحال ہماری معاشرت اور معاملات کے خراب ہونے کی وجہ سے، اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے زندگی وبال بنی ہوئی ہے، نہ کسی کی عزت ہے، نہ کسی کا احترام ہے، نہ سکون ہے، نہ آرام ہے، نہ راحت ہے، ایک دوسرے سے متنفر ہیں،

ایک دوسرے سے حسد ہے، ایک دوسرے کی برائی زبان پر ہے، بھائی، بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، گھر گھر لڑائی جھگڑے ہیں، یہ عمومی صورتحال ہے، جس کی وجہ سے عام طور پر ہر آدمی بے چین، پریشان، بے قرار اور بے سکونی کا شکار ہے، نہ گھر میں سکون ہے، نہ گھر سے باہر سکون ہے، ہر جگہ پریشانی ہی پریشانی، اور تکلیف ہی تکلیف ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہو رہی، ہم نے معاشرت شریعت سے ہٹ کر اختیار کر لی ہے، معاملات بھی خلافِ شرع اختیار کیے ہوئے ہیں۔

بہر حال! حق تعالیٰ جل شانہ نے ایسے احکام دیئے ہیں، جن سے حسن معاشرت پیدا ہوتی ہے مثلاً یہ حکم کہ بھائی بھائی بن کر رہو، ایک دوسرے سے لڑو نہیں، اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر ان میں جھگڑا ہو جائے، تو جتنا جلد ہو سکے، ان کے درمیان صلح کرواؤ، تاکہ ان کا جھگڑا ختم ہو، جھگڑے کو بڑھنے نہ دو، اس کو برقرار بھی نہ رہنے دو، کیونکہ یہ فساد اور برائی کی جڑ ہے، جہاں بھی یہ لڑائی جھگڑا ہوگا، وہاں کا سکون ختم ہو جائے گا، اطمینان جاتا رہے گا، راحت ختم ہو جائے گی، وہاں بے سکونی اور بے قراری ہوگی جو بہت سے گناہوں کا ذریعہ بنے گی۔

چنانچہ اس سے اگلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کاموں اور ان گناہوں سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے، جن سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، جن سے آپس کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، نفرتیں وجود میں آتی ہیں،

(۱) ... ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دوسرے کا مذاق مت اڑاؤ،

(۲) ... دوسرا یہ کہ ایک دوسرے کو طعنہ مت دو،

(۳) ... تیسرے یہ کہ ایک دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارو،

(۴) ... چوتھے یہ کہ بدگمانی سے بچو،

(۵) ... پانچویں یہ کہ کسی کے عیب مت ڈھونڈو، کسی کے عیب کی جستجو میں

مت پڑو،

(۶) ... ایک دوسرے کی غیبت مت کرو،

ان چھ گناہوں سے بھی اللہ پاک نے بچنے کا حکم دیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ چھ کے چھ گناہ ایسے ہیں، جن سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، یہ جھگڑے کے اسباب ہیں، جہاں ان چھ باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے گی، وہاں لڑائی ہوگی، نااتفاقی ہوگی، ایک دوسرے سے نفرت ہوگی، لہٰذا جہاں جھگڑنے سے منع کیا، ساتھ ہی ان اسباب سے بھی منع کردیا، جو جھگڑے کا سبب بنتے ہیں۔

جھگڑے کی جڑ تکبر ہے

اگر غور کیا جائے، تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ لڑائی کی جڑ تکبر ہے، فساد پھیلنے کی بڑی وجہ غرور اور تکبر ہے، لڑائی، تکبر سے پیدا ہوتی ہے، تکبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے، غصے سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، جھگڑے سے پھر اور بڑے بڑے گناہ پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو تکبر سے بچنا ضروری ہے، اور تکبر اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھے، اور دوسروں کو اپنے سے حقیر اور ذلیل سمجھے، ابھی جن چھ گناہوں کا اجمالی ذکر آپ کے سامنے آیا، ان کی جڑ بھی یہی تکبر ہے، جیسا کہ إن شاء اللہ تعالیٰ اس کی مزید وضاحت آجائے گی۔

تواضع اتفاق کی بنیاد ہے

تکبر کی ضد ہے تواضع، یہ اتفاق کی جڑ ہے، اتحاد کی جڑ ہے، آپس میں محبت کی جڑ ہے، الفت کی جڑ ہے، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی بنیاد ہے، تواضع اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے دل میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے، اور دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھے، جب کوئی آدمی اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے گا، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھے گا، یقیناً وہ

دوسروں کی عزت کرے گا، دوسروں کا ادب کرے گا، دوسروں کا احترام کرے گا، دوسروں کی مدد کرے گا، دوسروں کی خدمت کرے گا، وہ کسی سے کیوں لڑے گا؟ کسی سے کیوں جھگڑے گا؟ اسے دوسروں پر غصہ کیسے آئے گا؟ کیونکہ وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھ رہا ہے، اور تواضع حسنِ معاشرت کی جڑ ہے، اور تکبر فسادِ معاشرت کی جڑ ہے۔

ایک دوسرے کا مذاق اُڑانا

چنانچہ ان چھ گناہوں میں سے پہلا گناہ، جس سے اللہ پاک نے بچنے کا حکم فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، جس سے دوسرے کی تحقیر ہو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو الگ اور عورتوں کو الگ یہ حکم دیا ہے، کیونکہ جب ایک آدمی دوسرے پر ہنستا ہے، دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے، تو عام طور پر مذاق کرنے والے اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے، اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے، اسی وجہ سے مذاق کرتا ہے، کبھی آپ نے کسی چھوٹے کو اپنے سے بڑے سے مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، کسی بیٹے کو اپنے باپ سے، کسی شاگرد کو اپنے استاد سے، کسی مرید کو اپنے پیر سے مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، کیونکہ بیٹا، شاگرد اور مرید اپنے کو کمتر سمجھتا ہے، اور اپنے باپ، استاد اور پیر کو بڑا سمجھتا ہے،

جہاں مذاق ہوتا ہے، وہاں عام طور پر مذاق کرنے والا اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے، اور دوسرے کو حقیر سمجھ رہا ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں مذاق ہو رہا ہے، استہزاء ہو رہا ہے، دوسرے کی تحقیر ہو رہی ہے، دوسرے کی تذلیل ہو رہی ہے، اور دوسرا رسوا ہو رہا ہے، اب چاہے وہ سامنے بولے، یا نہ بولے مگر اس کا دل دُکھتا ہے، اور اگر اس سے برداشت نہ ہوا، تو پھر لڑائی پکی ہے، کیونکہ وہ جواباً اس کا مذاق اڑائے گا، اور جب دونوں ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں گے، تو تھوڑی دیر تک تو زبان سے ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں گے، پھر ہاتھ چلیں گے، باہم دست و گریبان ہوں گے، تو چونکہ ہنسی مذاق بہت زیادہ ہوتا ہے، اس

لئے اللہ پاک نے مردوں کو اس سے بچنے کا الگ حکم دیا، عورتوں کو الگ حکم دیا، ان دونوں کو الگ الگ حکم دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد عورتوں کا اور عورتیں مردوں کا مذاق اڑائیں، وہ تو بدرجۂ اولیٰ گناہ ہے، کیونکہ جب عورتیں مردوں کا مذاق اڑائیں گی، تو ہو سکتا ہے کہ مرد بھی نامحرم ہو، اور عورت بھی نامحرم ہو، تو اس ہنسی مذاق میں بے شرمی بھی ہے، بے حیائی بھی ہے، بے پردگی بھی ہے، یہ الگ مستقل گناہ ہے، اور بہت سے دوسرے گناہوں کا باعث ہے،

اسی طرح بعض گھروں میں یہ صورتحال ہوتی ہے کہ دیور، جیٹھ بھابھیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، یا شوہر اپنی سالیوں کا مذاق اڑاتا ہے، سالیاں اپنے بہنوئی کا مذاق اڑاتی ہیں، اس کے نتیجے میں بعض مرتبہ بہت سی قبیح باتیں سامنے آجاتی ہیں، مذاق مذاق میں دوسرے کی بے عزتی اور بے آبروئی بھی ہوجاتی ہے، مثلاً مذاق مذاق میں کہہ دیا جاتا ہے: ابے او، اُلّو! او گدھے! اگر مذاق اڑانے والا مالدار ہے، تو وہ دوسرے کو کہے کہ او کنگلے! تو نے کبھی فلاں چیز بھی کھائی ہے؟ ہم تو روز کھاتے ہیں، یہ مذاق نہیں ہے، بلکہ اپنی بڑائی کا اظہار، اور دوسرے کی توہین وتذلیل ہے، چونکہ مذاق اڑانا لڑائی اور جھگڑے کا سبب ہے، اس لئے اللہ پاک نے اس سے منع فرمادیا، لہٰذا ہم سب کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم جہاں بھی رہیں، وہاں دوسروں کا مذاق اڑانے سے بچیں۔

ایک دوسرے کو طعنہ دینا

فرمایا: **و لا تلمزوا انفسکم**، دوسرا گناہ جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، وہ ہے: ایک دوسرے کو طعنہ دینا، طعنہ دینے سے دوسرے کا دل دکھتا ہے، اور اس کی توہین ہوتی ہے، اور طعنہ بھی اسی لئے دیا جاتا ہے کہ طعنہ دینے والا اپنے آپ کو دوسرے سے اچھا سمجھتا ہے، دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے، اسی لئے اس کو طعنہ دیتا ہے، اب چاہے کسی بھی اعتبار سے وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھے، مثلاً یہ مالدار ہے، تو دوسرے کو غریب، یا کنجوس کہے، یا کہے کہ

یہ تو بخیل آدمی ہے، کبھی اس کے باپ نے بھی پیسہ خرچ کیا، اور کبھی کمتر پیشہ رکھنے والے کو اس کے پیشے کی وجہ سے طعنہ دیا جاتا ہے، مثلاً کوئی تیل بیچتا ہے، تو اس کو کہتے ہیں: او تیلی! حالانکہ تیل بیچنا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن چونکہ ماحول اور معاشرے میں اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے، تو تیلی کہہ کر اس کو طعنہ دیا جاتا ہے،

کوئی کپڑا بننے والا ہے، تو اس کو جولاہا کہہ کر پکارتے ہیں، انہوں نے اپنی عزت بنانے کے لئے انصاری کا لفظ اپنے ساتھ لگا دیا کہ ہم تو انصاری ہیں، کوئی بیچارہ جوتے گانٹھنے یا جوتے بنانے والا ہے، اس کو موچی کہہ کر پکارتے ہیں، اگر ان کے یہاں سے کوئی رشتہ آ گیا، تو کہا جاتا ہے کہ کیا موچیوں اور تیلیوں سے کوئی رشتہ کرتے ہیں؟ حالانکہ شرعی اعتبار سے موچی یا تیلی ہونا کوئی عیب نہیں، یہ ان کا پیشہ ہے، تو پیشوں کے اعتبار سے بھی طعنے دیے جاتے ہیں، یا جسمانی اعضاء کے بگاڑ کی وجہ سے طعنے دیے جاتے ہیں، کوئی بیچارہ نابینا ہے، اس کو اندھا کہہ کر پکارتے ہیں، کوئی ایک ٹانگ سے صحیح نہیں چل سکتا، تو اس کو لنگڑا کہا جاتا ہے، ایک آنکھ نہیں ہے، تو اس کو کانا کہا جاتا ہے، کوئی چھوٹے قد کا ہے، تو اسے ٹھگو کہا جاتا ہے، لمبا قد ہے، تو لمبو کہا جاتا ہے، عورتوں میں طعنہ دینے کا مرض زیادہ ہوتا ہے، جہاں بیٹھیں گی، ایک دوسرے کو طعنہ دیں گی، ایک نے ذرا اچھے کپڑے پہن لیے، اور دوسری نے ذرا گھٹیا کپڑے پہن لئے، تو اسے کپڑوں پر طعنہ دیں گی، زیور پر طعنہ دیں گی، تو طعن و تشنیع کا بازار گرم ہے، ایک دوسرے کو بات بات میں طعنہ دینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ بعض لوگوں کی گفتگو میں ڈنک ہوتے ہیں، یعنی وہ طعنہ دینے کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم کسی کو طعنہ دے رہے ہیں، بات کریں گے، تو بات بات میں ایک دوسرے کو طعنہ دیں گے، اور ان طعنوں کی وجہ سے دوسرے کا دل پارا پارا ہو جاتا ہے، اور زبان کا زخم اللہ بچائے! ایسا ہے کہ تلوار کے زخم سے بھی بڑھ کر ہے،

جراحات السنان لها التيام
و لا يلتام ما جرح اللسان

تلوار کا زخم بھر سکتا ہے، مگر زبان کا زخم نہیں بھر سکتا۔

ہمارے حضرتؒ کے احوال پر البلاغ کا مفتیِ اعظم نمبر" شائع ہوا تھا، اس میں ہمارے حضرتؒ کے بارے میں ایک صاحب نے مضمون لکھا: اس کی سرخی یہ بنائی: "ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو" یعنی حضرتؒ جب بات کرتے تھے، تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے پھول جھڑ رہے ہیں، اس میں کسی پر طعنہ نہیں ہے، کسی کی برائی نہیں ہے، کسی کی غیبت نہیں ہے، کسی پر تہمت نہیں ہے، بڑی ہی محبت اور شفقت والی زبان اور گفتگو، ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس میں پھولوں کی خوشبو ہو، لہٰذا ہمیں بھی طعن و تشنیع سے بچنا چاہئے۔

تیسرا گناہ برے لقب سے پکارنا

تیسرا گناہ جس سے منع فرمایا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارنا، لقب، آدمی کا وہ نام ہوتا ہے، جس سے اس کی کوئی صفت ظاہر ہو، چاہے اچھی ہو یا بری، کسی آدمی کے اندر کوئی صفت ہے، کسی آدمی کے اندر کوئی خوبی ہے، یا کسی آدمی میں کوئی کیفیت پائی جاتی ہے، اس سے اس کا نام بنا کر اس کو پکارا جائے، تو اس کو لقب کہتے ہیں، جیسے شمس الدین، رکن الدین، یہ پہلے زمانے کے علماء کے لقب ہوتے تھے، تو لقب اچھا بھی ہو سکتا ہے، برا بھی ہو سکتا ہے، اس آیت میں برے لقب کے استعمال کرنے سے منع فرمایا گیا ہے،

برے لقب کی مثال وہی ہے، جو ابھی طعنہ کے اندر بیان ہوئی کہ کسی کو لنگڑا، اندھا وغیرہ کہہ کر پکارنا، کیونکہ لنگڑا ہونا، اندھا ہونا، یہ صفات ہیں، اب ان کے ذریعے سے پکارا جائے، تو اس سے منع فرمایا ہے، البتہ اچھے لقب سے پکارنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اچھے لقب سے پکارنے میں عزت ہے، احترام ہے، جیسے حضرت ابو بکرؓ کا لقب ہے: صدیق، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا، حضرت عمرؓ کا لقب ہے: فاروقِ اعظم، حضرت

عثمان کا لقب ہے: غنی، اسی طرح زین الدین، شمس الدین، قمرالدین، علامہ، شیخ الاسلام، بدرالاسلام وغیرہ اچھے القاب ہیں۔

ان میں دوسرے کا ادب ہے، اس کا احترام ہے، اس لئے ان سے پکارنا درست ہے، اور برے القاب برے ہیں، برے القاب سے نفرت ہوگی، نفرت سے جھگڑا ہوگا، جس کے نتیجے میں معاشرت تباہ ہوگی، اس لئے کسی کے بارے میں ایسا کوئی لفظ نہ بولو، جس سے کہ اس کا دل برا ہو، اور جب آدمی ایک معاشرے میں رہتا ہے، اس میں یہ باتیں خود بخود پتہ چل جاتی ہیں، اول تو آدمی خود اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کو برے لقب سے نہ پکارے، لیکن بعض مرتبہ آدمی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ دوسرے کو برا لگ رہا ہے، لیکن جس کو کہتا ہے، اس کی طرف سے پتہ چل جاتا ہے، کبھی تو وہ دوسرا زبان سے کہہ دیتا ہے، یا پھر اس کا چہرہ مہرہ بتا دیتا ہے کہ تمہارے اس لفظ کے بولنے سے اس کو تکلیف ہوئی ہے، اور اس کو ایذاء ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آج تین گناہوں کا بیان ہوا ہے۔

(۱)......ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ،

(۲)......ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو،

(۳)......دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارو،

اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

دیگر مطبوعات